محبّت کا انتقام

رئیس احمد جعفری

JAF & CO.
Plot # 43/4, Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

مقبول اکیڈمی
۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

جُملہ حقوق محفوظ ہیں

سال طبع ۔ - - - - ۱۹۸۸ء
اہتمام :- - - - - ملک مُقبول احمد
مطبع :- - - - ناصر پرنٹرز لاہور

مقبُول اکیڈمی، لاہور

کوڈ نمبر :
مجلد : ISBN 969 442 263 9
غیر مجلد : ISBN 969 442 264 7

(۱)

لاوارث

ننھی منّھی صفیہ آج بہت خوش تھی۔

آج اسے ایک ساتھی مل گیا تھا اتنے بڑے وسیع، کشادہ اور بھرے پرُے مکان میں کوئی اس کا ساتھی نہ تھا۔

وہ اکیلی تھی۔

باپ تھا جو بہت محبت کرتا تھا، ماں تھی جو ہر وقت پیار کرتی تھی، بڑا بھائی تھا۔ جس کی اگر جھڑکیاں سہتی تھی۔ تو شفقت سے بھی محروم نہ تھی۔ خادمائیں تھیں ملازم تھے اور یہ سب ہاتھ باندھے اس کے اشارۂ چشم کے منتظر تھے۔ پھر بھی اپنے آپ کو وہ تنہا محسوس کرتی تھی — تنہا، اکیلا!

شہر سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک جنگل تھا۔ اچھا خاصا بڑا، جنگل جہاں شکار کے جانور بکثرت تھے۔ اس لئے شکاریوں کے دم سے جنگل میں منگل رہتا تھا اس جنگل سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی بستی تھی کریم گنج، قمر الزمان یہاں کے رئیس تھے۔ ان کا بڑا ماں دان تھا بستی کے دوسرے لوگ یا ان کی رعیت تھے یا کم از کم نیازمند، ساری بستی میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ اگر خدا نے ان کے مزاج میں انسانیت اور محبت نہ رکھی ہوتی تو بڑی آسانی سے اس علاقہ کے

فرعون بن سکتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے دم مار سکتا، یا سر اٹھا کر بات کر سکتا - - - - - - - - ۔ لیکن طبعاً وہ نہایت رحم دل، بامروت اور فیاض شخص تھے، ہر دکھی کے کام آتے تھے۔ ہر شخص کی ضرورت پوری کرتے کسی کو مصیبت میں دیکھتے تو تڑپ جاتے اس برتاؤ کے باعث بستی کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے۔ بستی کے لوگوں پر ان کا رعب اتنا نہیں تھا جتنی ان کی عظمت دلوں میں بسی ہوئی تھی۔

قمر الزماں کو جہاں وراثت میں بہت سی زمین ملی، باغات ملے، ملازم ملے بنک بیلنس ملا۔ وہاں ایک شاندار حویلی بھی ملی، یہ شاندار حویلی ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھی اسی لئے "اونچی حویلی" کے نام سے مشہور ہو گئی۔

خوش قسمتی قمر الزماں پر رشک کرتی تھی ان کے پاس کیا نہیں تھا۔ گھریلو زندگی بھی بڑی خوشگوار تھی۔ باوفا بیوی۔ مریم — اور دو خوبصورت بچے صفیہ اور جمال، جمال کی عمر ۱۲ سال کے لگ بھگ تھی۔ صفیہ ۸ سال کی تھی۔ صفیہ نے باپ کا مزاج پایا تھا۔ جمال نانا پر گیا تھا۔ جو سنا ہے ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے اسی لئے ہی میں جمال نے گھر کے نوکروں اور خادماؤں پر اچھی خاصی دھونس جما رکھی تھی، اسے ڈانٹ دیا، اسے جھڑک دیا، اس کے چانٹا لگا دیا۔ اس کی گوشمالی کر دی۔ سب ہی اس سے سہمے رہتے تھے۔ صفیہ کو بھی دھونس میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن ماں باپ کی بروقت مداخلت کے باعث زیادہ نہیں چلنے نہیں پاتی تھی۔ ویسے جب موڈ میں ہوتا۔ خود بھی اس سے پیار اور محبت کی باتیں کرتا۔ لیکن بس ذرا دیر اس کے بعد پھر اپنے رنگ میں آجاتا۔ اس کے برعکس صفیہ بڑی نیک اور با محبت لڑکی تھی نہ کسی ملازم پر خفا ہوتی، نہ کسی پر شکایت کرتی، بلکہ اگر کسی بدقسمت کی شامت آجاتی اور جمال اس کے درپے آزار ہو جاتا تو یہ اس کی پشت پناہی کرتی، ماں سے یا باپ سے شکایت کر کے الٹا جمال کو زجر و توبیخ کا نشانہ بنا دیتی۔ ان باتوں پر جمال جلتا اور کڑھتا تو بہت لیکن دانت پیس کر رہ جاتا اور کر بھی کیا سکتا تھا؟

مریم بیگم گھر کے کام کاج میں لگی رہتی۔ قمر الزماں کی نشست زیادہ تر مردانے میں رہتی کبھی کسی وقت گھڑی دو گھڑی کو گھر میں آ گئے، ہنسے بولے، بیوی اور بیٹی

سے کچھ دل خوش کن باتیں کیں اور پھر باہر چلے گئے، جمال بھی زیادہ تر باہر ہی رہتا یا اگر گھر میں رہتا تو اپنے کمرہ میں کسی نہ کسی کام میں اُلجھا رہتا۔ صفیہ سے اس کی مڈبھیڑ بہت کم ہوتی اور ہوتی بھی تو دونوں کے مزاج میں اتنا تفاوت تھا کہ ذرا بھی نہ بنتی تھی وہ اکثر بگڑ کر چلا جاتا۔ اس ماحول میں ہر طرح کی آسائش کے باوجود صفیہ اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا محسوس کرتی۔

نوکروں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے کی اُسے اجازت نہ تھی مریم بیگم اس کی ہمجولی اور سہیلی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی باپ کا زیادہ وقت باہر صرف ہوتا تھا، جمال اسے منہ نہیں لگاتا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ بری طرح اس بھرے گھر میں تنہائی محسوس کرتی تھی — ہجوم میں تنہائی۔

لیکن ایک دن بہت ہی عجیب واقعہ ہوا۔

قمرالزمان کسی کام سے شہر گئے، واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک میلا کچیلا نوعمر لڑکا بھی تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں، جن میں ایک طرح کی چمک تھی، سانولا رنگ تیکھے نقش، مضبوط کاٹھی۔ چہرے پر عجیب طرح کی سختی کرختگی۔

مریم نے ایک نظر شوہر پر، دوسری لڑکے پر ڈالی پھر پوچھا۔

"یہ کون ہے؟ کیسے لے آئے تم؟"

قمرالزمان ہنسنے لگے، بھئی یہ ایک یتیم اور دُکھی لڑکا ہے، زمانہ کا ستایا ہوا مریم کے لئے اس سے زیادہ سننا مشکل ہوگیا۔

"شہر میں یتیم خانہ بھی تو ہے وہاں داخل کرا دیا ہوتا۔"

قمرالزمان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن میرا گھر بھی تو ہے کیا یہاں ایک یتیم لڑکا نہیں پل سکتا؟"

مریم نے ایک مرتبہ پھر لڑکے کی طرف دیکھا اور بے یقینی اور بے اعتمادی کے لہجہ میں کہا۔

"نہ جانے کیسا ہے؟— کہیں کوئی گل نہ کھلائے۔"

قمرالزمان نے ایک قہقہہ لگایا اور بولے۔

"گل کیا کھلائے گا اتنا سا بچہ؟ رہی یہ بات کہ نہ جانے کیسا ہے؟ تو یہ

ہمارے اختیار میں ہے۔ جیسا چاہیں بنا دیں اسے!"

مریم نے خاموشی اختیار کر لی تھی لیکن ماں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مطمئن نہیں ہوئیں ان باتوں سے کہنے لگے۔

بیگم یہ ثواب کا بھی تو کام ہے، بڑی فضیلت اور اجر کی بشارت آئی ہے ان لوگوں کے لئے جو یتیموں کا سہارا بن جاتے ہیں!"

مریم نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ صفیہ نے جو پاس ہی کھڑی تھی لڑکے سے کہا -

"اے جی، تمہارا نام کیا ہے؟

"محمود! — میرا نام محمود ہے!"

صفیہ نے پوچھا "تمہارا گھر کہاں ہے؟"

محمود نے جواب دیا "کہیں نہیں -

یہ الفاظ کچھ اتنی معصومیت اور درد بھرے لہجہ میں" اس نے کہے کہ بیگم کا دل پسیج گیا - اس نے پوچھا -

"بیٹے تم رہنے والے کہاں کے ہو؟"

محمود نے کہا "یہ بھی مجھے نہیں معلوم!" — کچھ خواب سا یاد ہے ایک شہر میں ہمارا گھر تھا - ابا کا انتقال ہو گیا تھا - اماں سلائی کر کر کے کام چلایا کرتی تھیں، پھر ایک دن وہ بھی مر گئیں - چچا مجھے اپنے گھر لے گئے۔ لیکن تیسرے اور چوتھے دن سے انہوں نے اور چچی نے بات بات پر مجھے گالیاں دینا اور مارنا شروع کر دیا - ایک دن ان کے لڑکے نے کسی بات پر مجھے ایک طمانچہ مارا میں نے بھی ایک گھونسا جڑ دیا - پھر چچا اور چچی نے مارتے مارتے مجھے لہولہان کر دیا اور گھر سے باہر نکال دیا - یہ رات کا وقت تھا - میں روتا ہوا نکلا اور ایک سڑک پر ہو لیا - تھوڑی دور جانے کے بعد ایک فقیر ملا - اس نے مجھے روتے دیکھا تو ساتھ ہو لیا، اور باتوں باتوں میں میری بپتا سن لی - وہ مجھے لے کر اسٹیشن پہنچا اور کسی دوسرے شہر میں جا کر مجھ سے بھیک منگوانے لگا - جس دن پیسے کم ملتے وہ مجھے خوب مارتا اور کھانے کو بھی نہ دیتا - کچھ دنوں کے بعد اس نے

مجھے ایک آدمی کے ہاتھ بیچ ڈالا، وہ مجھے لے کر ایک دوسرے شہر میں پہنچا اس کا بھی یہی کاروبار تھا۔ اس طرح مختلف ہاتھوں میں بکتا بکاتا، گھومتا گھامتا میں مرزاپور پہنچا، وہاں جس فقیر نے مجھے مول لیا تھا اس کے پاس کئی سال گزر گئے پھر میں نے خود بھیک مانگنا اور خرچ اپنا چلانا شروع کر دیا۔ کل آپ کے شہر میں پہنچا تھا۔ وہاں بھیک مانگ رہا تھا کہ بابو جی (قمر الزمان) مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔

یہ درد بھری کہانی سن کر مریم کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں، یکایک صفیہ نے سوال کیا

"کیوں جی! تم چوری تو نہیں کرتے؟"

محمود نے بہت مختصر سا جواب دیا "نہیں"

لیکن قمر الزمان کی ہنسی کے شور میں اس کی آواز دب گئی، مریم بھی مسکرانے لگیں

قمر الزمان نے بیوی سے پوچھا۔

"کہو، اب کیا رائے ہے؟"

وہ فیصلہ کر چکی تھیں بولیں۔

"رائے کیا ہو گی، رہے گا یہیں اسی گھر میں!"

قمر الزمان خوش ہو گئے۔

"تو بیٹے محمود، اب یہ تمہارا گھر ہے (مریم کی طرف اشارہ کر کے یہ تمہاری ماں ہیں، یوں سمجھو خدا نے تمہاری ماں کو زندہ کر دیا۔"

صفیہ نے پھر لقمہ دیا۔

"تم بھی انہیں اماں کہا کرنا، اچھا!"

لیکن محمود شاید زمانہ کی اتنی سختیاں سہہ چکا تھا کہ اس پر کوئی خوشگوار اثر ان دل بڑھا دینے والی باتوں کا نہیں ہوا، چہرے کی سنجیدگی اور کرختگی بدستور قائم رہی۔

قمر الزمان باہر چلے گئے، مریم نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ محمود حیران ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ صفیہ نے پوچھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"وہ بولا۔ کچھ نہیں!"

صفیہ نے سوال کیا۔ لیکن تم نے یہ تو پوچھا نہیں کہ رہو گے کہاں؟"

محمود کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

"ہاں یہ تو نہیں پوچھا — پڑا رہوں گا کہیں بھی!"

صفیہ کو جیسے یہ بات بری لگی۔

"واہ کہیں بھی پڑے کیوں رہو گے؟ اب تو یہ گھر تمہارا ہے اور ہماری امی تمہاری امی بھی بن گئیں۔ کیا تم کوئی نوکر ہو ادھر ادھر پڑے رہو گے؟ آؤ چلو ابھی فیصلہ کر لیتے ہیں۔"

صفیہ نے محمود کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر مریم کے کمرہ میں پہنچی، پہنچتے ہی سوال کیا۔

"امی یہ رہیں گے کہاں؟"

مریم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

جمال کے پاس والا کمرہ خالی ہے وہیں اس کی چارپائی اور بستر بچھوا دو اور ہاں بیٹے تمہارے پاس کوئی اور جوڑا نہیں۔

محمود نے انکار میں سر ہلایا۔ مریم نے صفیہ سے کہا۔

"جاؤ! جمال کا جوڑا لے آؤ۔ میرے خیال میں اسکا قد اتنا ہی ہے جتنا جمال کا ہے"

صفیہ نے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی، دوڑی دوڑی گئی اور بکس سے جمال کا ایک جوڑا نکال لائی۔ شیروانی، پاجامہ، قمیض اور جوتا

مریم نے حکم دیا۔

"پہن لو — پہن کر ذرا مجھے تو دکھاؤ!"

محمود نے ملحقہ کمرے میں جاکر جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ اب وہ ایک فلاکت زدہ بھک منگا نہیں بلکہ ایک فیشن ایبل لڑکا نظر آرہا ہے۔ صفیہ نے دیکھتے ہی کہا۔

"اماں دیکھنا تو"

مریم اسے دیکھتے ہی مسکرانے لگیں۔ پھر بولیں۔

"یہ کپڑے تو جیسے اسی کے بدن کے لیے سلے تھے۔"

نہایت مستعدی کے ساتھ صفیہ بولی۔

ایک جوڑا اور نکال لاؤں بھائی جان کے بکس سے!"
مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اب ادھر کا رخ نہ کرنا، یہی کپڑے اس کے بدن پر دیکھ کر جل بھن کر کباب ہو جائے گا۔ کل اس کے نئے کپڑے سلوا دیں گے۔
صفیہ نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
" ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ویسے ہی ہو ایسے گا جیسے بھائی جان کے ہیں"
مریم نے اس فرمائش سے اکتاتے ہوئے کہا۔
" ہاں ہاں — اب میرا سر نہ کھاؤ۔"
" صفیہ مسکراتی ہوئی بولی، لیکن امی ہمیں تو بھوک لگ رہی ہے بڑے زور کی!"
مریم نے کہا تو جاؤ کھا لو جا کر پک تو گیا ہوگا کھانا کب کا!"
صفیہ جانے کے لئے مڑی، لیکن دو قدم جا کر پھر واپس آگئی اور محمود سے مخاطب ہو کر بولی۔
" کیوں جی تمہیں بھی تو بھوک لگی ہو گی؟" آؤ تمہیں بھی کھلا دیں۔
محمود نے کچھ جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لیا۔

(۲)

دھینگا مُشتی

صفیہ نے اپنے ساتھ محمود کو کھانا کھلایا، پھر اسے لے کر اس کمرہ میں پہنچی جو اس کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اتنی دیر میں کمرہ صاف ہو چکا تھا چارپائی بچھ چکی تھی بستر لگ گیا تھا۔ صفیہ نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ رہا تمہارا بستر۔ لیکن اتنی تو سردی پڑ رہی ہے اوڑھو گے کیا اس اس کمبل میں تو جاڑا لگے گا۔"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر دھم دھم کرتی بھاگی چلی گئی اسے گئے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ جمال آگیا اس نے محمود کے سراپا پر ڈالی اور تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تم ہی محمود ہو؟"

محمود نے بغیر کسی جھجک کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"ہاں میرا نام محمود ہے!"

محمود بستر پر بیٹھا ہوا تھا، جمال کھڑا تھا اس نے اپنی توہین محسوس کی ضبط نہ کر سکا۔

بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہو۔

محمود نے نگاہ اُٹھا کر جمال کی طرف دیکھا، پھر گویا ہوا۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی!"

جمال نے اور زیادہ برافروختہ ہو کر تند لہجہ میں کہا۔

"یہ بدتمیزی نہیں ہے میں کھڑا ہوں اور تم بیٹھے ہوئے ہو؟"

محمود نے بھی تلخ اور ترش لہجہ میں جواب دیا۔

تم کون ہو کہ تمہیں دیکھ کر مجھے کھڑا ہو جانا چاہیے؟"

"میرا نام جمال ہے!"

"میرا نام محمود ہے!"

"یہ گھر ہمارا ہے!"

"میرا بھی ہے یہ گھر!"

"تم جھوٹے ہو!"

تم خود جھوٹ بول رہے ہو

"تم میری اُترن پہنے ہو، ہماری روٹیوں پر پڑے ہو، ہمارے گھر میں رہ رہے ہو پھر یہ غرّتے ڈبّتے ابھی ایک گھونسہ میں ساری شیخی کرکری کا کر دوں گا؟"

"لگا کر دیکھو، پھر معلوم ہو جائے گا کون کس کی شیخی کرکری کرتا ہے!"

جمال نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کس کے ایک گھونسہ محمود کی پیٹھ پر جڑ دیا محمود بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھا۔ اس نے بھی پوری قوت سے ایک گھونسہ جمال کے لگا دیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے کبھی جمال اوپر محمود نیچے کبھی محمود اوپر جمال نیچے۔

یہ دھینگا مشتی جاری تھی کہ صفیہ لحاف لے کر آئی اور یہ منظر دیکھتے دیکھتے ہی لحاف پھینک کر الٹے پاؤں ماں کے پاس بھاگی یہ خبر سن کر وہ لپکی لپکی آئیں۔ ماں کو یہاں چھوڑ کر صفیہ باپ کے پاس پہنچی جو اطمینان سے بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔

انہوں نے جو یہ ماجرا سنا تو وہ بھی لپکے لپکے موقع واردات پر پہنچے، اتنی دیر میں مریم بیگم دونوں پہلوانوں کو چھڑا چکی تھیں۔ جمال کی ٹوپی ایک طرف پڑی تھی۔ ماتھے پر گرڈ مبا پڑ گیا تھا۔ جس کی سوجن نمایاں تھی۔ محمود کی قمیض تار تار ہو چکی تھی اور کنپٹی سے خون نکل رہا تھا۔ جس سے قمیض لال ہو گئی تھی۔ دونوں اب تک ایک دوسرے کے سامنے حریف کی صورت میں کھڑے تھے، قمرالزماں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے۔

جمال دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

قمرالزماں نے محمود سے سوال کیا۔

تم بتاؤ محمود سے سوال کیا۔

"تم بتاؤ محمود، یہ لڑائی کیوں شروع ہو گئی تم دونوں میں؟"

محمود نے سلا واقعہ از تا آخر کہہ سنایا۔ مریم بیگم نے کہا۔

"لیکن لڑکے تجھے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا جمال پر"

قمرالزماں گرجے "کیوں نہیں اٹھانا چاہیے تھا کیا وہ جمال کا نوکر ہے؟ غلام ہے؟ زرخرید ہے؟"

میاں کے جلال سے مریم بیگم واقف تھیں۔ انہوں نے آنکھ کا اشارہ کیا۔ جمال فوراً اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پھر محمود سے کہا۔

بیٹے تم نے مجھ سے شکایت کر دی ہوتی۔

صفیہ بیچ میں بول پڑی۔

لیکن بھائی جان نے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ انہیں شکایت کس طرح کرتے یہ آکر؟ قمرالزماں نے بیوی سے ذرا برہم لہجہ میں پوچھا۔

"یہ لڑکا کب تک کھڑا رہے گا اس طرح؟"

پھر صفیہ کی طرف دیکھ کر بولے۔

"جاؤ! دوسری قمیض لے آؤ اس کے لئے!"

صفیہ تعمیل حکم کے لئے روانہ ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد مریم سے

گویا ہوئے۔
اس کا خون پونچھ دو اور پٹی باندھ دو ۔ خنجر ہے !"
مریم نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہے! تم فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

(۳)

نئی زندگی

جمال اور محمود میں اس واقعہ کے بعد کچھ ایسی ناچاقی ہو گئی کہ دونوں نے ایک دوسرے سے بات چیت تقریباً بند کر دی، جمال اس سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ محمود کے لئے اس کی خوشامد کرنا فطرت کے خلاف تھا ویسے کسی کام کے سلسلہ میں کبھی کبھی کچھ بات چیت ہو جاتی لیکن میل جول اور لگاوٹ کا جہاں تک تعلق تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور رہتے۔ کھیل کود میں بھی تقریباً ہم عمر ہونے کے باوجود دونوں ایک دوسرے سے الگ ہی رہتے تھے

البتہ صفیہ کچھ اس طرح محمود کے پیچھے پڑی تھی کہ جب دیکھو اس کے سر پہ سوار، کہانی کہہ رہی ہے کبھی کہانی سن رہی ہے، کبھی گھر کی اور کبھی ہمجولیوں کی کینہ والیوں کی باتیں کر رہی ہے کبھی کرید کرید کر اس کے خاندان کی ماں باپ کی، عزیزوں اور رشتہ داروں کی باتیں پوچھ رہی ہے محمود بھی اس کی باتوں سے کافی دلچسپی لیتا تھا، حتیٰ الامکان اس کی دل شکنی سے گریز کرتا تھا اور چپ چاپ اس کی باتیں مان لیتا تھا۔

ایک روز کاپی لے کر صفیہ اس کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔

سنتے ہو جی، اس دن جو کہانی تم نے سنائی تھی، وہ لکھ دو اس پر

محمود نے کاپی صفیہ کے ہاتھ سے لے لی۔ اور پھر اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے لکھنا نہیں آتا ؟"

صفیہ ہنسنے لگی۔ بھلا ایسی ناقابلِ یقین بات پر کس طرح اعتبار کر لیتی

"تمہیں لکھنا نہیں آتا۔ ؟"

محمود نے جواب دیا۔ ہاں واقعی میں لکھنا نہیں جانتا !"

اس جواب پر پھر وہ ہنسنے لگی ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔ پھر پوچھا۔

"کیا تم جھوٹ بول رہے ہو ؟

"وہ کہنے لگا " جھوٹ تو میں نہیں بولتا !"

بڑی معصومیت سے اس نے سوال کیا۔

"پھر یہ کیوں کہتے ہو کہ مجھے لکھنا نہیں آتا۔ ؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ قمر الزمان ادھر آ نکلے، صفیہ کو ہنستے اور الجھتے دیکھ کر اندر آ گئے۔ بڑے پیار بھرے لہجہ میں سوال کیا۔

"کیوں بیٹی کیا بات ہے ؟"

باپ کی طرف شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئی بولی۔

"پاپا یہ محمود کہتے ہیں کہ انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ میں نے ان سے کہا تھا ایک کہانی جو کئی دن ہوئے انہوں نے سنائی تھی میری کاپی پر لکھ دیں لیکن یہ تو یہی رٹے جا رہے تھے کہ میں لکھنا کیا جانوں ؟ کیوں پاپا کیا واقعی یہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ؟

قمر الزمان نے سوالیہ نظروں سے محمود کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔

مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں بکنے اور کئی مصیبتیں جھیلنے سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ؟"

قمر الزمان نے سوالیہ نظروں سے محمود کی طرف دیکھا، اس نے کہا۔

مجھے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے ایک ہاتھ سے دوسرے

ہاتھ میں بکنے اور کئی کئی مصیبتیں جھیلنے سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ لکھنا پڑھنا سیکھتا ۔ اور سیکھنا چاہتا بھی تو مجھے سکھاتا کون ؟"

اس جواب سے قمرالزمان متاثر ہوئے۔

لیکن کیا تمہیں لکھنے پڑھنے کا شوق ہے ؟

محمود نے جواب دیا "بہت زیادہ ، جب میں کسی کو کوئی کتاب پڑھتے دیکھتا ہوں ، تو جی چاہتا ہے کہ اس کے ہاتھ چھین لوں اور پھاڑ کر پھینک دوں

قمرالزمان نے ایک قہقہہ لگایا ۔

" ارے ارے یہ کیوں ؟ اس دھاندلی کا جی کیوں چاہتا ہے ؟"

اس لئے کہ مجھے جو پڑھنا نہیں آتا !"

قمرالزمان کے ہونٹوں پر افسردہ سا تبسم ٹپکنے لگا۔

تم بڑے تند مزاج اور اکھڑ ہو ، لڑائی جھگڑائی ، مار پیٹ ، دھینگا مشتی پر فوراً تیار ہو جاتے ہو ، لیکن اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے تمہیں تربیت نہیں ملی تمہیں راہِ راست پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ، یہ جذبہ تو بڑا اچھا ہے کہ تم لکھنا پڑھنا چاہتے ہو ، لیکن یہ بری بات ہے کہ دوسروں کے ہاتھ سے کتاب چھین کر پھاڑ دینا چاہتے ہو ، تم میں اگر کوئی نقص ہو تو اُسے دور کرنے کی کوشش کرو ۔ لیکن وہی نقص دوسرے میں پیدا کرنے کا خیال ترک کر دو ۔ یہ بہت بڑی بات ہے ۔ اب تو اس طرح نہیں سوچو گے ؟"

ان باتوں سے محمود متاثر ہوا ۔ اس نے جواب دیا ۔

"جی نہیں ! اب میں اس طرح نہیں سوچوں گا !"

قمرالزمان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

" ہم تمہاری پڑھائی کا انتظام کر دیں گے ۔ جو ماسٹر جمال اور صفیہ کو پڑھاتا ہے وہی تمہیں بھی پڑھا دیا کرے گا ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس قدر جلد تم اپنی کمی پوری کرتے ہو ۔ ؟"

صفیہ نے پوچھا ۔

" تو پاپا کیا یہ بھی اب ہمارے ساتھ پڑھا کریں گے ؟"

قمرالزمان نے کہا۔

" ہاں بیٹی کیا حرج ہے اس میں، یہ بھی پڑھ لے گا۔؟"

صفیہ نے باپ کو چھوڑ کر محمود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میں کتنی کتابیں پڑھ چکی ہوں۔ مجھ سے کیوں نہیں سیکھ لیتے۔؟

قمرالزمان نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

واہ ماسٹر صاحب کیا کہنا ہے آپ کا!

اور پھر ہنستے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد صفیہ نے محمود سے کہا۔

" تو بس اب تیار ہو جاؤ، ماسٹر صاحب آنے ہی والے ہیں۔"

۴

خفگی

دونوں چند ہی روز میں اس طرح گھل مل گئے، جیسے نہ جانے کب کے بچھڑے ہوئے ساتھی مل گئے۔ صفیہ نہ جانے کیوں محمود سے اتنی مانوس ہو گئی کہ اکثر وقت اس کے ساتھ بسر کرتی، اسے اپنے کھیلوں میں شریک رکھتی اس سے دنیا جہان کی باتیں کیا کرتی، کرید کرید کر اس کے حالات پوچھا کرتی اس کی کاپی گم جاتی تو اپنی کاپی دے دیتی، اس کی کتاب پھٹ جاتی، اپنی کتاب پیش کر دیتی۔ اس کے کپڑے میلے ہوتے تو اصرار کر کے صاف کپڑے بدلاتی اس کے کھانے کا وقت آتا ہے تو خواہ بھوک ہوتی یا نہ ہوتی اس کے ساتھ بیٹھ جاتی اور خود کم کھاتی اسے زیادہ کھلاتی۔

جمال کا برتاؤ اس کے ساتھ بہت توہین آمیز تھا، کبھی وہ خود جمال سے الجھ پڑتی کبھی ماں سے شکایت کرتی، کبھی باپ کے پاس فریاد لے کر پہنچ جاتی اور خود محمود بھی اس سے اتنا زیادہ مانوس ہو چکا تھا کہ ہر وقت اسی کے پاس بیٹھا رہتا، کتاب پڑھ پڑھ کر اسے سناتا، اچھی اچھی تصویریں مختلف اخباروں اور رسالوں سے کاٹ کر اس کے لئے البم تیار کرتا، کوئی نئی کہانی پڑھتا یا سنتا تو سب سے پہلے دوڑا دوڑا صفیہ کو سنانے پہنچ جاتا۔

ایک نئے رکن خاندان کی حیثیت سے محمود کی آمد خواہ جمال کو کتنی ہی کھٹکی ہو لیکن صوفیہ کو تو ایک نئی زندگی مل گئی، اسے ایک نیا ساتھی مل گیا تھا۔ جو اسے ڈانٹتا نہیں تھا، گھُرکتا نہیں تھا، اس کی نافرمانی نہیں کرتا تھا۔ اس کا کہنا مان لیتا تھا۔ اس کی باتیں توجہ سے سنتا تھا۔ خواہ یہ سلسلہ کتنی ہی دیر تک جاری رہے اور جب وہ باتیں کرنے پر آتی تھی تو پھر چپ ہونے کا نام نہیں لیتی تھی

ایک روز باتوں باتوں میں صفیہ خفا ہو گئی اس سے۔ اس نے پوچھا۔

تمہیں گلاب کا پھول پسند ہے یا رات کی رانی کا ؟"

محمود نے جواب دیا " گلاب کا پھول "

صفیہ نے پوچھا۔

تمہیں کون سا رنگ اچھا لگتا ہے ہرا یا لال ؟"

محمود نے جواب دیا. کوئی نہیں۔

صفیہ نے سوال کیا تمہیں طوطا پسند ہے یا بلی۔"

" محمود نے کہا " دونوں سے نفرت ہے مجھے تو!"

صفیہ نے پھر ایک سوال کیا " اور یہ بتاؤ، جاڑا اچھا ہے یا گرمی ؟

" محمود نے کچھ دیر سوچا، پھر کہا، گرمی کے موسم میں جاڑا اور سردی کے زمانہ میں گرمی !"

صفیہ کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے دریافت کیا، تمہیں قیمہ پسند ہے یا کلیجی ؟"

" محمود نے پھر ذرا دیر تامل کیا اور بتایا دونوں !"

صفیہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے ایک مرتبہ برہم نظروں سے محمود کو دیکھا اور کہنے لگی۔

" ہم تم سے نہیں بولتے. خبردار جواب ہم سے کبھی بات کی۔

اور پھر وہ روٹھ کر چلی گئی. محمود ہنسنے لگا. لیکن جب بڑی دیر تک وہ نہیں آئی تو وہ اس کی تلاش میں نکلا وہ اپنے کمرہ میں چپ چاپ بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی. محمود نے کتاب چھین لی وہ اور زیادہ خفا ہو گئی۔

" واہ یہ کیا ہے ؟"

" محمود نے سوال کیا۔ تم خفا کیوں ہوگئیں ؟"

صفیہ نے بہت مختصر سا جواب دیا۔" بس نہیں بولتے !"

" اب سوال کرنے کی محمود کی باری تھی۔ اچھا یہ تو بتاؤ، گلاب کا پھول پسند کرتی ہو، یا رات کی رانی !"

وہ کہنے لگی:" ہمیں تو گلاب ذرا بھی پسند نہیں، رات کی رانی !"

محمود نے کہا میں تو مذاق کر رہا تھا مجھے خود گلاب سے نفرت ہے عجیب بیہودہ سی خوشبو ہوتی ہے اس کی، رات کی رانی کی بات ہی اور ہے سارا گھر مہک جاتا ہے اس سے ؟'

پھر اس نے پوچھا:" رنگوں میں کون سا رنگ تمہیں بھاتا ہے ؟ سچ سچ کہنا لال یا ہرا ؟"

" وہ بولی۔" میں تو ہرا رنگ پسند کرتی ہوں !"

محمود نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا، ہرے رنگ کی بات ہی اور ہے درختوں کی پتیاں ہری ہوتی ہیں، گھاس ہری ہوتی ہے، ہرا دوپٹہ کتنا اچھا لگتا ہے گرمیوں میں لوگ ہرا چشمہ استعمال کرتے ہیں، رنگ تو بس ایک ہی ہے۔"

صفیہ نے اعتراض کیا۔ لیکن تم تو دونوں کو ناپسند کرتے ہو۔

" محمود نے صفائی دی، کچھ میرا دماغ خراب ہے جو دونوں کو ناپسند کروں گا۔ مجھے تو ہرا رنگ سبلے انتہا پسند ہے۔ اور ہاں یہ تو بتاؤ، طوطا پسند ہے تم کو یا بلی ؟"

" صفیہ نے ذرا تامل کے بعد کہا، طوطا — بلی بھی !"

محمود نے ہاں میں ہاں ملائی، کبھی طوطا تو مجھے اس لئے پسند ہے کہ اس کا رنگ ہرا ہوتا ہے اور بلی کی میاؤں میاؤں میں وہ لطف آتا ہے جیسے مدہم سروں میں کوئی باجہ بج رہا ہے۔ بال اتنے ملائم جیسے ریشم، پیٹھ پر ہاتھ رکھو تو ایسا لگتا ہے جیسے مخمل پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ میں خود دونوں کو بہت پسند کرتا ہوں !۔

اچھا موسم تمہیں کون سا مرغوب ہے، جاڑا یا گرمی؟

صفیہ نے بتایا "جاڑا — اور تمہیں؟"

محمود نے کہا۔ اگر تم گرمی کہہ دیتیں تو لڑائی ہو جاتی اس گرمی سے اتنی نفرت ہے کہ کیا کہوں؟ جاڑے میں مزا آتا ہے۔ مزے میں بیٹھے انگیٹھی تاپ رہے ہیں۔ لحاف اوڑھے ہوئے ہیں۔ گاجر کا حلوہ بن رہا ہے کھا رہے ہیں۔ سوہن حلوہ، دودھیا، باجرے کی ٹکیاں، تمہاری ان تمام چیزوں کا مزا جاڑے ہی میں تو ہے۔ دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ رات بڑی ہوتی، خوب جی بھر کے سونے کو ملتا ہے۔ میں تو اللہ میاں سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ گرمی کبھی نہ آیا کرے۔ ہمیشہ جاڑے کا موسم ہی رہا کرے۔

صفیہ نے تائید کی "ہاں — میں بھی!"

محمود نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا "کھانے میں کون سی چیز تم کو مرغوب ہے۔ قیمہ یا کلیجی؟"

صفیہ نے ضد کرتے ہوئے کہا "پہلے تم بتاؤ؟"

محمود نے کہا ابھی بتاتا ہوں۔ لیکن تمہاری پسند تو سن لوں، یہ تو معلوم ہو جائے، تم کتنے پانی میں ہو؟

صفیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "قیمہ، کلیجی میں تو لبا نداتی ہے؟"

محمود نے پھر تائید کی "ہاں جی بڑی واہیات چیز ہے یہ کلیجی بھی قیمہ کا کیا کہنا، جس طرح چاہو کھاؤ، مزے ہی مزے ہیں آلو قیمہ کتنے مزے کا ہوتا ہے اور مٹر قیمہ تو جواب نہیں، سیخ کے کباب بھی قیمہ سے بنتے ہیں، لوگوں کی رال ٹپکتی جاتی ہے اور کھاتے جاتے ہیں۔ شامی کباب کہاں ہوں، اگر قیمہ نہ ہو؟ اور جناب، کوفتے؟ وہ بھی تو قیمہ کے ہوتے ہیں۔ ابھی پرسوں ہی تو اماں جی نے قیمہ کا اسٹو پکایا تھا۔ میں تو اتنا زیادہ کھا گیا کہ اگر بعد میں چورن نہ کھا لیتا۔ تو بیمار پڑ جاتا، سموسے میں بھی قیمہ کی لذت کتنی بڑھ جاتی ہے۔ نرگسی کوفتے بھی اسی کے کتنے لذیذ ہوتے ہیں۔ اور پوریوں میں بھر کر جو پکتا ہے۔ اس کا تو جواب ہی نہیں غرض قیمہ ہزار طرح سے پکایا جا سکتا ہے۔ جس طرح بھی پکے، نیا سواد، نئی لذت

معلوم نہیں آج کیا پکا ہے؟ کاش قیمہ پکا ہوتا۔"

صفیہ ہنسنے لگی "قیمہ ہی تو پکا ہے۔ بھائی جان کلیجی کے لئے ضد کر رہے تھے۔ میں قیمہ پر اڑ گئی۔ اماں جی نے میرا کہا مانا۔ کلیجی نہیں پکائی۔ قیمہ پکایا ہے۔ اسٹو۔

محمود اچھل پڑا۔ واہ بھئی واہ، مجھے تو یہ سنتے ہی بھوک لگ آئی چلو پھر کھائیں چل کر؟"

صفیہ بھی آمادہ ہو گئی آؤ چلیں۔

دونوں نے خوب ڈٹ کے قیمہ صاف کیا اور پھر اسطرح گھل مل گئے۔ جیسے نہ کوئی روٹھا تھا نہ خفا ہوا تھا۔

(۵)

جنون

محمود ایک روز غلیل سے خانہ باغ میں چڑیوں کا شکار کر رہا تھا
صفیہ اسے تلاش کرتی باغ میں پہنچی اور دیکھتے ہی خوشی سے چلائی۔
تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ ہائے بے زبان چڑیوں کی جان لیتے تمہیں خدا سے ڈر نہیں لگتا؟"

محمود نے چڑچڑے پن کے ساتھ اپنے اس محبوب مشغلہ میں اسے مداخلت کرتے دیکھ کر کہا۔
ارے بھئی! تم یہاں بھی آگئیں، سامنے سے ہٹ جاؤ"
صفیہ ضد کرتی ہوئی بولی۔ کیوں ہٹیں؟ نہیں ہٹتے!"
محمود کو غصہ آگیا۔ میں کہتا ہوں سامنے سے ہٹ جاؤ، دیکھو تمہاری وجہ سے کئی مرتبہ چڑیاں اڑ چکی ہیں۔
صفیہ مسکراتی ہوئی بولی۔ اسی لئے تو نہیں ہٹتی، کیوں بے زبانوں کی جان لے کر گناہ سمیٹ رہے ہو۔
" دو تین چڑیاں جو بالکل زد پر تھیں، پھر صفیہ کی کسی جنبش سے اڑ گئیں
محمود کو غصہ آگیا۔

(۶)

اِنکشاف

یہ چوٹ بہت زیادہ نہیں آئی تھی۔ تھوڑی دیر میں صفیہ کو ہوش آگیا لیکن خون نکل جانے سے گومڑ پڑ جانے سے تکلیف زیادہ تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد اسے گرم گرم دودھ تھوڑی سی پھٹکڑی ڈال کر پلایا گیا۔ اس سے کچھ سکون ہو گیا اور بے چینی رفع ہو گئی، مریم نے کچھ پوچھ گچھ اس وقت مناسب نہیں سمجھی، اسے کہانی کہہ کہہ کر بہلاتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گئی۔

قمرالزمان جب واپس آئے تو مریم نے یہ ماجرا سنایا۔ فوراً بیٹی کو دیکھنے پہنچے۔ لیکن وہ سو چکی تھیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا حالات کا جائزہ لے کر باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جمال آیا۔ اسے بھی یہ رام کہانی معلوم ہوئی اس نے چھٹتے ہی کہا۔

ضرور یہ محمود کی شرارت ہے۔ وہ چڑیوں کا شکار غلیل سے کر رہا ہو گا، غلہ آکر لگ گیا۔ صفیہ کے!"

مریم کو یقین نہ آیا۔ تم تو دیوانے ہو اچھے خاصے، اتنا تو دونوں ایک دوسرے سے مل جل کر رہتے ہیں، محمود کو کیا کتے نے کاٹ کھایا تھا کہ اُسے غلّہ مارتا؟

" جمال نے جواب دیا، بلایئے محمود کو ابھی تصدیق ہوئی جاتی ہے!"

مریم نے بتایا وہ تو بڑی دیر سے کہیں باہر گیا ہے۔ جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے اس وقت بھی یہاں نہیں تھا۔

" جمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، تو پھر بھاگ گیا ہے۔ چلئے اچھا ہی ہوا۔ خس کم جہاں پاک۔ "

مریم نے ٹوکا، کیوں برا پایا، صبر سمیٹتے ہو بیٹے۔ خواہ مخواہ اس بیچارے کو متہم کر رہے ہو۔ وہ ایسا لڑکا نہیں ہے۔ "

جمال نے تلخ تبسم کے ساتھ کہا۔" جی ہاں وہ تو بڑا نیک ہے۔ "

" مریم بولیں نیک نہیں تو کیا تمہاری طرح شیطان ہے؟"

جمال ہنسنے لگا۔ امی آپ مجھے ناحق شیطان کہہ رہی ہیں اور جو اصل شیطان ہے اسے نیک اور پارسا سمجھ رہی ہیں۔ اچھا چھوڑیئے محمود کو، صفیہ سے پوچھ لیجئے وہ خود ہی بتا دے گی۔ "

مریم بولیں، یہ تو اب میں تمہارا جھوٹ پوچھنے کے لئے سوتی ہوئی لڑکی کو جگاؤں ایسا ہی ہے تو صبح پوچھ لینا!" لیکن میں کہتی ہوں یہ حرکت محمود کی نہیں ہو سکتی!

جمال نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا،" میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ حرکت صرف اسی کی ہے۔ بتاؤں کیوں؟— "

مریم کو بھی جیسے ان باتوں سے دلچسپی ہونے لگی تھی۔ اس نے پوچھا ہاں بتاؤ، دیکھو تو سہی کون سی دور کی کوڑی لائے ہو۔؟

جمال نے کہا۔ پہلے بتایئے یہ واقعہ کب کا ہے؟

مریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ کوئی چار بجے سہ پہر کا۔ "

جمال کو جیسے دور کی کوڑی ہاتھ آ گئی۔ بس تو پھر میرا خیال صحیح ہے امی۔ چار بجے کے قریب میں رفیع سے ملنے جا رہا تھا۔ وہی جو میرے ساتھ اسکول میں پڑھتا ہے گھر سے باہر نکلنے کے بعد جب میں گلی کی طرف مڑا تو غسل خانہ باغ کی دیوار سے کسی کے کودنے کی آواز آئی۔ میں نے ادھر

مڑ کر دیکھا تو محمود صاحب غلیل ہاتھ میں لئے دھم سے کود ے اور سرپٹ کھیت کی طرف بھاگ گئے۔

اس وقت تو میری سمجھ کچھ آیا نہیں۔ اپنے رستے چپ چلا گیا لیکن اب جو غور کرتا ہوں، تو اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حرکت اُسی کی ہے۔ خواہ دھوکہ سے یا غصہ سے بہر حال اس کے غلّے سے صفیہ نے چوٹ کھائی ہے اور اگر میرا خیال صحیح ہے تو پھر اسے سخت ترین سزا ملنی چاہیئے بلکہ میں خود مارتے مارتے اسے بے حال ـــ!"

" بس بس!" مریم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا " بخشو تمہیں بتیس مار بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر محمود کے غلہ سے زخمی ہوئی ہے تو بھی یہ تو میں ایک لمحہ کے لئے باور نہیں کر سکتی کہ اس نے دشمنی سے ایسا کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ چڑیوں کو مار رہا ہو یہ سامنے آ گئی ہو تو جو غلطی، دھوکے سے ہو اس کی سزا نہیں ملا کرتی، دوسرے یاد رکھو، سزا دینا میرا یا تمہارے باپ کا کام ہے۔ تمہیں گھر کے ایسے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے خبردار اب ایسی بات تمہاری زبان سے نہ سنوں۔"

جمال کچھ روٹھ سا گیا ماں کی باتوں سے ' آپ ہمیشہ اس کی طرفداری کیا کرتی ہیں، جیسے آپ کا لڑکا وہ ہے مجھے تو ابا جان کہیں سے بھیک مانگتا دیکھ کر اُٹھا لائے تھے ؟"

مریم کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ انہوں نے اسے طمانچہ دکھاتے ہوئے کہا ـــ

تو نہیں چپ کرے گا لڑکے، زبان تو دیکھو کیسی گز بھر کی ہو گئی ہے اگر کہیں ان کے (قمر الزمان) کان میں بھنک پڑ گئی۔ ان باتوں کی وہ تو پٹائی ہو گی کہ یاد کرو گے!"

جمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مریم نے امانی خانم سے دکھ بھرے لہجہ میں کہا ـ

" نہ جانے کیا بات ہے ان دونوں میں بالکل نہیں بنتی، میں چاہتی ہوں

یہ دونوں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ لیکن کوئی بھی تو دونوں میں ایسا نہیں ہے جو طرح دے جائے۔ جمال محمود میں خامیاں نکالتا رہے گا۔ محمود جمال کی غلطیاں ڈھونڈتا رہے گا!"

امانی خانم نے دل دہی کرتے ہوئے کہا آپ اس فکر میں کیوں ہلکان ہو رہی ہیں۔

"خواہ مخواہ بچے ہیں، لڑ بھڑ کر ایک ہو جائیں گے جیسے جیسے سمجھ آتی جائے گی۔ دونوں راہ پر آتے جائیں گے۔"

مریم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، خدا کرے امانی خانم ایسا ہی ہو۔ سوچتی ہوں، میرے بعد بھی اگر دونوں میں یوں ہی چلتی اور ٹھنتی رہی تو کیا ہوگا؟ بیچارہ محمود کہاں جائے گا؟ سچ کہتی ہوں جب سے وہ آیا ہے میں اسے اولاد کی طرح چاہنے لگی ہوں۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ زمانہ بدلتے اور برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔

آج ہم ماشاء اللہ سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ کسی طرح کی کمی نہیں۔ لیکن کل کیا ہوگا۔ یہ خدا کے سوا کون جانتا ہے؟ بھیک مانگنے والے بچے سب کے سب پیشہ ور بھکاری تھوڑے ہیں۔ ان میں سے نہ جانے کتنے اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے ہوں گے جنہیں قسمت نے گداگری پر مجبور کر دیا ہے محمود کو دیکھ کر یہی خیال میرے دل میں آیا تھا۔ اور لرز گئی تھی۔ اس کے پھٹے ہوئے کپڑے اور مظلوم صورت پر نظر ڈال کر۔

امانی خانم نے اس سے زیادہ نہ کہنے دیا۔ بیگم صاحب ایسی باتیں نہ کیجئے محمود اچھے گھر کا لڑکا معلوم ہوتا ہے مزاج کا تو ضرور تیز ہے لیکن ویسے برتا اچھا اور رنگ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، کسی اچھے گھرانے کا لڑکا ہے صورت شکل سے تو یہی لگتا ہے آپ نے ترس کھا کر اسے رکھ لیا بہت اچھا کیا۔ خدا اجر دے گا۔ اس نیکی کا لیکن اپنے بچوں کو اس کے پیمانہ سے کیوں ناپیے۔ خدا نہ کرے کہ انہیں کبھی برا دن دیکھنا پڑے آپ نے یہ کہہ کر میرا دل ہلا

مڑکر دیکھا تو محمود صاحب غلیل ہاتھ میں لئے دھم سے کود ے اور سرپٹ کھیت کی طرف بھاگ گئے۔

اس وقت تو میری سمجھ کچھ آیا نہیں۔ اپنے رستے چپ چلا گیا لیکن اب جو غور کرتا ہوں، تو اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حرکت اُسی کی ہے۔ خواہ دھوکہ سے یا غصہ سے بہر حال اس کے غلّے سے صفیہ نے چوٹ کھائی ہے اور اگر میرا خیال صحیح ہے تو پھر اسے سخت ترین سزا ملنی چاہیئے بلکہ میں خود مارتے مارتے اسے بے حال ––!"

" بس بس!" مریم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، "بخشو تمہیں تیس مار بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر محمود کے غلہ سے زخمی ہوئی ہے تو بھی یہ تو میں ایک لمحہ کے لئے باور نہیں کر سکتی کہ اس نے دشمنی سے ایسا کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ چڑیوں کو مار رہا ہو یہ سامنے آ گئی ہو تو جو غلطی، دھوکے سے ہو اس کی سزا نہیں ملا کرتی، دوسرے یاد رکھو، سزا دینا میرا یا تمہارے باپ کا کام ہے۔ تمہیں گھر کے ایسے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ہے خبردار اب ایسی بات تمہاری زبان سے نہ سنوں۔"

جمال کچھ روٹھ سا گیا ماں کی باتوں سے' آپ ہمیشہ اس کی طرفداری کیا کرتی ہیں، جیسے آپ کا لڑکا وہ ہے مجھے تو ابا جان کہیں سے بھیک مانگتا دیکھ کر اُٹھا لائے تھے؟"

مریم کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ انہوں نے اسے طمانچہ دکھاتے ہوئے کہا ––

تو نہیں چپ کرے گا لڑکے، زبان تو دیکھو کیسی گز بھر کی ہو گئی ہے اگر کہیں ان کے (قمر الزمان) کان میں بھنک پڑ گئی۔ ان باتوں کی وہ تو پٹائی ہو گی کہ یاد کرو گے!"

جمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مریم نے امانی خانم سے دکھ بھرے لہجہ میں کہا۔

" نہ جانے کیا بات ہے ان دونوں میں بالکل نہیں بنتی، میں چاہتی ہوں

یہ دونوں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ لیکن کوئی مجھی تو دونوں میں ایسا نہیں ہے جو طرح دے جائے۔ جمال محمود میں خامیاں نکالتا رہے گا۔ محمود جمال کی غلطیاں ڈھونڈتا رہے گا!"

امانی خانم نے دل دہی کرتے ہوئے کہا آپ اس فکر میں کیوں ہلکان ہو رہی ہیں۔

"خواہ مخواہ بچے ہیں، لڑ بھڑ کر ایک ہو جائیں گے جیسے جیسے سمجھ آتی جائے گی۔ دونوں راہ پر آتے جائیں گے۔"

مریم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، خدا کرے امانی خانم ایسا ہی ہو۔ سوچتی ہوں، میرے بعد بھی اگر دونوں میں یوں ہی چلتی اور ٹھنتی رہی تو کیا ہو گا؟ بیچارہ محمود کہاں جائے گا؟ سچ کہتی ہوں جب سے وہ آیا ہے میں اسے اولاد کی طرح چاہنے لگی ہوں۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ زمانہ بدلتے اور برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔

آج ہم ماشاء اللہ سکھ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ کسی طرح کی کمی نہیں۔ لیکن کل کیا ہو گا۔ یہ خدا کے سوا کون جانتا ہے؟ بھیک مانگنے والے بچے سب کے سب پیشہ ور بھکاری تھوڑے ہیں۔ ان میں سے نہ جانے کتنے اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے ہوں گے جنہیں قسمت نے گداگری پر مجبور کر دیا ہے محمود کو دیکھ کر یہی خیال میرے دل میں آیا تھا۔ اور لرز گئی تھی۔ اس کے پھٹے ہوئے کپڑے اور مظلوم صورت پر نظر ڈال کر۔

امانی خانم نے اس سے زیادہ نہ کہنے دیا۔ بیگم صاحب ایسی باتیں نہ کہیئے محمود اچھے گھر کا لڑکا معلوم ہوتا ہے مزاج کا تو ضرور تیز ہے لیکن ویسے بڑا اچھا اور نیک بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، کسی اچھے گھرانے کا لڑکا ہے صورت شکل سے تو یہی لگتا ہے آپ نے ترس کھا کر اسے رکھ لیا بہت اچھا کیا۔ خدا اجر دے گا۔ اس نیکی کا لیکن اپنے بچوں کو اس کے پیمانہ سے کیوں ناپئے۔ خدا نہ کرے کہ انہیں کبھی برا دن دیکھنا پڑے آپ نے یہ کہہ کر میرا دل ہلا

دیا؟"

اتنے میں صفیہ نے کروٹ لی۔ امانی خانم تیزی سے اٹھیں اور اس کے پاس پہنچ کر، اسے ٹھیک کیا چادر اڑھائی، ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور پھر آکر مریم کے پاس بیٹھ گئیں۔

" خدا کے فضل سے بخار تو نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گی، کتنی پیاری بچی ہے!"

مریم نے ایک پیار بھری نظر وہیں بیٹھے بیٹھے بچی پر ڈالی اور بولیں۔

ہاں امانی خانم میری صفیہ بڑی پیاری لڑکی ہے کوئی شرارت نہیں کرتی خواہ مخواہ کی ضد نہیں کرتی۔ کسی سے لڑتی جھگڑتی نہیں۔ جمال ہر وقت اسے گھورتا رہتا ہے اس پر جان دیتی ہے محمود کبھی کبھی اس سے اکڑ جاتا ہے تو اس کے پیچھے پیچھے گھومتی رہتی ہے۔ وہ (قمر الزمان) اتنا لاڈ پیار کرتے ہیں۔ مگر کیا مجال ہے جو اس لاڈ نے اس میں بدتمیزی پیدا کی ہو۔ میں ہر وقت اللہ امی کرتی رہتی ہوں اس کی صورت دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔ لیکن میری نظر پہنچانتی ہے، کیا مجال ہے کہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام کرے۔ تم اتنا چاہتی ہو اور امان رکھتی ہو اس کا۔ لیکن کبھی اس نے تم سے ضد کی ؟

" کبھی نہیں ؟" امانی خانم نے برجستہ جواب دیا۔ میرے بھی اشارے پر چلتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بد شوق نہیں ہے سبق جی لگا کے یاد کرتی ہے۔ سلائی بھی ماشاء اللہ اچھی خاصی سیکھتی جا رہی ہے، کبھی کبھی لگا لیتی ہوں، بڑے شوق سے آمادہ ہو جاتی ہے ایسی اچھی اور پیاری بچی تو آج تک میری نظر سے گزری ہی نہیں۔ خدا اسے ہمیشہ خوش رکھے اور بڑی عمر دے!"

" آمین!" مریم نے ایک مرتبہ پھر محبت بھری نظروں سے سوتی ہوئی لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا اور دوسروں کے دکھ درد کا بھی، صفیہ کو بڑا خیال رہتا ہے۔"

" ہاں بہت زیادہ امانی خانم نے تائید کی "کیا میری آنکھیں نہیں میں سب کچھ دیکھتی رہتی ہوں؟"

اب اس کو دیکھ لو محمود کو!" مریم نے واقعاتی شہادت پیش کرتے ہوئے کہا —

"جب سے آیا ہے اس کے کھانے پینے، کپڑے لتے، آرام و آسائش کا کتنا خیال کرتی ہے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ آخر تجھے اتنی فکر کیوں رہتی ہے۔ اس لڑکے کی؟ جانتی ہو اماں خانم کیا جواب دیا اس نے؟

"میں کیا جانوں؟" اماں خانم بولیں۔ "لیکن اتنا جانتی ہوں کہ اس نے کوئی بڑے مزے کی بات کہی ہوگی۔"

ہاں بڑے مزے کی!" مریم نے بتایا۔ کہنے لگی۔ امی بات یہ ہے کہ محمود کو بھائی جان بہت ستاتے رہتے ہیں۔ کبھی جھڑکتے ہیں، یہ مجھے بُرا لگتا ہے۔ آپ نے جب اسے بیٹا بنا لیا ہے تو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ میں اس لئے اس کا ساتھ دیتی ہوں کہ وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھے یہ نہ سمجھے کہ یہاں سب لوگ بھائی جان کی طرح ہیں؟

"سچ؟" اماں خانم نے بے ساختہ پوچھا، پھر ہنستے ہنستے کہنے لگیں ماشاءاللہ، بڑی ذہین بچی ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے! مجھ سے بھی اس طرح کی مزے مزے کی باتیں کرتی رہتی ہے، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ محمود بھی اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔ بچی ہی تو ہے کہ کبھی ضد کر بیٹھتی ہے تو پھر اس کی بات مانے بغیر محمود میاں سے بنتی نہیں! میں نے کئی دفعہ ایسے تماشے دیکھے ہیں اور جب دونوں میں چوٹ چلتی ہے وہ منظر تو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ اپنی کہتا ہے، یہ اپنی کہتی ہے پھر دونوں لڑ پڑتے ہیں اور فیصلہ کے لئے میرے پاس آتے ہیں۔

مریم ہنسنے لگیں، "سچ پوچھو تو انہیں باتوں سے گھر کی رونق ہے۔"

اماں خانم نے پُرزور تائید کی۔ "جی اور کیا۔ ارے گھڑی تو گیارہ بجا رہی ہے جمائی لیتے ہوئے) اب آپ جایئے۔ آرام کیجئے۔ میں تو یہاں

موجود ہی ہوں۔ کسی طرح فکر نہ کیجیے۔ اچھی طرح بچی کی دیکھ بھال رکھوں گی۔ مریم چلی گئیں اور امانی خانم اپنا بستر ٹھیک کرنے لگیں۔ نیند کے مارے بیچاری کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں!

(۷)

مقدمہ

صبح ہوئی تو مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔

قمرالزماں نے ناشتہ بیٹی کے کمرہ میں کیا جمال اور محمود بھی حاضر تھے۔ امانی خانم صفیہ کے پاس بیٹھی تھیں وہ اب بالکل ٹھیک تھی، صرف سوجھن باقی تھی۔ مریم بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھی۔ قمرالزماں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے صفیہ سے پوچھا۔ کیوں بیٹی اب طبیعت کیسی ہے؟

صفیہ مسکرانے لگی۔ امانی خانم نے اکسایا، جواب دو بیٹی!"

وہ آہستہ سے بولی، "اچھی ہوں ابا جی، تھوڑا تھوڑا درد ہوتا ہے بس!"

جمال نے سوال کیا۔ لیکن یہ چوٹ تمہیں کیسے آئی؟

صفیہ نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ مریم نے محمود سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ رات اتنی دیر تک تم کہاں رہے بیٹے۔ میں تو بڑی دیر تک تمہاری راہ تکتی رہی۔

جمال نے مسکراتے ہوئے ماں سے کہا، پوچھ لیجئے ابھی سب معلوم ہو جائے گا آپ کو!"

قمرالزماں چونکے انہوں نے بیٹے سے سوال کیا۔ کیا بات ہے کیا؟ کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔"

مریم پر گھبراہٹ طاری ہوگئی ضرور بہ لڑکا کوئی گل کھلا کر رہے گا۔ انہوں نے بے بسی کے ساتھ امانی خانم کی طرف دیکھا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جمال نے باپ کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

صفیہ غلہ سے زخمی ہوئی ہے اور وہ غلہ محمود کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا میں جس وقت باہر جا رہا تھا۔ اس وقت میں نے محمود کو خانہ باغ کی دیوار سے نہایت گھبراہٹ کے عالم

حالت میں کھیتوں کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت تو میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا ماجرا ہے لیکن واپس آنے کے بعد جب صفیہ کے زخمی ہونے کا حال سنا اور امانی خانم سے حادثہ کا وقت پوچھا تو ٹھیک وہی وقت تھا جب میں باہر جا رہا تھا اور یہ خانہ باغ کی دیوار سے غلیل ہاتھ لئے کود رہا تھا۔ یہ حادثہ کس طرح ہوا؟ محمود کے غلہ سے صفیہ کس طرح زخمی ہوئی؟ یہ شرارت تھی یا اتفاق اس کا جواب صفیہ ہی دے سکتی ہے۔

قمرالزمان نے یہ باتیں سنیں اور محمود کی طرف دیکھا، دہشت سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اس کی تاب گویائی مفقود ہو چکی تھی، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ مجرم ہے۔ ابھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ جمال نے پھر ایک نیا نکتہ پیدا کیا۔

اگر یہ بات نہ تھی تو پھر رات کو اتنی دیر تک محمود صاحب منہ کیوں چھپائے رہے؟ کہاں غائب رہے؟ کیوں نہیں آئے؟ کھانا تک کیوں نہیں کھایا میں نے خود دیکھا ہے وہ اب تک نعمت خانہ میں اسی طرح رکھا ہے۔

محمود اس کا جواب بھی نہ دے سکا، صرف پہلو بدل کر رہ گیا اب قمرالزمان کو غصہ آچلا تھا۔ انہوں نے کرخت لہجہ میں پوچھا۔

محمود تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ خاموش کیوں ہو؟

وہ پھر پہلو بدل کر رہ گیا، وہ محسوس کر رہا تھا۔ جھوٹ بولنا اب ممکن نہیں ہے کیونکہ جمال آنکھوں دیکھا حال بیان کر چکا ہے اور ایسے وکیلانہ انداز میں بیان کر چکا ہے کہ اب اس کی تردید نہیں ہو سکتی اور اگر سچ سچ کہے دیتا

ہوں تو آج شاید پہلی مرتبہ قمر میاں اتنا پیٹیں گے کہ ساری کسر نکل جائے گی وہ صفیہ کو بہت چاہتے ہیں انہیں جب معلوم ہو گا۔ کہ میں نے غلہ سے اسے زخمی کیا ہے تو ان کے غصہ کا کیا عالم ہو گا؟ جب کہ ابھی سے یہ کیفیت ہے کہ ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ہے۔

جمال نے فاتحانہ نظروں سے محمود کو دیکھا اور مسکرانے لگا۔ محمود اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے نظر جھکا لی اور کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا۔ اتنے میں صفیہ کی آواز گونجی۔

"میں بتا دوں سچی سچی بات ابا جی؟"

جمال نے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا مریم کی مشتاقانہ نگاہیں اس پر پڑیں کہ دیکھا چاہیے کہ اب یہ کیا انکشاف کرتی ہے۔ امانی خانم نے گوش ہوش وا کر لئے۔ اور قمر الزمان نے ہمہ تن توجہ بن کر بیٹی کو انکشافِ احوال کی اجازت دے دی۔

"ہاں بیٹی، تم ہی بتاؤ کیا بات تھی؟"

صفیہ کے یہ الفاظ سن کر بے ساختہ اور بے تابانہ محمود کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں اور فوراً جھک گئیں۔

ان نگاہوں میں التجا تھی، معذرت تھی، ندامت تھی ایسے لبسی تھی!"

صفیہ نے پھر اپنا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

"یہ چڑیوں کا شکار کر رہے تھے اور انہوں نے غلیل چلائی ادھر میں سامنے آگئی۔ چڑیا اڑ گئی، غلہ میرے لگا اور میں گر پڑی!"

محمود کی جان میں جان آئی، لیکن فوراً ہی جمال نے ایک اور نہایت چبھتا ہوا سوال کر دیا۔

"چڑیا تو درخت پر ہو گی۔ تم زمین پر تھیں۔ غلہ چڑیا کے مارنے گیا تھا جو تم سے اونچی تھی، پھر زمین پر تمہارے کیسے لگ گیا؟" کیا تم بھی اڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھی تھیں؟"

اس پھڑکتے ہوئے اور دلچسپ سوال پر امانی خانم ہنسی نہ ضبط کر سکیں

کھلکھلا کر ہنسنا چاہتی تھیں۔ لیکن قمر الزمان کے سامنے ایسی جسارت کرنا کچھ ہنسی کھیل تو تھا نہیں، منہ پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے ہنسنے لگیں، اس داد نے جمال کا حوصلہ اور بڑھا دیا۔ اس نے صفیہ سے سوال کیا۔

" بتاؤ صفیہ غلہ تمہارے کس طرح لگا، جب کہ تم زمین پر تھیں اور چڑیا درخت پر؟"

لیکن صفیہ بھی آخر صفیہ ہی تھی، اس نے تڑسے جواب دیا۔

" چڑیا درخت پر نہیں تھی؟"

" پھر کہاں تھی؟ کیا تمہارے کندھے پر؟"

" نہیں میرے کندھے پر بھی نہیں۔ وہ باغ کے فورے پر بیٹھی پانی پی رہی تھی!

جمال لاجواب ہو گیا۔ اس نے جل کر کہا۔

" جھوٹی کہیں کی — کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟"

صفیہ نے کہا۔ جو ہوا — مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی بیٹھے تو ہیں۔ محمود تمہارے سامنے خود ہی پوچھ لو۔"

اس جواب سے قمر الزمان مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے بیٹے کو گھور کر دیکھا، جس کا مطلب یہ تھا۔ اب بک بک نہ کرو خاموش ہو جاؤ پھر محمود سے کہا۔

صفیہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے تمہارا غلہ اتفاقاً لگ گیا اس کے۔

محمود نے اب پہلی مرتبہ زبان کو جنبش دی۔

" جی ہاں — ورنہ بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ جان بوجھ کر میں غلیل چلا دیتا

قمر الزمان نے اس دعوے کو تسلیم کر لیا۔ مگر شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

" وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن جب صفیہ زمین پر گر پڑی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی تو بھاگنا کب مناسب تھا؟ تمہارا فرض تھا کہ اس کی مدد کرتے مرہم پٹی کا انتظام کرتے، نہ یہ کہ اس حالت میں اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے؟"

اب محمود کا بھی حوصلہ بڑھ چکا تھا۔ اس نے صفیہ کے جھوٹ میں اپنا جھوٹ ملا کر کہا۔

"یہ میرے سامنے نہیں گری تھی۔ ہوا یہ کہ غلہ لگتے ہی انہوں نے ہائے کہہ کر ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں سمجھا یوں ہی بن رہی ہیں مجھے پریشان کرنے کو، یہ ظاہر کرنے کو کہ میں ان کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ میں نے ایک زقند لگائی اور پھاند گیا۔"

صفیہ نے وہیں اپنے بستر پہ بیٹھے بیٹھے تائید کی۔

"ہاں ابا جی!"

ابا جی نے یہ بات مان لی۔ مگر فرمایا۔

"لیکن اس طرح پھاندنا اور زقند لگانا کون سی دانشمندی ہے۔ اگر پھاندنے میں گر پڑتے تو کیا ہاتھ پاؤں سلامت رہ جاتے"

امانی خانم نے تائید کی "اور کیا بھلا ایسی کیا شوخی کہ خود اپنی جان کے لاگو بن جاؤ"

بڑی سعادت مندی کے ساتھ محمود نے اعتراف خطا کر لیا۔

"جی ہاں یہ تو غلطی ہو گئی۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔؟"

قمرالزمان باہر چلے گئے۔ محمود اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔ ذرا دیر کے بعد مریم اور امانی خانم بھی اُٹھ گئیں۔ ان سب کے اُٹھ جانے کے بعد جمال نے کہا۔

"اچھا محمود اب سچ سچ بتا دو، معاملہ کیا تھا؟ صفیہ کس طرح زخمی ہوئی؟"

صفیہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"خود بڑے سچے ہو اور اگر میں ابا جی سے تمہاری بات کہہ دیتی تو؟"

جمال نے آنکھیں دکھا کر پوچھا۔

"تو کیا کہہ دیتی ابا جی سے ہوں؟"

صفیہ نے ایک سوال کیا۔

"کل تم کیا کر رہے تھے۔ جب وہ باہر گئے تھے ان کے کمرہ میں؟"

جمال کا رنگ رُخ بدل گیا۔ لیکن اس نے ڈھٹائی کے ساتھ پوچھا۔

"کیا کر رہا تھا چڑیل۔"

صفیہ نے جیسے بولنے کی قسم کھالی تھی۔

"کیا تم نے۔ کیا تم نے ابا جی کی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نہیں نکالا تھا؟ میں سب کچھ دیکھ رہی تھی، جی تو چاہا ابھی پول کھول دوں لیکن ترس آگیا۔"

جمال ہنسنے لگا "چڑیل کہیں کی، میرے منہ پر جھوٹ بولتی ہے! ابھی دونوں کانوں کے بیچ میں تیرا سر کر دوں گا؟ آیا سمجھ میں؟"

اور پھر اس کا جواب سنے بغیر ہنستا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد محمود کچھ دیر تک کھڑا رہا۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن شاید ہمت نہیں پڑی، یا حسب مطلب الفاظ نہیں ملے۔ ذرا دیر کے بعد چپ چاپ سر جھکا کر واپس چلا۔ لیکن دروازے تک پہنچ کر ایک مرتبہ پھر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کوئی بات یاد آگئی ہے۔ لیکن اس مرتبہ بھی زبان ساتھ نہ دے سکی صفیہ پر ایک نظر باز گشت ڈالتا، تیزی سے باہر نکل گیا۔

محمود کے جانے کے بعد صفیہ بستر سے اُٹھی، سامنے ایک خوشنما الماری میں بہت سے کھلونے رکھے تھے۔ لکڑی کے مٹی کے، شیشے کے۔ ان میں سے حسب پسند کھلونے نکال کر باہر آئی۔ اسے دیکھتے ہی امانی خانم لپکیں اور اسے گود میں لے کر کمرہ میں آئیں اور بستر پر لٹا دیا، کہنے لگیں۔

"ابھی چلنا پھرنا ٹھیک نہیں ہے بچی۔ دو تین دن تک یہیں اپنے کمرہ میں بستر پر بیٹھ کر کھیلو، بلکہ کھیلنے کی ضرورت ہی کیا ہے لیٹی رہو تو میں کہانی سناؤں۔ ... شاہ ... !

۸

تصویر

کئی دن تک جب صفیہ بالکل اچھی نہیں ہوگئی۔ محمود نے اس سے بات نہیں کی۔ کبھی آیا بھی تو دو چار منٹ بیٹھ کر اور امانی خانم سے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے چلا گیا۔ صفیہ نے بھی کوئی توجہ نہیں کی، بلکہ اسے دیکھ کر کسی کھیل میں لگ گئی۔

ایک روز ماسٹر صاحب صفیہ کو پڑھا کر جا چکے تھے اور وہ بیٹھی اپنا سبق یاد کر رہی تھی کہ محمود آیا۔ اس نے آتے ہی بغیر کسی تمہید کے کہا۔

کیوں صفیہ اب تم نے ہمارے ساتھ کھیلنا چھوڑ دیا ہے؟ کیا خفا ہو کچھ

صفیہ نے کتاب پر نظر جمائے جمائے کہا۔

نہیں کھیلتے ہمارا جی! "کیا کسی کا اجارہ آتا ہے کچھ؟"

محمود نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں کیوں نہیں آتا، ہمارا اجارہ آتا ہے تمہیں کھیلنا پڑے گا ہمارے ساتھ!

صفیہ نے ایک مرتبہ شرربار نظروں سے اسے گھورا اور بولی۔ چلے جاؤ خبردار جو اب مجھ سے بات کی۔

محمود اسی طرح کھڑا رہا۔ اور گویا ہوا: اس وقت، تو اتنی خفا ہو۔ لیکن

پھر تم نے بچایا کیوں ؟ جب جمال نے میری شکایت کی تھی ؟"

ایک مٹی کی گڑیا صفیہ کے ہاتھ میں تھی ، اسے سر سے بلند کرتی ہوئی بولی -

"چلے جاؤ ، نہیں تو کھینچ کر ماردوں گی ، پھر روتے پھروگے - ؟"

لیکن محمود کے قدموں میں جنبش نہیں ہوئی وہ بدستور کھڑا رہا اور کچھ سوچتے ہوئے بولا -

" مارلو — یہ گڑیا میرے منہ پر کھینچ کر ماردو ، خوب تاک کے نشانہ لگانا کہ کم از کم میری ایک آنکھ پھوٹ جائے ، ماتھا پھٹ جائے - اور اتنا خون نکلے کہ میں اس میں نہا جاؤں "

صفیہ بڑے غور سے محمود کی باتیں سنتی رہی ، پھر ایک ناز کے لہجہ میں معصومیت کے ساتھ بولی -

" واہ - کوئی میں تمہاری طرح دیوانی ہوں ؟ میں تو نہیں مارتی !"

محمود پر اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی ، اس نے اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کہا -

" صفیہ یا تو مجھے معاف کردو - ورنہ میں خود اپنا سر اس دیوار سے پھوڑوں گا "

بے ساختہ صفیہ کے منہ سے نکلا -

" ارے واہ یہ کیوں ؟ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے آج ؟"

محمود نے جواب دیا ، نہ جانے اس وقت مجھے کیا ہو گیا تھا ، جو میں نے غلہ کھینچ مارا تمہیں ، تب سے اب تک کئی مرتبہ رو چکا ہوں ، مجھے بھوک بھی نہیں لگتی ، کھانا بھی نہیں کھایا جاتا مجھ سے !"

اور یہ کہتے کہتے ، محمود کی آنکھیں بھر آئیں - صفیہ کا دل کڑھنے لگا - وہ بڑے بھولے پن کے ساتھ بولی -

معاف تو کردوں - لیکن پھر اگر کبھی تمہیں نہ جانے کیا ہو گیا ، اور تم نے پھر غلہ مار کر میری آنکھ اب کی سچ مچ ہی پھوڑ دی تو میں کیا کروں گی ؟ اور بار بار مجھ سے جھوٹ بھی نہیں بولا جائے گا - اس دفعہ تو میں نے بھائی جان کو جھٹلا کر تمہیں بچا لیا - لیکن ہمیشہ تو ایسا نہیں کروں گی !

محمود صفیہ کی یہ من موہنی باتیں سنتا رہا۔ پھر گویا ہوا۔
"تمہیں جھوٹ بولنے یا سچ کہنے کی ضرورت کبھی نہیں پیش آئے گی۔ لیونکہ اب ایسا کبھی نہیں ہوگا مجھے بڑا سبق مل گیا ہے!"
صفیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس گڑیا اپنی جگہ رکھ دی اور پوچھا۔
"سبق کیسا؟"
محمود نے بتایا: "تم نے میرے لئے جھوٹ بول کر اور جمال کو جھٹلا کر مجھے یہ سبق دیا ہے کہ تم کتنی اچھی لڑکی ہو! تمہارے دل میں کتنا رحم ہے! تم کسی کو پٹتے نہیں دیکھ سکتیں تم خطا معاف کر دیتی ہو گناہ بخش دیتی ہو اور جو لڑکی اتنی اچھی ہو۔ اتنی نیک ہو۔ اتنی پیاری عادتیں ہوں جس کی اسے وہی شخص ستا سکتا ہے جو اوّل درجہ کا شیطان ہو۔"
صفیہ نے اس معصومیت کے ساتھ پوچھا۔
"پھر تم نے مجھے کیوں ستایا تھا؟ زخمی کیا تھا؟"
محمود نے کہا، رات ہی کسی کتاب میں قصّہ نظر سے گزرا، اس میں لکھا تھا وہ آدمی بڑا اچھا ہوتا ہے جو غلطی کرے اور اس کا اقرار کرے اور پھر دوبارہ ویسی غلطی نہ کرے۔ میں اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں، اب دوبارہ ایسا نہیں ہوگا!"
شاہانہ انداز میں صفیہ بولی۔
"اچھا معاف کر دیا!"
محمود خوش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر نشاط و مسرت کی عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔
"کیا تم سچ کہہ رہی ہو صفیہ؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی، تمہارے سامنے مجھے بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"
لیکن ایک بات تو بتاؤ، اس وقت تم کیوں ہوگئے تھے اتنے دیوانے؟
محمود نے کہا "بات یہ ہے کہ جو میری بات نہیں مانتا ہے مجھے اس پر غصہ

آجاتا ہے اور جی چاہتا ہے۔ اسے اٹھا کر پٹخ دوں اور خوب جی بھر کے مرمت کردوں اس کی میں تمہیں منع کر رہا تھا۔ لیکن تم ضد کر رہی تھیں۔ میں کہہ رہا تھا سامنے سے ہٹ جاؤ۔ لیکن تم اڑی کھڑی رہیں۔ بس اسی بات پر میں غصہ سے بے قابو ہو گیا اور مجھ سے بے قابو ہو گیا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

صفیہ نے سوال کیا، جب کوئی تمہاری بات نہیں مانتا تمہیں غصہ آجاتا ہے تمہارا جی چاہتا ہے اسے اٹھا کر پٹخ دو اور اس کی خوب جی بھر کے مرمت کرو۔ لیکن میں تو تمہاری بات نہیں مانوں گی، جی چاہے گا — مانوں گی۔ جی چاہے گا نہیں مانوں گی۔ تو پھر تمہارا جی چاہے گا کہ مجھے اٹھا کر پٹخ دو اور خوب سی مرمت کرو۔ میری — نا بھائی بخشو ہماری تمہاری کچھ بھی ٹھیک ہے دوستی ٹھیک نہیں۔"

محمود ہنسنے لگا۔" ارے بھائی تم نے تو اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ لیکن تمہاری بات تو دوسری ہے۔

"کیا ہے وہ دوسری بات؟"

"تم میرا کہا مانو یا نہ مانو مجھے غصہ نہیں آئے گا؟

"واہ غصہ کوئی بلایا تھوڑے جاتا ہے۔ وہ تو آجاتا ہے؟

"ہاں آجاتا ہے اور آئے گا۔ لیکن تم پر نہیں!"

"کیوں؟ مجھ پر کیوں نہیں آئے گا؟ میں کون آسمان سے اتر کر آئی ہوں؟"

محمود کو پھر ہنسی آگئی"۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میرا وعدہ بھی تو کوئی چیز ہے اب اگر کبھی غصہ آیا بھی تمہارے اوپر تو جانتی ہو کیا کروں گا۔"

صفیہ نے بظاہر بے پرواہی سے لیکن اشتیاق کے ساتھ دریافت کیا۔

"بتاؤ کیا کرو گے؟"

وہ کہنے لگا" بھاگ جاؤں گا، تمہارے سامنے سے پھر غصہ کیا کرے گا تمہارا؟"

صفیہ کو ہنسی آگئی، بھاگ جاؤ گے؟ کیوں؟

"تاکہ پھر مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو جائے!"

(ہنستے ہوئے) واہ یہ بھی خوب رہی۔ کیا تم مجھ سے ڈرنے لگے ہو جو بھاگ جاؤ گے؟"

"یہی سمجھ لو، بہر حال اب میرا غصہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا کبھی بھی کسی طرح بھی۔" البتہ کوئی اور اگر مجھ سے اکڑا تو اُسے ٹھیک کر دوں گا!"

"آخر تم سب کو ٹھیک کر دینے پر کیوں تلے رہتے ہو؟"

"یہ میری بڑی پرانی عادت، اتنی ہی پرانی جتنی عمر ہے۔"

"تمہاری عمر کتنی ہے؟"

جتنی تمہاری ہے۔ اس سے چار سال زائد!" لیکن یہ تم عمر کا حساب کیا لے کر بیٹھ گئیں؟ میری بات پر اعتبار آگیا تمہیں؟ آخر یقین کر لیا تم نے؟

صفیہ نے پھر اپنی گڑیا اٹھالی اور بالوں کے الف کو کھینچتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔"

محمود نے خوش ہو کر کہا، تو اب پھر یہ گڑیا الماری میں بند کر دو اور چلو کھیلیں؟

"چلو۔ لیکن کیا کھیلو گے؟"

"جو تم کہو!"

"تمہیں ابا جان نے ایک کیمرہ بھی تو لے کر دیا ہے؟"

"ہاں دیا ہے پھر؟ کیا اس پر نظر ہے؟"

"(مسکراتے ہوئے) نہیں میں لے کر کیا کروں گی؟ جاؤ لے آؤ اسے اور میری تصویریں کھینچو!"

"تصویریں کھنچواؤ گی اپنی؟"

"ہاں تو کیا ہوا؟"

نہیں ٹھیک ہے۔ لیکن ان تصویروں کو ٹھیک کرانے کے لئے شہر جانا پڑے گا!"

"چلے جانا، سائیکل بھی تو ہے گھر میں!"

"لیکن ان کے ٹھیک کروانے میں کئی روپے خرچ ہو جائیں گے"

"کتنے روپے خرچ ہوں گے؟"

"پانچ سے کم کیا ہوں گے؟"

"تو کیا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟"

"بس ڈیڑھ روپیہ ہے۔"

"باقی مجھ سے لے لینا۔ امانی خانم کے پاس میرے بہت سے روپے جمع ہیں؟"

کانوں پر ہاتھ رکھ کر) نابابا وہ تو سارے گھر میں پھونکتی پھریں گی۔"

"کیا کریں گی سارے گھر میں پھونک کر؟ کیا وہ روپے میرے نہیں ہیں کیا میں تصویریں ٹھیک کرانے نہیں بھیج رہی ہوں؟۔ اب کھڑے سوچ کیا رہے ہو؟ جاتے کیوں نہیں کیمرہ لینے؟"

محمود دوڑا دوڑا گیا اور ذرا دیر میں کیمرہ لے کر آگیا۔ اس نے اس کے لینس ٹھیک کئے اور صفیہ سے کہا۔ آؤ سامنے آکر کھڑی ہو جاؤ۔

صفیہ فوارے کی جگت پر جاکر بیٹھ گئی۔

"لو اس طرح کھینچو؟"

محمود کو یہ پوز پسند آیا" ہاں ٹھیک ہے دیکھو ہلنا نہیں۔ ایک۔دو۔"

پھر خوش ہو کر بولا۔ چلو یہ تصویر تو ہوگئی۔ اب دوسری طرح کھنچواؤں گی؟

یہ پوز بھی محمود کو پسند آیا، کیمرہ سے کھٹ کی آواز آئی اور تصویر کھنچ گئی۔ اس نے پوچھا۔

"ابھی اور بھی؟"

صفیہ نے جواب "ہاں ہاں کیوں نہیں؟"

یہ کچھ چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہاں ایک جھاڑی سی تھی۔ اس میں جاکر چھپ گئی پھر گردن نکال کر بولی۔ "کھینچو!"

یہ پوز تو محمود کو بہت پسند آیا فوراً یہ تصویر بھی اتر آئی۔ اب وہ بولا۔ بس ایک تصویر اور کھنچ سکتی ہے۔ اس کے بعد فلم ختم!"

صفیہ یہ سنتے ہی ایک درخت پر چڑھ گئی، اس کی موٹی سی شاخ پر پاؤں

لٹکا کر بیٹھ گئی ۔

" اور مسکراتی ہوئی بولی " ہاں کھینچو !"

" محمود نے کہا ۔ ادھر سایہ ہے ٹھیک نہیں آئے گی ۔"

صفیہ نے ضد کی " ہونے دو ، ہم تو اسی طرح کھنچوائیں گے ۔

محمود نے تجویز پیش کی ۔ اچھا اس سے نیچے جو شاخ ہے اس پر بیٹھو ٹھیک رہے گی ۔؟"

صفیہ وہیں بیٹھے بیٹھے بولی " میں اسی شاخ پر بیٹھوں اور یہیں بیٹھے بیٹھے میری تصویر کھینچو ۔"

محمود کو غصہ آگیا ۔ اس نے جھنجلا کر کہا " صفیہ "

اور پھر کچھ سوچ کر وہ ہنس پڑا اور تصویر اتار لی ۔ صفیہ بھی مسکرانے لگی اور نیچے اتر آئی ۔ پھر بولی ۔ میرا نام غصہ سے لے کر کیوں پکارا تھا تم نے ؟

محمود ہنس پڑا ۔ واہ بھلا غصہ میں بھی کوئی ہنستا ہے ؟ میں تو ہنس رہا ہوں !"

کچھ تامل کے بعد صفیہ نے یہ عذر قبول کر لیا ۔

۹

دو روپے

محمود کی کھینچی ہوئی ساری تصویریں بڑی اچھی آئیں، بڑے شوق اور خوشی کے ساتھ محمود کے ہاتھ سے جھپٹ کر صفیہ اپنی تصویریں دیکھنے لگی۔ محمود بھی پاس ہی کھڑا سر جھکائے ان تصویروں پر ناقدانہ نظر ڈالتا رہا تھا۔

جب تصویریں صفیہ کی نظر سے گزر چکیں تو محمود نے سوال کیا۔

"بتاؤ ان تصویروں میں سب سے اچھی تصویر کون سی ہے؟"

صفیہ نے ایک مرتبہ پھر ساری تصویروں کو نگاہ غور سے دیکھا پھر وہ تصویر جس میں جھاڑی کے اندر چھپی سر باہر نکالے کھڑی ہے، سامنے کر دی اور اس پر انگلی رکھتی ہوئی بولی "یہ!"

پھر کچھ سوچ کر وہ تصویر نکالی، جس میں فوارے کی منڈیر پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی اور کہنے لگی "وہ نہیں یہ!"

محمود ہنسنے لگا "بھئی ایک مرتبہ پھر غور کر لو، کہیں تیری تصویر نکال کر اس پر انگلی نہ رکھ دینا۔"

وہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "بتاؤ تمہیں کون سی تصویر پسند ہے؟"

محمود نے جواب دیا کہ مجھے ساری تصویریں پسند ہیں۔ پوچھو کیوں پسند

ہیں ساری تصویریں ؟"

وہ مسکراتی ہوئی ذرا ناز سے بولی" خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے ہیں کیوں پوچھوں ؟

محمود اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ اچھا میں ہی بتائے دیتا ہوں، یہ سب تصویریں مجھے اس لئے پسند ہیں کہ میری کھینچی ہوئی ہیں اور۔

صفیہ نے ٹوکا " اور کیا ؟ کہتے کہتے رک کیوں گئے ؟ بتاؤ نا"

وہ ذرا جھجکتا ہوا بولا" ۔ اور اس لئے کہ تمہاری ہیں !"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس قدر افزائی پر تحسین آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اتنے میں سامنے سے چمپا گزری، بوڑھی، بدصورت، موٹی کالی بھجنگ صفیہ نے کہا۔ اگر اس کی تصویر کھینچو تو وہ بھی تمہیں اچھی لگے گی — کیوں جی ؟"

وہ بولا" توبہ ہے اسکی تصویر اگر کھینچوں تو کیمرہ خود بخود ڈر کر ٹوٹ جائیگا"

صفیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔

" اور اگر نہ ٹوٹے کیمرہ تب ؟"

یہ بڑا ٹیڑھا سوال تھا، لیکن اپنی حاضر جوابی سے محمود سنبھال لے گیا، اس نے کہا ۔

" پھر میرے ہاتھ کانپنے لگیں گے !"

" صفیہ نے سوال کیا" اور اگر ہاتھ بھی نہ کانپیں تو ؟"

اب محمود ان پے درپے سوالات سے گھبرا چلا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

" پھر میں خود کیمرہ کو توڑ دوں گا، مگر اس کی تصویر نہیں کھینچوں گا کسی طرح ؟"

چہرے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ اس جواب سے وہ خوش ہوئی پھر بھی اس نے ایک سوال اور کر ڈالا ۔

اور اگر کیمرہ نہ توڑو جب ؟"

محمود نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

" پھر میں اس بڑھیا کا گلا گھونٹ دوں گا !"

صفیہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی" واہ بڑے آئے کہیں کے، ہماری

چمپا کا گلا گھونٹنے والے، کیوں گھونٹ دو گے بیچاری چمپا کا گلا ؟"

محمود نے کہا، پھر وہ کالی کیوں ہے ؟ موٹی کیوں ہے ؟ ڈراؤنی کیوں ہے ؟ بھدی کیوں ہے ؟ بھلا ایسی بھیانک عورت کی تصویر محمود کھینچ سکتا ہے "

" پھر وہ کس کی کھینچ سکتا ہے ؟

" صرف صفیہ کی اور کسی کی نہیں !"

تو مجھ میں ایسے کون سے لعل لگے ہیں، بوڑھے تو سب ہی ہوتے ہیں میں بھی ہو جاؤں گی، رنگ تو اللہ میاں دیتے ہیں جسے چاہیں کالا بنا دیں۔ جسے چاہیں گورا کر دیں — اور تم خود کون سے گورے چٹے ہو ؟

محمود ہنسنے لگا " اسی لئے تو اپنی تصویر نہیں کھینچتا، نہ کھینچوں گا !"

کچھ سوچتے ہوئے صفیہ نے کہا۔

" اب میری تصویر بھی کبھی نہ کھینچنا !"

محمود نے اسے مناتے ہوئے کہا۔ ارے واہ بھئی یہ کیوں ؟ تم نے کیا خطا کی ہے ؟

وہ بولی۔" میں بھی تو ایک زمانہ آئے گا۔ جب بوڑھی ہو جاؤں گی اور ممکن ہے موٹی بھی ہو جاؤں، چمپا نے مجھے کئی دفعہ بتایا۔ بچپن میں وہ بھی بالکل میری طرح دبلی پتلی، چھریرے بدن کی تھی ؟ پھر تم میرے بھی ایسے ہی نام رکھو گے جیسے بیچاری چمپا کے رکھ رہے ہو !"

محمود نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "واہ تمہاری بات اور ہے۔"

صفیہ کو تو بات کچھ زیادہ مطمئن نہ کر سکی، اس نے پوچھا کیا بات ہے " میری ؟"

محمود نے بتایا، بھئی اگر بوڑھی ہو گئیں اور خدانخواستہ موٹی بھی ہو گئیں پھر بھی رہو گی صفیہ، مجھے تو صرف صفیہ سے مطلب ہے اس کے دبلے، موٹے، یا بوڑھے ہونے سے کیا مطلب ؟"

یہ بات کچھ سمجھ میں آ گئی۔ اطمینان مزید کے لئے پوچھا۔ اور اگر تم نے جب میری تصویر نہ کھینچی تو تمہارا کیمرہ توڑ دوں گی !"

محمود نے یہ بات مان لی۔ ہاں بھئی توڑ دینا، بلکہ میری گردن ہی مار دینا، تم تو خواہ مخواہ بعض وقت خفا ہو جایا کرتی ہو!"

جواب تیار تھا "اور پھر تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو!"

"غلطی ہوئی معاف کردو!"

"اچھا تو میں ابھی چمپا کو بلا کر لاتی ہوں، اسکی تصویر بھی کھینچنا پڑے گی تمہیں!"

"یہ کیوں؟ آخر اس کا مطلب؟"

"سمجھ لو، وہ چمپا نہیں ہے صفیہ ہے!"

"اوہ، یہ بات ہے تو پھر بلاؤ جلدی سے — میں ابھی کیمرہ لایا۔"

صفیہ نے چمپا کو آواز دی وہ اس کی آواز سن کر دوڑی دوڑی فوراً حاضر ہو گئی اس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے بٹیا، کیا مجھے پکارا تھا؟"

صفیہ نے جواب دیا "ہاں تمہیں پکارا تھا۔ آؤ ادھر آؤ۔"

چمپا اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

صفیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور برآمدہ میں لے جاکر کھڑا کر دیا۔ پھر کمرہ سے ایک کرسی کھینچ لائی اور تین چار پھولوں کے گملے لاکر قریب ہی رکھ دیئے۔ چمپا حیرت اور دلچسپی کے ساتھ یہ کارروائیاں دیکھ رہی تھی کہ یکایک صفیہ نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ اس پر جلدی سے!"

تعمیل حکم میں اس نے بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بہت جلد اپنی غلطی محسوس کرلی اور بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑی ہو گئی۔

"نا بٹیا، میں نہیں بیٹھوں گی۔ کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہے گا؟ اور اگر کہیں میاں (قمر الزمان) نے دیکھ لیا تو میرے سر پہ ایک بال بھی نہیں رہے گا۔ بیگم صاحبہ کی نظر پڑ گئی تو وہ بھی جوتی اتار کر بے گنے مارنا شروع کر دیں گی اور تمہاری اماں خانم تو نہ جانے کیوں مجھ سے خار کھاتی ہیں۔ وہ تو ایک ایک کی ہزار ہزار لگائیں گی جاکر۔"

صفیہ خاموشی سے چمپا کی یہ معذرت سنتی رہی، پھر گویا ہوئی۔

"ہم کہتے ہیں بیٹھ جاؤ۔"

اب چمپا کے لئے سوا اس کے چارہ نہ تھا کہ بیٹھ جائے۔ چنانچہ وہ ڈرتے ڈرتے جیسے امریکہ میں مجرم کو پھانسی کی کرسی پر بٹھا جاتا ہے۔ بیٹھ گئی لیکن حکمت سے کہ ذرا آہٹ ہو اور فوراً اُٹھ کھڑی ہو، پھر اس نے سہمے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"لو بیٹی، بیٹھ گئی، بس تمہاری ضد پوری کردی اب اُٹھتی ہوں!"

صفیہ نے ذرا چیخ کر کہا "ہئیں ابھی نہیں!"

وہ پھر سہم کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں آہٹ سی محسوس ہوئی اور یہاں یہ حال تھا کہ پتہ کھڑکا اور جانِ عالم کا طوطا بھڑکا، فوراً ہی اس طرح اُٹھ کھڑی ہو گئی، گویا کرسی پر بیٹھنے کا جرم اس سے آج تک سرزد نہیں ہوا ہے۔

لیکن یہ محمود تھا —

صفیہ نے پھر جھاڑا "ارے تم کھڑی کیوں ہو گئیں، بیٹھو!"

اس نے حسرت اور بے بسی کے ساتھ محمود کی طرف دیکھا، پھر بولی۔

محمود نے بھی صفیہ کی تاکید کی "بیٹھ جاؤ، بھئی اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔ کرسی ہے کوئی انگاروں سے بھری ہوئی انگیٹھی تو نہیں ہے اس پر بچھو اور کنکھجورے بیٹھے ہیں۔"

یہ چکنی چپڑی باتیں سن کر حیران و پریشان اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس ناٹک کا مقصد کیا ہے؟ محمود نے ڈانٹا۔

"بیٹھ جاؤ، چمپا، چپ چاپ"

ایک بے بس معمول کی خاموشی سے اس نے حکم کی تعمیل کی اور بولی۔

"لو بیٹھ گئی، بتاؤ اب کیا کروں؟"

محمود نے کہا "گاؤ، خوب زور زور سے اچھی طرح گلا پھاڑ کر کے۔ ارے ارے ہل کیوں رہی ہو، چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

وہ بے حس و حرکت ہو کر بیٹھ گئی۔

صفیہ اس کے پاس پہنچی اور اسے خوش خبری سناتی ہوئی بولی۔ "اور اب تمہاری تصویر کھنچے گی!"

چمپا کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا لیکن دل میں خوشی کی لہریں اٹھنے لگیں، کتنا شوق تھا اسے اپنی تصویر کھنچوانے کا، خود اپنے آپکو اپنی تصویر دیکھنے کا اس نے بے یقینی کے لہجہ میں مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بٹیا کی باتیں۔ بھلا میری تصویر کیوں کھینچنے لگی؟"

محمود کیمرہ کے لینس ٹھیک کر چکا تھا۔ اس نے کہا "اب زیادہ نخرے نہیں بیٹھی رہو۔ بت کی طرح، دیکھنا کتنی شاندار تصویر کھنچی ہے، بھڑک نہ جاؤ دیکھ کر جب ہوئی بات۔!"

دفعتہً چمپا کے دل میں ایک سویا ہوا ولولہ جاگ اٹھا اس نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

"تو بھیا میں ابھی آئی!"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی سامنے والی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ اتنی تیزی سے گئی کہ نہ صفیہ روک سکی نہ محمود اس گستاخی پر ڈانٹ سکا، اس نے کیمرہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اب بتاؤ کیا کروں ــ کیا اس کوٹھڑی کی تصویر اتارلوں۔؟"

"صفیہ نے جاتے جاتے کہا، میں ابھی لائی بس ایک منٹ میں!"

محمود نے کیمرہ گلے میں ڈال لیا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بہت اچھا جناب تشریف لے جایئے اور چمپا بیگم کو اپنے ساتھ لے کر واپس آیئے۔"

صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور تیر کی طرح سیدھی اس کی کوٹھڑی میں پہنچی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ تو دولہن بنی ہوئی ہے۔ نہ جانے کہاں سے اس نے اپنا کب کا زرق، برق جوڑا نکال کر پہن لیا۔ خوب اچھی طرح سے کنگھی چوٹی کی، ہونٹوں پر مسی لگائی۔ کان میں بالیاں پہنی، چوڑیاں بدلیں رنگے ہوئے دوپٹے کو خوب اچھی طرح سر پہ ڈالا۔ یہ سب کارروائیاں کرتی

رہی اور مسکرا مسکرا کر صفیہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اس عجیب و غریب منظر سے خود صفیہ اتنی حیران و ششدر تھی کہ نہ ٹوک سکی، نہ روک سکی تصویرِ حیرت بنی اسے دیکھتی رہی۔

جب اچھی طرح وہ بن ٹھن چکی، تو اپنے ٹوٹے ہوئے بکس سے اس نے ٹوٹا ہوا آئینہ نکالا اور اس نے خوب تفصیل سے اپنا جائزہ لیا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر شاید اپنے عہدِ بہار یعنی عہدِ ماضی کو یاد کر کے پیار بھری نظروں سے صفیہ کو دیکھا اور بولی۔

"چلو بیٹی اب چلیں۔"

صفیہ پر اتنی حیرت طاری تھی کہ اس نے اپنے تاثرات و جذبات کا اظہار الفاظ سے نہیں کیا، خاموشی سے اس کے ساتھ ہولی، بہت جلد یہ دونوں اس جگہ پہنچ گئیں، جہاں محمود نہایت بے دلی اور کسی حد تک خفگی کے ساتھ کھڑا انتظار کر رہا تھا لیکن —

لیکن چمپا کو اس سج دھج کے ساتھ دیکھ کر وہ اپنے قابو میں نہ رہا — بے ساختہ ہنس پڑا، پھر جیسے اس پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ صفیہ اس خندۂ بے ہنگام سے چڑ گئی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آخر ہنسی کیوں آرہی ہے کیا کوئی تماشا ہے؟"

محمود نے چمپا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے سے آئیں تم؟"

وہ بولی چمپا ہے — کیا آپ اسے نہیں پہچانتے؟"

بڑی مشکل سے وہ اپنی ہنسی پر غالب آیا اور بولا۔

"ہاں بھئی یہ چمپا تو ہے، لیکن ایسی چمپا تو آج ہم نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی ہے!"

" چمپا مسکرانے لگی، صفیہ نے اس کی طرف سے جواب دیا۔ "دیکھیے کتنی اچھی لگ رہی ہے ہماری چمپا اور آپ ابھی اسے نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔ کہہ دوں کیا کیا کہہ رہے تھے۔"

چمپا لاکھ بے حقیقت اور کم مایہ ہو لیکن بہر حال صفیہ کی کھلائی اور دودھ پلائی تھی اگو ڈانٹ ڈپٹ ہوتی رہتی تھی لیکن صفیہ کی رضاعی ماں کی حیثیت سے اس کا لحاظ بھی بہت کیا جاتا تھا۔ لہٰذا محمود اسے اپنے سے خفا کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے صفیہ کی تردید کرنے کے بجائے براہ راست چمپا سے کہا۔

"سن رہی ہو ان کی باتیں۔ بھلا میں تمہیں کچھ کہہ سکتا ہوں؟ حالانکہ تم کتنی اچھی ہو میرا دل جانتا ہے ابھی تک تمہارے آٹھ آنے کا قرض دار چلا آرہا ہوں!"

اس انکشاف پر صفیہ کو بڑی حیرت ہوئی وہ بولی۔

ہائے اللہ۔ آپ نے چمپا سے بھی پیسے لے لئے۔؟

محمود نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ میں نے مانگا تو روپیہ تھا لیکن بڑی مشکل سے ان کے پاس آٹھ آنے نکل سکے۔ گھبرانا نہیں چمپا بہت جلد یہ قرض ادا کر دوں گا۔"

چمپا مسکرانے لگی۔

صفیہ نے ذرا جھنجھلا کر سوال کیا۔" آخر آپ کو ایسی کون سی ضرورت پیش آگئی تھی کہ اس پر بھی ڈاکہ ڈالنے سے نہ چوکے؟

محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "کیوں صاف صاف کہلواتی ہو تمہاری تصویریں لینے جا رہا تھا پیسے کم پڑ گئے تو کیا کرتا۔"

صفیہ نے فوراً کہا۔

"جھوٹ۔ کیوں چمپا انہوں نے تم سے کب لئے تھے پیسے؟"

اس جھگڑے میں وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔ تصویر کشی میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اکتا کر کہا۔

"ہوگا بیٹی جانے بھی دو!"

صفیہ کو جیسے ضد ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ بتاؤ تو سہی کب دیئے تھے تم نے ان کو پیسے؟

دماغ پر ذرا دیر زور ڈالنے کے بعد چمپا نے بتایا۔ کوئی دو مہینے ہوئے ہوں گے۔

صفیہ کو ہنسی آگئی۔ اس نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

" اب بتایئے " کھل گئی نہ آپ کے جھوٹ کی پول ؟" اچھا جایئے معاف کیا بس اب تصویر اتار دیجئے ہماری چمپا کی۔ لیکن دیکھئے بہت اچھی ہو۔

محمود نے کیمرہ سنبھالا۔ اس نے لینس ایک مرتبہ پھر ٹھیک کئے اور تاکید کی کہ ہلنا نہیں خاموش بیٹھی رہنا۔

چمپا نے منہ سے تو کچھ نہ کہا۔ لیکن اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اس ہدایت کی پوری پوری تعمیل کی جائے گی۔

محمود نے پوری محویت کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا اور عین اس وقت جب وہ کھٹکا دبانے والا تھا۔ چمپا اتنے زور سے اچھلی کہ قریب تھا کہ کرسی کے دھڑام سے گر پڑے محمود نے کیمرہ سے نظر ہٹا کر اسے خونی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔

" یہ کیا حرکت کی تم نے ؟ میں نے کہا نہیں تھا خاموش بیٹھی رہنا۔ آخر اتنی تیزی سے اچھلنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی ؟"

بڑی معصومیت کے ساتھ چمپا نے جواب دیا۔

" نہ جانے کہاں سے کھٹمل بھر گئے ہیں اس کرسی میں۔ بیٹھے میں کھڑی ہو جاتی ہوں کھڑے کھڑے میری تصویر اتار لو !"

محمود کو غصہ تو بہت آیا، لیکن ہنسی بھی آگئی۔ وہ بولا۔

" میرا کیمرہ اتنا بڑا نہیں ہے کہ تمہاری کھڑی تصویر اتار سکے ایسے ہی بہت چھوٹے قد کی ہو ؟

" چمپا نے کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کر کہا " اچھا میں دوسری کرسی لے آتی ہوں بیٹھے !"

محمود جھنجھلا گیا۔ کیسی پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو، ایک سکینڈ کا تو معاملہ ہے کیا۔ میں تم سے اس کرسی پر ساری زندگی گزار دینے کو کہہ رہا ہوں ؟

بیٹھتی ہو یا نہیں ؟"

یہ آخری الفاظ اس نے کچھ اس دبدبہ سے کہے کہ بے چوں چرا وہ پھر اسی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس مرتبہ خیریت گزری، کوئی حادثہ نہیں پیش آیا اور چمپا کی تصویر کھنچ گئی۔ محمود نے کہا۔

" بس — اب اُٹھ جاؤ !"

چمپا کرسی سے اٹھی، سیدھی محمود کے پاس پہنچی۔

بیٹے ذرا دیکھوں تو سہی کیسی آئی ہے میری تصویر ؟"

محمود نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی آئی ہے۔ اتنی اچھی کہ جب دیکھو گی تو غش کھا کر گر پڑو گی !"

چمپا اور زیادہ قریب آ گئی "تو دکھا دو مجھے بھی ؟"

محمود نے کیمرہ بند کرتے ہوئے کہا۔

" ابھی تصویر دھوئی جائے گی۔ پھر سکھائی جائے گی، جن مسالوں سے اسے دھویا جائے گا۔ وہ کم از کم پانچ روپے کے آئیں گے اور میرے پاس ابھی پیسے ہیں نہیں، دو چار مہینہ میں جب باقی رقم جمع کر لوں گا۔ تب یہ تصویر مکمل ہو کر تمہارے سامنے آئے گی۔ ابھی تو یہ صرف ایک دھبہ ہے اسے دیکھ کر کیا کرو گی ؟

چمپا پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے خزانہ کا جائزہ لیا اور گڑگڑا کر کہا۔

" بھیا پانچ روپے تو میرے پاس بھی نہیں ہیں اس وقت !"

محمود نے رکھائی سے کہا "تو میں مانگ کب رہا ہوں، یہ روپے تو میں خود اپنی جیب سے خرچ کروں گا۔ لیکن فی الحال چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں ؟ جب کبھی ہوں گے۔ پہلا کام یہی کروں گا۔ اطمینان سے سو جاؤ جا کر !"

چمپا نے اور زیادہ عاجزی کے ساتھ سوال کیا۔

" بیٹے کیا دو روپے میں کام بن جائے گا ؟"

محمود کچھ سوچنے لگا، پھر اس نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"مشکل ہے بہت مشکل ہے۔"
چمپا کے چہرے پر مردنی چھا گئی، محمود نے اس کی اس کیفیت سے لطف لیتے ہوئے کہا۔
"لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دو روپے دے کر باقی تین روپے ادھار کر لو وہ بعد میں دے دیئے جائیں گے۔"
چمپا خوش ہو گئی "ہاں ٹھیک ہے بٹیا، تو دو روپے میں ابھی لائی۔ ابھی!"
وہ روپے لینے چلی گئی۔ محمود نے فاتحانہ نظروں سے صفیہ کو دیکھا اور پوچھا۔
"دیکھا؟ دیکھ لیا تم نے؟"
صفیہ اس حرکت سے کچھ خوش نہیں ہوئی، روکھے انداز میں بولی۔
"جانے دیجئے بھی، ہمیں یہ باتیں نہیں اچھی لگتیں۔"
اتنے میں چمپا روپے لے کر آ گئی۔ محمود نے اس سے روپے لئے اور ہنستا کھیلتا رخصت ہو گیا!

کیا ہوئی وہ خوشی؟

زندگی اپنی جو اس رنگ میں گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱)

نیا موڑ

زمانہ کو کروٹ بدلتے دیر نہیں لگتی، حالات جب پلٹا کھاتے ہیں تو تیزی سے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

محمود کی زندگی قمرالزمان کے گھر میں آکر نئی زندگی بن گئی تھی، اس پناہ گاہ میں آنے سے پہلے وہ کون سی تکلیف تھی جو اس نے نہ جھیلی ہو وہ کون سی مصیبت تھی جو اس نے نہ برداشت کی ہو، ٹھٹھرا دینے والی سردی میں پھٹے پرانے سوتی کپڑے پہن کر بھیک مانگنے کے لئے ہاتھ اس نے پھیلائے۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ اور گرم موسم میں گلی گلی کی خاک اس نے چھانی، ننگے پاؤں وہ پھرا، فاقے اس نے سہے، مار اس نے کھائی، محبت و پیار اور اپنایت کے مفہوم سے وہ ناآشنا رہا۔ امن، عافیت سکون، راحت اس کے لئے بے معنی الفاظ بنے رہے، صبح کھایا تو شام کو فاقہ، شام کو کھایا تو، صبح روزہ، خوشی کا منہ نہ دیکھا، ہنسی سے آشنا نہ ہوا، بے فکری کا ایک دن بھی میسر نہ آیا، بیماری کے عالم میں دن ہو یا رات کام کرتا، محنت کرتا۔ جھڑکیاں سنتا، گھونسے کھاتا، گالیاں برداشت کرتا یہ کام تھا اس کا لیکن —

لیکن جب ایک روز یکایک اس کی قمرالزمان سے مڈبھیڑ ہوئی، تو اس کی دنیا بدل گئی اور پھر خود بھی بدل گیا۔

یہاں آنے سے پہلے بارہا اس نے سوچا تھا کہ ماں کی محبت کیا ہوتی ہے؟ جب کبھی کسی ماں کو دیکھتا کہ اپنے بچے کو پیار کررہی ہے۔ تو اس کے دل میں خواہش ہوتی، کاش میری ماں بھی ہوتی اور وہ اس طرح مجھے پیار کرتی، جب کبھی کسی بچہ کو باپ کی انگلی پکڑے وہ سڑک پر جاتے اور باپ کی بے پناہ شفقت سے بہرہ ور ہوتے دیکھتا تھا تو خود اس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی کاش میرا بھی باپ ہوتا، میں بھی اس کی انگلی پکڑ کر باہر نکلتا، سیر کرتا، گھومتا ضد کر کے اس سے پیسے مانگتا، فرمائشیں کرتا اور وہ بڑی محبت سے، بڑے پیار سے، بڑے چاؤ سے مجھے پیسے دیتا۔ میری ضد کا پاس کرتا۔ لیکن آہ، میری یہ قسمت کہاں؟ میرے نصیب میں ماں کی محبت اور باپ کی شفقت شاید ہے ہی نہیں۔

لیکن قمرالزمان سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور وہ اسے اپنے گھر لے آئے یہاں آنے کے بعد وہ کچھ سہما سہما تھا۔ گھبرایا ہوا۔ وحشت زدہ یہاں کا ماحول یہاں کی فضا، یہاں کے لوگ، یہاں کی معاشرت، یہاں کا انداز حیات، ہر چیز اس کے لئے نئی تھی۔ اجنبی تھی، وہ سوچا کرتا یہاں کسطرح نبھے گی، نبھ سکے گی یا نہیں مزاج تیکھا تھا، بے انتہا مار کھاتے کھاتے، بے غیرت سا ہوگیا تھا۔ جس دن جمال سے اٹھا پٹخ ہوگئی۔ لڑنے کو تو وہ لڑ بیٹھا۔ لیکن بڑی دیر تک سوچتا رہا اب کیا ہوگا؟ جس شخص نے مجھے اپنے گھر میں پناہ دی اس کے اکلوتے بیٹے سے لڑ کر میں نے اپنے حق میں کانٹے بو لئے ہیں۔ اب میری پٹائی ہوگی، مجھے ذلیل کر کے راتوں رات نکال دیا جائے گا۔ پھر جگہوں جگہوں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ پھر دریوزہ گری پر زندگی بسر کرنا ہوگی۔ پھر ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلانا ہوگا پھر جھڑکیاں سہنا ہوں گی۔ گالیاں کھانا ہوں گی۔ مار برداشت کرنا پڑے گی فاقے سہنا پڑیں گے۔

لیکن یہ کچھ نہ ہوا۔ اتنی بڑی گستاخی اور بدتمیزی کے باوجود کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ نہ مارا نہ پیٹا، نہ ڈانٹا گیا، نہ گھر سے نکالا گیا۔ نہ کسی طرح کا تشدد کیا گیا قمرالزمان نے اس حرکت کا کوئی نوٹس نہیں لیا، مریم نے کوئی پروا نہ کی۔ امانی خانم

منہ دیکھتی رہ گئیں اور صفیہ تو پشت پناہی کرنے لگی ننھی نادان ہونے کے باوجود اس طرح خیال رکھتی جیسے یہ ذمہ داری اس کو سونپی گئی ہے کہ اس ننھے حال نفر کی دیکھ بھال کرے۔ اس کا رواں میلا نہ ہونے دے اس کا دل نہ دکھنے پائے

اور ایک روز اس صفیہ کو جلال میں آکر اس نے گھائل کر دیا تھا۔ تاک کر ایسا غلہ مارا تھا کہ وہ لہو لہان ہو گئی تھی۔ آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچی تھی اور بد قسمتی سے جمال نے اصل حقیقت معلوم کر لی تھی اور شکایت بھی کر دی تھی ماں سے بھی اور باپ سے بھی۔

اگر کہیں صفیہ نے جمال کی تائید کر دی ہوتی تو کیا کچھ نہ ہو جاتا۔ لیکن صفیہ نے بات بنالی۔ اس کے ایک لفظ نے بگڑا ہوا کام سدھار دیا۔ جمال کی کسی نے نہ سنی، صفیہ کی سب نے مان لی۔ مجرم ہونے کے باوجود سزا سے بچ گیا۔

رات کو اس دن ڈرتا ڈرتا، سہما سہما واپس آیا تھا اور ساری رات کروٹیں بدلتے گزاری تھی، اس ڈر سے کہ صبح کو دیکھئے کیا گزرتی ہے؟ لیکن صبح آئی اور خیریت سے گزر گئی۔

اس گھر میں جو حقوق جمال کو، جو قمرالزمان کا اکلوتا بیٹا تھا حاصل تھے وہی محمود کو، قمرالزمان کی شفقت نے اس کے دل سے یہ حسرت مٹادی تھی کہ کاش میرا بھی کوئی باپ ہوتا۔ مریم کی محبت نے اس کے دل سے ماں کی یاد کھلا دی تھی۔

سگے ماں باپ بھی اس کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کر سکتے تھے جو قمرالزمان کا تھا، جو مریم کا تھا۔ کھانے اچھے سے اچھا کھانا، پہننے کو اچھے سے اچھا کپڑا خرچ کرنے کی جیب ضرورت روپیہ، کھیلنے کو پورا گھر، پڑھنے کو کتابیں بھی اور ماسٹر بھی، تفریح کو غلیل اور خانہ باغ!

وہ کون سی حسرت تھی جو پوری نہ ہو رہی ہو؟ وہ کون سی آرزو تھی، جو تشنۂ تکمیل ہو؟ خدا کا دیا سب کچھ تھا اور بہ افراط تھا۔ سکون اور عافیت کی

نعمت بدرجہ اتم حاصل تھی ، نہ کوئی فکر ، نہ اندیشہ ، نہ کسی کا ڈر ، نہ خوف
پچھلی مصیبتوں کی تلافی بہت عمدہ طرح سے یہاں آکر ہو گئی تھی !
اور ——

(۲)

اور — اور ایک دن، یہ جنت پھر جہنم بن گئی، عیش کی زندگی ایک مرتبہ پھر مصیبت کی زندگی سے بدل گئی، خوشی کے قہقہے ختم ہو گئے اور غم کے آنسو بہنے لگے، خوش گوار زندگی نے منہ موڑ لیا اور زندگی کے ہولناک مصائب پھر سایہ کی طرح ساتھ ہو گئے، گویا اب تک کی عیش و راحت کی زندگی ایک خواب تھی، آنکھ کھلی۔ تو پھر زندگی کی ٹھوس اور جگر فگار حقیقتیں اپنی پوری تلخیوں اور سفاکیوں کے ساتھ موجود تھیں۔ پھر مایوسی تھی۔ غم تھا۔ صدمہ تھا ہر طرف تاریکی تاریکی ہی تاریکی، چاروں گھونٹ اندھیرا!

قمرالزمان ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر اس دنیا سے ہمیشہ کے رخصت ہو گئے ان کے انتقال سے گھر سنسان ہو گیا۔ رونق ختم ہو گئی۔ خوش گوار زندگی کنارہ کر گئی۔ ابھی یہ داغ تازہ تھا کہ فلک کج رفتار نے ایک ایسا گھاؤ لگایا جو پہلے سے زیادہ کاری تھا۔

مریم کا بھی انتقال ہو گیا۔

یہی دونوں ہستیاں تھیں جن کے زیر سایہ راحت اور آسائش کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی نیا کارخانہ قائم ہو گیا اور حالات بالکل اس طرح بدلے کہ ان کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

یہ حادثات رونما ہوئے۔ تو محمود اور جمال کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی۔ صفیہ کی بھی ۱۴ ویں سالگرہ ہو چکی تھی۔

قمرالزمان کے مرتے ہی گھر کا سارا نظام جمال کے ہاتھ میں آگیا، وہی لڑکا جو باپ کے سامنے دبکا دبکا رہتا تھا ماں کے سامنے زبان نہیں کھلتی تھی امانی خانم جسے بنایا کرتی تھیں، چپا جس کی باتیں سنتی تھی اور ٹال جاتی تھی، صفیہ جس سے برابر کی لڑائی لڑتی تھی اور ہمیشہ منہ آتی تھی۔ اب اس گھر کا مالک تھا۔ تنہا اور خود مختار مالک!

مالک بنتے ہی جمال کے انداز و اطوار بدل گئے۔ اب اپنے آپ کو لئے دئے رہتا، گھر کے لوگ اس سے ڈرتے، اس کے منہ سے جو بات نکل جاتی فوراً اس کی تعمیل ہوتی۔

پہلے اسے اور محمود کو یکساں جیب خرچ ملتا تھا۔ اب اس کی جیب چاندی اور سونے کے سکوں سے بھری رہتی اور محمود کو کچھ نہ ملتا!

اس گھر پر اس کا ذرا بھی حق نہیں ہے اس گھر کی کسی چیز پر وہ مالکانہ حق نہیں رکھتا اس کا احساس اب ہوا۔ معمولی ضروریات کے لئے بھی وہ جمال کا دست نگر رہتا اگر کبھی منہ کھول کر مانگتا۔ تو بہت بری طرح جمال اسے جھڑک دیتا اور رخصت کر دیتا۔

بارہا اس کا جی چاہا اس گھر سے چلا جائے۔

جائے تو کیا کرے؟ زندگی کس طرح بسر کرے؟ کھائے کہاں سے؟ بے شک ایک زمانہ تھا۔ جب وہ دریوزہ گری کرتا تھا۔ بھیک مانگتا تھا۔ لیکن اب دریوزہ پن نہیں کر سکتا۔ اب بھیک نہیں مانگ سکتا۔ اب کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ چھوڑی ہوئی زندگی کو پھر سے نہیں اختیار کر سکتا۔

مریم اور قمرالزمان کی زندگی میں اس نے محنت سے پڑھا ہوتا تو آج بڑی آسانی سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا اور نہایت اطمینان سے روزی کما سکتا تھا۔ اس کی تعلیم چند ناولوں اور قصوں تک محدود تھی، اس تعلیم کے برتے

پر نہ وہ کسی دفتر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں کلرک ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی آبرومندانہ ملازمت حاصل کر سکتا تھا۔

آدمی ہٹا کٹا تھا۔ جب جمال کی توہین آمیز حرکتوں سے زیادہ عاجز آجاتا تو ایک خیال یہ بھی آتا کہ اگر نوکری نہیں، مزدوری تو کر سکتا ہوں۔ ڈبیا تو ڈھو سکتا ہوں؟

لیکن یہ خیال جس تیزی سے آتا اسی سرعت سے رخصت ہو جاتا۔

بے شک مزدوری کی جا سکتی تھی لیکن اس جگہ نہیں کہیں اور کسی اور شہر میں ۔ ۔ ۔ ۔ کسی نئی بستی میں ؟

کہیں اور جانے کے لئے ضروری تھا۔ کہ اس گھر کو الوداع کہہ دیا جائے۔

" کیا یہ ممکن تھا ؟

کیا اس گھر کو چھوڑا جا سکتا تھا ؟

جس گھر میں صفیہ رہ رہی ہو، کیا اس سے ترک تعلق ممکن تھا ؟

بچپن کی بے تکلفی، بچپن کا ساتھ. بچپن کا تعلق خاطر رنگ لائے بغیر نہ رہا۔

اب محمود صفیہ سے محبت کرتا تھا اور یہ محبت یک طرفہ نہ تھی، خود صفیہ بھی اس سے محبت کرتی تھی ۔

بہت زیادہ کھل کر تو نہیں۔ لیکن بارہا دونوں نے ایک دوسرے کو ٹٹولا اور محسوس کیا کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت وقتی اور عارضی نہیں۔ زندگی بھر کی ہے ۔

اس گھر سے جانے کے یہ معنی تھے کہ صفیہ کی محبت سے دست برداری کر لی جائے۔

صفیہ کا وجود اس کے لئے زنجیر پا بن گیا تھا۔

صفیہ کے لئے ہر ذلت برداشت کر سکتا تھا، ہر تکلیف سہہ سکتا تھا محبت، ایثار چاہتی ہے؟ قربانی چاہتی ہے وہ سوچتا اگر میں صفیہ سے محبت کرتا ہوں تو مجھے ایثار کرنا چاہیے۔ کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیئے اور وہ

قربانی یہی ہو سکتی ہے کہ اس گھر سے قدم باہر نہ نکالوں۔ اس وقت تک جب تک صفیہ میری نہ ہو جائے، وہ میری ہو جائے، پھر گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤں گا۔ مجھے قمر الزمان کی دولت نہیں چاہیے۔ جمال کے مال و منال سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ صفیہ میری ہو جائے، تو میں مزدوری کروں گا، وہ عزت میرے لئے امارت سے لاکھ درجہ بہتر ہو گی؟

لیکن کیا صفیہ مجھے مل جائے گی؟ کیا میں اسے پالوں گا۔ وہ میرے ساتھ دکھ جھیل سکے گی؟ تکلیف اٹھا سکے گی۔؟

میں اس کی محبت میں ہر ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہوں، کیا وہ بھی میری محبت میں میرے لئے، میری خاطر ایثار کر سکے گی؟ قربانی کرتے ہوئے جھجکے گی تو نہیں۔؟

پھر خیال کرتا، صفیہ اگر ہمت ہار گئی، تو کیا ہو گا؟ پھر یکایک صفیہ کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر کے سامنے آ جاتا، اس چہرہ میں کتنی معصومیت تھی! کتنی سچائی تھی؟"

نہیں یہ چہرے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس رُخِ روشن سے فریب کی توقع نہیں کی جا سکتی، یہ نور سے معمور آنکھیں جھوٹ نہیں بول سکتیں، یہ ہمدرد، شریف اور انسانیت نواز ہستی، جس نے ایک بے سہارا نالائق، بد دماغ، غریب اور فقیر لڑکے کو ہر مصیبت سے بچایا جو ہر آفت میں اس کا سہارا بن گئی، وہ کبھی اور کسی حالت میں اسے تنہا، بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتی۔ اس نے جس طرح اب تک ساتھ دیا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ساتھ دے گی۔

زندگی کی آخری سانس تک

لیکن ان تمام باتوں کا فیصلہ میں خود ہی کیوں کر رہا ہوں؟

کیوں نہ ایک مرتبہ صاف اور واضح الفاظ میں اس سے باتیں کر لوں اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دوں، اور اس کے دل کا جائزہ لے لوں؟۔!

لیکن کیا میری زبان اُس کے سامنے حرف ادا کر سکے گی ؟
کیا میں صاف اور دو ٹوک باتیں اس سے کر سکوں گا ؟
یہ زندگی کا معاملہ ہے - صرف زندگی کا نہیں موت کا بھی، یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے اسے زیادہ عرصہ تک ٹالا نہیں جا سکتا، اس کا فیصلہ ہو جانا چاہیے -

میں صفیہ سے گفتگو کروں گا - اس کا عندیہ لوں گا - اس کا دل ٹٹولوں گا - وہ سب کچھ کہہ دوں گا، جو میرے دل میں ہے، اپنی آرزو، اپنی حسرت امید، تمنا، اس کے سامنے پیش کر دوں گا، وہ کیا کہتی ؟
لیکن وہ کیا کہہ سکتی ہے ؟ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ کہہ سکتی ہے جو میں چاہتا ہوں ؟ نہیں وہ وہی کہے گی جو میرے دل میں ہے، جو میری زبان پر ہے، جو میری حسرت ہے وہی اس کی، جو میری آرزو وہی اس کی جو میری تمنا ہے وہی اس کی، میں اس سے محبت کرتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، ہم دونوں ایک ہیں، ہم دونوں ایک رہیں گے، ہم میں کوئی تفرقہ نہیں پیدا کر سکتا ؟

اور جمال ؟ —
کیا جمال بھی اس رشتہ کو منظور کرے گا - وہ مجھے حقیر سمجھتا ہے ذلیل کرتا ہے، کیا وہ ایک شخص سے جس کے پاس نہ گھر ہے نہ در، نہ زمین نہ باغ، نہ روپیہ، نہ پیسہ، اپنی بہن کی شادی کر دے گا ؟
وہ یقیناً خوشی سے اس رشتہ کو منظور نہیں کر سکتا، لیکن وہ مجبور رہے منظور کرنے پر اگر صفیہ نے اس سے کہہ دیا میں محمود کی ہوں اور محمود میرا ہے تو وہ کیا کرے گا ؟ کیا کر سکے گا ـ"

صفیہ نے ہمیشہ اسے شکست دی ہے، ہمیشہ اس سے لڑی ہے اور جیتی ہے اپنی آرزو پوری کروائی ہے کہ یہ ضد پوری نہیں کروا سکے گی ؟ کیا اس لڑائی میں اس پر غالب نہیں آ سکے گی ؟ کیا اپنی زندگی کے مسئلہ پر اسے شکست فاش نہیں دے سکے گی ـ

بے شک لڑکی مجبور ہوتی ہے۔ وہ کوئی باغیانہ قدم نہیں اٹھا سکتی جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے دیا جائے، اسے اپنا سرتاج سمجھتی ہے اور ساری زندگی خواہ ہنس کر یا رو کر اس کے ساتھ گزار دیتی ہے۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر اسے گزار کہ ہنس کر گزار دے

لیکن صفیہ کا شمار ایسی بے بس، مجبور اور مظلوم لڑکیوں میں نہیں ہے وہ سب کچھ کر سکتی ہے، کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا! کوئی اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر اسے آمادہ نہیں کر سکتا وہ بڑی ہٹیلی بڑی ضدی ہے، جس بات کا فیصلہ کر لے اسے پورا کر کے رہتی ہے اس کے اس فیصلہ کو بھی کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ چٹان کی مانند اپنی رائے پر، اپنے فیصلہ پر قائم رہے گی اور میاں جمال منہ دیکھتے رہ جائیں گے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔

لیکن ادھر چند روز سے میں صفیہ کو چپ چپ کیوں دیکھ رہا ہوں؟
وہ کھوئی کھوئی سی کیوں نظر آتی ہے؟
کیا اسے کوئی غم ہے؟ کوئی فکر ہے؟
اسے کوئی غم نہیں ہو سکتا، سوا غم محبت کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے وہ بھی وہی کچھ سوچ رہی ہے جو میں سوچ رہا ہوں —

میرے لئے یہ اجنبی گھر ہے، نیا ہے، مجھے اسے چھوڑ دینے کا ذرا بھی غم نہیں ہوگا۔ لیکن صفیہ کے لئے یہ اہم معاملہ ہے وہ اسی گھر میں پیدا ہوئی ہے یہیں پروان چڑھی، یہیں اس نے شعور کی آنکھیں کھولیں یہاں کے در و دیوار سے اسے محبت ہے، یہ گھر کسی غیر کا نہیں اسی کا ہے اس کے باپ کا ہے اس کی ماں کا ہے، یہاں کے ایک ایک ذرہ سے اس کی کیسی کیسی یادیں وابستہ ہیں، جس بے پروائی اور بے تعلقی سے میں دامن جھاڑ کر کھڑا ہو سکتا اور اس گھر سے قطع تعلق کر سکتا ہوں وہ نہیں کر سکتی، بے شک ایسا کرے گی۔ ضرور کرے گی۔ لیکن ایسا کرنے

پھر انقلاب کا دوسرا دور شروع ہوا!

اب تک محمود کوٹھی کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ کمرہ ایسا آراستہ تھا جیسا صفیہ اور جمال کا بلکہ کچھ زیادہ ہی لیکن دفعتہً ایک روز یہ کمرہ خالی کرالیا گیا اور کوٹھی کے پچھواڑے ایک کوٹھڑی میں اس کا سامان بھیج دیا گیا یہ انقلاب جس وقت آیا وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو حسب معمول اپنے کمرہ کی طرف جانے لگا، چمپا اپنی کوٹھڑی کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی پکاری۔

"بیٹے وہاں نہیں یہاں!"

یہ عجیب جملہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا لیکن چمپا کوئی بے معنی بات بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ کچھ حیرت کچھ پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے اسی کے پاس آگیا۔

"کیا ہے چمپا؟"

وہ مہربانی اور شفقت کے لہجہ میں بولی۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

وہ اور زیادہ اس سوال پر حیران ہو گیا، کہنے لگا۔

"اپنے کمرہ میں — لیکن یہ کیوں پوچھا تم نے؟ خیریت تو ہے؟ صفیہ کو زکام تھا۔ کہیں بخار تو نہیں ہو گیا؟

چمپا نے اور زیادہ محبت بھرے لہجہ میں جواب دیا۔

نہیں بیٹے۔ وہ تو اچھی ہے بالکل، میں کہہ یہ رہی تھی کہ تمہارا سامان یہاں میرے ساتھ والی کوٹھڑی میں آگیا ہے۔!"

محمود پر جیسے بجلی گر پڑی، اس نے لکنت آمیز لہجہ میں پوچھا۔

"میرا سامان یہاں آگیا ہے۔ تمہارے ساتھ والی کوٹھڑی میں؟ لیکن کیوں

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"مالک کی مرضی — آج تو لڑائی ہو گئی دونوں بھائی بہن میں!"

محمود کھڑے سے بیٹھ گیا وہیں چمپا کے پاس۔ پوچھا۔

" لڑائی کیوں ہوگئی ؟ — جب سے اماں جی کا انتقال ہوا ہے مجھے تو نہیں یاد صفیہ نے کبھی جمال سے لڑائی لڑی ہو، اس نے تو بڑی خاموشی کے ساتھ اس کی حکومت قبول کر لی ہے ۔ ضرور جمال ہی لڑا ہوگا اور وہ یا تو خاموش رہی ہوگی ، یا رونے لگی ہوگی ۔"

چمپا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے ۔

" ہاں بھیا ایسا ہی ہوا جیسا تم کہتے ہو، پہل جمال کی طرف سے ہوئی وہ خوب لڑا میری بچی نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے سو بیٹر بنتی رہی، جب وہ زیادہ چیخا چلایا تو غریب رونے لگی۔ مگر جب وہ اس پر بھی وہ بند نہ ہوا تو پھر وہ بھی صفیہ سے ترکی بترکی جواب دینے لگی ۔"

یہ خبر کافی دہشت انگیز اور پریشان کن ثابت ہوئی ۔ پھر بھی اپنے آپ پر قابو پا کر اس نے پوچھا ۔

" لیکن بات کیا ہوئی تھی آخر ؟"

چمپا نے ایک آہ سرد کے ساتھ جواب دیا ۔

" بات کیا ہوتی وہی تم ، وہی تمہارا ذکر، وہی تمہاری جلن یہ لڑکا کیوں اتنا خار کھاتا ہے تم سے جیسے کوئی پرانی دشمناگی (دشمنی) ہو !"

" میں دوست کا دوست اور دشمن کا دشمن ہوں ، اگر وہ میرا دشمن ہے تو پھر میں بھی اس سے وہ دشمنی کروں گا کہ یاد کرے گا وہ بھی !"

" (کانپ کر)" نہیں بھیا ، ایسی باتیں نہ کرو ، خدا کے لئے چپ رہو ؟

" ہاں چپ تو ہوں جب تک چپ رہ سکوں گا۔ لیکن تم کیا کہہ رہی تھیں ۔ صفیہ اور جمال کی لڑائی، کیوں لڑ پڑی صفیہ اس سے ؟

بات تو بڑی معمولی تھی ، لیکن کوئی اس کا بتنگڑ بنانے پر تل جائے تو —

" وہی بات اور بات کا بتنگڑ پوچھ رہا ہوں کہو تو سہی ، معلوم تو ہو معاملہ کیا ہے ؟"

" تمہارا کھانا تو جمال نے الگ ہی کر دیا ہے آج جب اس نے کمرہ خالی کرایا اور اس کوٹھڑی میں سامان بھیجنے لگا تو وہ ضبط نہ کر سکی ۔ کہنے لگی ۔

" بھائی جان اس طرح ہاتھ دھو کر کیوں بیچارے محمود کے پیچھے پڑ گئے ہیں کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا ؟"

جیسے بارود میں آگ لگ گئی۔ بھڑک پڑا لڑکا، جواب کیا دیتا ہے۔

" میں اگر اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوں تو اس لئے کہ اس کا ہم سے ناطہ کیا؟ وہ ہمارا ہوتا کون ہے ؟ اسے کیا حق ہے اس گھر میں رہنے کا، یہاں کھانے کا ؟ یہ ہماری مہربانی ہے کہ اس کا یہاں رہنا گوارا کر لیا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا، تم اس کی حامی و ناصر کیوں ہو گئی ہو !"

" پھر کیا جواب دیا صفیہ نے۔"

وہ کہنے لگی، میں اس کی حامی و ناصر اس لئے ہوں کہ وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ وہ میری ماں کو بھی اچھا لگتا تھا۔ میرے باپ کو بھی اچھا لگتا تھا۔ میں اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں برداشت کر سکتی —

" صفیہ نے یہ کہا چمپا ؟ چمپا صفیہ نے یہ کہا ؟"

" ہاں — یہ سنتے ہی وہ بپھر ہی تو گیا کہنے لگا، کہ تم اس سے محبت کرتی ہو ؟ کیا تم اس کی رفیقۂ حیات بننا چاہتی ہو ؟

اوہ چمپا، جمال نے صفیہ سے یہ پوچھا

" ہاں —"

" پھر کیا بولی وہ ؟ کیا کہا اس نے کہا ؟ کیا جواب دیا ؟"

پہلے تو وہ کچھ نہیں بولی، اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا سارا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے وہ چپ چاپ پھر سویٹر بننے میں لگ گئی۔ مگر جمال تو جیسے اپنے سوال کا جواب لینے پر تلا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتی ؟"

وہ اُون اور تیلیاں لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور جاتی ہوئی بولی۔

" ہاں میں اس سے محبت کرتی ہوں "

" چمپا، چمپا، تم نے کیا کہا ابھی ؟ کیا کہا تم نے ؟ جمال کو صفیہ نے کیا جواب دیا۔ چمپا بتاؤ، چپ کیوں ہو ؟"

سنو، تو بتاؤں بھی، تم تو اپنی ہی رٹے جا رہے ہو؟"

اچھا اب میں چپ ہوں، چپ چاپ سنتا رہوں گا۔ لیکن دماغ پر زور دے کر وہی لفظ بتانا جو اس نے کہے تھے۔

وہی بتا رہی ہیں۔ وہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ مجھے اس طرح یاد ہیں جیسے وہ بول رہی ہے، میں سن رہی ہوں!"

" بھئی بڑی باتونی ہو چمپا خدا کے لئے تمہید ختم کرو، حرف مطلب زبان پر لاؤ۔"

اس نے کہا "ہاں میں اس سے محبت کرتی ہوں! یہ کہا اور تیر کی طرح اپنے کمرہ میں چلی گئی۔"

(جوش مسرت سے بے قابو ہو کر اور دونوں مٹھیوں کو بھینچ کر) آہ چمپا یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا واقعی اس نے یہ کہا تھا؟ تمہارا دماغ کمزور ہے کہیں اس نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں؟ نہیں وہ مجھ سے نفرت نہیں کر سکتی، کہیں اس نے یہ تو نہیں کہا تھا، میں اس سے محبت نہیں کرتی۔" نہیں اس نے یہ بھی نہیں کہا ہوگا۔ وہ مجھ سے کس طرح نفرت کر سکتی ہے؟ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اسے مجھ سے محبت کرنی چاہیئے وہ میرے سوا کسی کو نہیں چاہ سکتی، میرے سوا کسی سے محبت نہیں کر سکتی یقیناً اس نے یہی کہا ہوگا۔ چمپا پھر؟"

" واہ رے لڑکے پھر کیا بس۔"

جمال پر تو یہ سُن کر بجلی گر پڑی ہوگی وہ آپے میں تر رہا ہوگا؟ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ہوگا؟

" ہاں، اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا!"

اسے معلوم ہونا چاہیئے میں بھی قصائی ہوں، میں اسے قتل کر دوں گا۔ اگر وہ میرے رستہ میں آیا۔

(کانپ کر) خدا کے لئے ایسا نہ کہو، تم نے اس گھر کا نمک کھایا ہے تم پر قمر الزمان میاں کے احسانات ہیں، تم مریم بی بی کے احسان کے بوجھ سے سر

نہیں اٹھا سکتے، کیا تم قمر میاں اور مریم بی بی کے لڑکے کو قتل کر دو گے ؟ ہائے ایسی بات تمہارے منہ سے کیسے نکلی ؟ توبہ کرو!"

"یہ نصیحت کا دفتر اپنے پاس رکھو، میں اب بچہ نہیں ہوں، میں جانتا ہوں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ خیر تو پھر جمال خاموش ہو گیا ؟ ہار مان لی اس نے صفیہ سے ؟"

"توبہ کرو، وہ کیا ہار مانے گا کسی سے وہ خاموش ہونا کیا جانے ؟"

تو اس نے کیا کہا ؟ کیا کہا ؟"

"پھر تم چاقو نکال کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ نا بابا میں نہیں جانتی!"

خوشامدانہ لہجہ میں) چاقو نکالنے کا وقت ابھی کہاں آیا ہے اگر کبھی آیا تو دیکھا جائے گا۔

ہاں - پھر ؟

وہ بھی لپکا لپکا صفیہ کے کمرہ میں پہنچا اون کا گولہ اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دیا، تیلیاں جھپٹ کر دیوار پر دے ماریں اور کہنے لگا۔ صفیہ یہ نہیں ہو سکتا، تم اپنی محبت واپس لے لوٹ

پریشانی کے عالم میں، بچاری صفیہ تو کیا اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"نہیں — اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تم نفرت واپس نہیں لے سکتے ہیں محبت واپس لے لوں ؟ حالانکہ نفرت بری چیز ہے اور محبت اچھی چیز"

جوش سے بے قابو ہو کر، چمپا تمہیں خدا اور رسولؐ کی قسم سچ کہو۔ کیا صفیہ نے یہی کہا ؟

کچھ دیوانہ ہوا ہے لڑکے مجھے جھوٹ بولنے سے غرض کچھ اس کے بدلے کچھ دے دے گا تو مجھے ؟

"وہ بھی مل جائے گا۔ وقت آنے دو۔ صفیہ کا یہ جواب سن کر تلملایا تو بہت ہو گا جمال ؟"

تلملایا ؟ — پھٹ پڑا، جیسے انگاروں پر لوٹ گیا، کہنے لگا۔ صفیہ میں

اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ وہ کہتی کیا ہے ؟ کیا محبت اجازت لے کر کی جاتی ہے "

قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے، واقعی یہ جواب دیا صفیہ نے کیوں چمپا ؟"

" تو کیا میں اپنی طرف سے کہہ رہی ہوں ؟"

اچھا خیر، تم تو پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں — پھر خاموش ہو گیا جمال ؟

نہیں اور زیادہ بھڑک اٹھا، کہنے لگا۔ اگر تم اس کے خیال سے باز نہ نہ آئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ وہ نہ جانے کون ہے اس کی ذات کیا ہے، نسب کیا ہے ؟ کس خاندان کا ہے ؟ باپ کون تھا ؟ ماں کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی ؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم — چپ چاپ یہ باتیں سنتی رہی، پھر بولی۔ ہاں یہ سب کچھ نہیں معلوم، لیکن ایک بات معلوم ہے یہ کہ وہ آدمی ہے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کچھ اور معلوم کرنے کی ضرورت نہیں — !"

جذبات سے بہت زیادہ متاثر ہو کر، نہیں چمپا، آدمی صرف صفیہ ہے ورنہ ہم جانور ہیں، جمال بھی، میں بھی اور تم بھی —

" عقل کے ناخن لو لڑکے تو ہو گا۔ جانور یا جمال ہو گا۔ میں کیوں ہونے لگی !"

" اچھا تم نہ سہی، پھر یہ صاف اور کھرا جواب سن کر کیا ارشاد فرمایا جمال صاحب نے ؟"

" اور بپھر گئے" کہنے لگے، وہ آدمی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو نیچ — پھر وہ تڑسے بولی، خدا نے کسی آدمی کو نیچ نہیں بنایا ہے یہ اونچ نیچ کا سوال تو خود غرض، انسانوں کا پیدا کیا ہوا ہے !"

" بہت زیادہ قریب آ کر) چمپا — چمپا

(بے پروائی سے، ہاں کہو سن رہی ہوں،

" یہ صفیہ تو قابل بھی بہت معلوم ہوتی ہے ؟"

اور کیا تمہاری طرح جاہل کا لٹھ ہے ؟ ماسٹر رکھے گئے، تاکید کی گئی

کتابیں منگائی تھیں، مگر خدا کے بندے نے نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، وہ ہمیشہ سے پڑھنے کی شوقین لڑکی ہے بہت قابل ہے جمال سے بھی اور تم سے بھی، اس کا مشغلہ ہی کیا ہے، سوا پڑھنے لکھنے کے!"

"واہ تو کیا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں؟"

کیوں نہیں عالم کامل ہو، کیا کہنا ہے تمہارا۔ میں کہتی ہوں، سوا الم غلم شعروں کی کتابیں پڑھنے یا ادھر اُدھر کی انٹ شنٹ ناولیں پڑھنے کے کچھ اور بھی پڑھا ہے تم نے؟ ماشاء اللہ ہر قسم کی کتابیں پڑھتی ہے خوب بحث کرتی ہے۔ اس کے سامنے کوئی ٹھہر سکتا ہے۔ آج ہی کی تو بات ہے تمہارا کمرہ خالی کرانے سے پہلے جمال بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، صفیہ کے ہاتھ میں بھی کوئی کتاب تھی اتنے میں احسان میاں آئے۔ جانتے ہو نہ احسان میاں کو یا انہیں بھی نہیں جانتے؟"

"وہی جو پڑوس کی لال حویلی میں رہتے ہیں وہ؟"

ہاں وہ — ان کے ساتھ ان کی چھوٹی بہن بھی تھی زہرہ —

"کیوں آئے تھے یہ لوگ؟"

اے لو، کیوں آئے تھے یہ لوگ — آئے تھے کیوں نہ آتے؟ پڑوسی ہیں، دور کے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔ ویسے اس لئے آئے تھے کہ زہرہ کی سالگرہ تھی۔ اس کی دعوت دینا تھی۔ احسان میاں تو وکالت کا امتحان دے کر آئے ہیں ابھی، اب مستقل طور پر یہیں رہیں گے۔

ہنستے ہوئے، کیا وکالت یہیں کریں گے؟ اسی گاؤں میں، اسی دیہات میں؟"

انہیں وکالت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ امیر کبیر ہیں۔ گاؤں گراؤں جائداد، مکان، باغ، روپیہ، کیا نہیں ہے ان کے پاس یہاں رہیں گے۔ دیکھ بھال کریں گے اپنے علاقہ کی باپ مرچکے ہیں۔ ماں اس سے پہلے مرچکیں، اپنا گھر آباد کریں گے۔ کوئی چاند سی دلہن بیاہ لائیں گے!"

چاند سی دلہن ؟ — چاند سی دلہن تو اس دنیا میں ایک ہی ہے اور وہ ان کے فرشتوں کو بھی نہیں مل سکتی، وہ ہے صفیہ !"

" ارے واہ، تو بس صفیہ ہی اس دنیا میں ایک خوب صورت لڑکی ہے باقی سب چڑیلیں ہیں ؟"

اور نہیں تو کیا، صفیہ کے سامنے چڑیلیں ہیں، ویسے اپنے گھر میں چاہے پری کیوں نہ ہوں"

"یہ بھی اچھی دھاندلی ہے" —

"خیر ہوگا — تو احسان اور زہرہ آئے، پھر کیا ہوا ؟"

احسان نے جمال سے پوچھا، کون سی کتاب پڑھی جا رہی ہے، اس نے کتاب سامنے کر دی، اسے دیکھتے ہی وہ ہنسنے لگا۔ احسان نے پوچھا ہنستے کیوں ہو ؟ وہ بولا یہ کتابیں پڑھتے ہو تم، جاسوسی کی کتابیں اور تم ؟ بیچارا جھینپ سا گیا، پھر اس نے صفیہ سے پوچھا، آپ کیا پڑھ رہی ہیں، اس نے بھی اپنی کتاب اس کی طرف بڑھا دی، دیکھ لیجئے، کتاب دیکھ کر الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر بولا، مس صفیہ آپ کا مطالعہ تو بہت وسیع معلوم ہوتا ہے یہ تو اتنی سخت کتاب ہے کہ میری سمجھ میں بھی اچھی طرح نہیں آسکتی، صفیہ ہنسنے لگی اور بولی تو آجایا کیجئے، میں پڑھا دوں گی۔

کھل اٹھے ہوں گے احسان میاں، ممکن ہے اب طواف کرنا شروع کر دیں اس گھر کا۔

لیکن منہ دھو کر رکھیں، مذاق میں ایک بات کہہ دینا اور بات ہے ورنہ وہ منہ بھی نہیں لگائے گی انہیں۔

تم تو بڑے بے وقوف ہو، کہاں کی بات کہاں لے جاتے ہو، اسے کیا ضرورت ہے اس گھر کا طواف کرنے کی، کیا اس کے لئے لڑکیوں کی کمی ہے ؟"

" اچھا نہ ہوگی "

پھر احسان میاں اور جمال میں باتیں ہونے لگیں، زہرہ بھی بڑی پیاری اور بھولی لڑکی ہے۔ وہ صفیہ سے بہت جلد گھل مل گئی۔ دنیا جہان کی باتیں

چھڑ گئیں۔ سامنے میز پر ایک چھوٹی سی تمہاری تصویر رکھی تھی۔ زہرہ نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ صفیہ نے بتایا یہ محمود صاحب ہیں، وہ چلبلی لڑکی پوچھ بیٹھی، تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے؟ صفیہ نے جواب دیا۔ وہ بھی اس گھر کے ایک فرد ہیں۔

بھئی صفیہ میں تم سے ذرا بھی بحث نہیں کرتا، میں نے اپنا جواب پالیا اب مجھے تم سے کچھ نہیں پوچھنا ہے۔ تم نے سب کچھ بتادیا۔

" صفیہ؟

صفیہ یہاں کہاں ہے؟ مجھ سے باتیں کرتے کرتے تم صفیہ سے کیسے باتیں کرنے لگے؟ واقعی دیوانے ہوگئے ہو گیا؟ کون سا جواب پالیا تم نے؟

"تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکتیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ باتیں آ ہی نہیں سکتیں — کیوں چھپایا تم نے بھی محبت کی ہے کبھی کسی سے؟ تم سے بھی محبت کی کسی نے؟ چلئے ہو یا لگاؤں ایک دو ہتڑ، لو اور سنو، میری محبت کریدنے لگے بیٹھے بیٹھے کچھ دیوانے تو نہیں ہو؟"

" ہنستے ہوئے) اچھا اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں!"

صفیہ کی بات پر جمال نے پوچھا۔ کس کا ذکر ہو رہا ہے؟ زہرہ نے تمہاری تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا، ان صاحب کا، پھر پوچھا۔ کیوں جمال بھائی یہ کون صاحب ہیں؟ جمال نے جواب دیا" یہ؟" —— یہ ہمارے گھر میں پلا ہوا ایک شخص ہے۔ بے چارہ کہیں بھیک مانگ رہا تھا۔ ابا جان کو ترس آگیا۔ اس پر لے آئے اور جب سے یہیں کھاتا پیتا اور رہتا سہتا ہے — لیکن اس کا کیا ذکر ہو رہا تھا؟ زہرہ نے کہا۔

لیکن صفیہ تو کہہ رہی تھی یہ اس گھر کے ایک فرد ہیں؟ یہ سن کر جمال کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور بڑی حقارت کے ساتھ بولا " ہاں تو اس گھر میں جو ایسے شیں کتا پلا ہوا ہے، وہ بھی اس گھر کا ایک فرد ہے، جو بلی میاؤں میاؤں کرتی گھوما کرتی ہے وہ بھی اس گھر کی ایک فرد ہے، بھینس، گھوڑا سب اسی گھر کے ایک فرد ہیں، یہ سن کر زہرہ ہنسنے لگی اور اس نے صفیہ سے چپکے سے

کہا یہ تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں؟"

"غصہ سے، پھر بھی تم کہتی ہو کہ میں اسے قتل نہ کروں؟ میں ضرور اس کی جان لے کر رہوں گا ایک دن، کسی قیمت پر اسے معاف نہیں کر سکتا۔"

کانوں پر ہاتھ رکھ کر) میری توبہ ہے یا اللہ، اپنی زبان کاٹ کر پھینک دوں۔ یہ لڑکا جو کچھ پوچھتا ہے بتا دیتی ہوں۔ اور پھر یہ اول فول بکنے لگتا ہے بیٹے تمہارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ میری شامت آجائے گی، مفت میں، بس بھر پائی یہ لو کنجی اور جاؤ اپنی کوٹھڑی میں پڑ رہو، خدا کیلئے اب مجھ سے کچھ نہ پوچھنا!"

محمود نے کنجی اس کے ہاتھ سے لے لی اور اپنے نئے مسکن طرف جانے لگا کہ پھر اس کے کانوں میں چمپا کی آواز گونجی۔

"ایک بات تو سنتے جاؤ۔"

وہ جاتے جاتے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہے؟" "کون سی بات؟"

صفیہ نے کہا ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ کون کہاں رہتا ہے چاہے کوٹھڑی میں رہو یا کوٹھی میں بات ایک ہی ہے پہلے تم میرے پاس میرے کمرہ میں آجایا کرتے تھے اور باتیں کیا کرتے تھے۔ اب میں تمہاری کوٹھڑی میں آجایا کروں گی اور باتیں کروں گی، ہمارے ملنے جلنے اور سمجھاؤ میں کوئی فرق نہیں آسکتا، تم اپنا دل تھوڑا نہ کرنا۔"

۳

پیمان

محمود کوٹھڑی میں آیا اور چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس وقت مختلف اور متضاد قسم کے تاثرات اس پر طاری تھے، اپنی زبوں حالی پر دل گرفتہ تھا جمال کے اہانت آمیز رویہ سے مغموم تھا، اپنی غریبی اور مفلسی پر گریاں کناں تھا لیکن چھپا سے اس وقت صفیہ کی جو باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ انہوں نے دل کو ایک نئی توانائی بخش دی تھی۔ ایک نئی مسرت عطا کر دی تھی۔ اس خوشی کے سامنے ہر غم ہیچ تھا۔ اس مسرت نے ہر دکھ چھین لیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش کرسی پر بیٹھا رہا، پھر اٹھا اور ٹہلنے لگا، پھر گنگنانے کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کے بعد ہلکے ترنم کے ساتھ گانے لگا۔

زندگی اپنی جو اس رنگ میں گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اتنے میں اس نے آہٹ محسوس کی، نظر اٹھائی تو صفیہ سامنے کھڑی تھی وہ محمود کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ لیکن اس کی آنکھیں پرنم تھیں، چہرہ جو پھول کی طرح تر و تازہ اور شاداب رہتا تھا۔ مرجھایا اور سوکھا ہوا تھا، محمود نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ صفیہ آؤ، مجھے امید تھی تم ضرور آؤ گی"۔!

وہ آئی اور پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ ایک انداز خاص کے ساتھ گویا ہوئی۔

بیٹھے آگئی، کہیے، کچھ فرمانا ہے آپ کو ؟

محمود نے ایک تاثر کے عالم میں کہا، نہیں مجھ کچھ فرمانا نہیں ہے اگر تم کچھ کہو تو ضرور شوق سے سنوں گا۔

صفیہ بولی کیا چمپا نے تم تک میری بات نہیں پہنچائی۔ ؟

محمود نے جواب دیا۔

پہنچادی ۔ اس نے بہت کچھ کہا اور سب کچھ بتادیا "

صفیہ نے متعجب ہو کر پوچھا " سب کچھ بتادیا ؟ کیا بتایا ذرا میں بھی تو سنوں ؟ "

وہ بولا ۔ اس کی گفتگو سے میں نے اندازہ کر لیا کہ میری آہ نیم شب بے اثر نہیں، میری اختر شماری رائیگاں نہیں گئی۔ میرا سوز دروں بے نتیجہ نہیں رہا، تم سے اور جمال سے میرے بارے میں جو باتیں ہوئی تھیں، زہرہ کے سوال کے جواب میں جو کچھ تم نے میرے لئے کہا تھا۔ پھر جمال سے تمہاری جس بات پر لڑائی ہوئی تھی وہ سب اس نے بتادیا اور وہ ساری باتیں اپنے دل پر میں نے نقش کر لیں۔"

" بڑی دیدہ چمپا بھی، ساری داستان طلسم ہوش ربا کے سنانے کی کیا ضرورت تھی ۔

" ضرور پھٹکاروں گی اسے "

" نہیں اسے کچھ نہ کہنا، وہ میری محسن ہے، اس نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اس نے میرے دل میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے۔ اسے کہنے کے بجائے مجھے کہہ لو، اسے سزا دینے کے بجائے مجھے سزا دے لو۔ ایک عرصے سے میرے دن اور میری راتیں، اس فکر میں صرف ہو رہی تھیں، کہ حرف مطلب زبان پر لاؤں، تمہیں بتاؤں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور جان و دل سے چاہتا ہوں تمہیں، تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا

تم میری زندگی ہو، لیکن یہ پروگرام کبھی پورا نہ ہو سکا، یہ بات کبھی زبان تک نہ آ سکی۔

"کیوں؟ — کیا ڈرتے تھے مجھ سے؟"

"ہاں؟ — ایسا ہی سمجھ لو — نہیں میں ڈرتا تو کسی سے نہیں، ڈرنا میری فطرت کے خلاف ہے، لیکن نہ جانے کیا بات تھی، سوچ سوچ کر رہ گیا، لیکن جو کچھ دل میں تھا وہ کہہ نہ سکا اور اب کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

کیوں ضرورت نہیں؟"

اس لئے کہ جو سوال کرنا چاہتا تھا، اس کا جواب میں نے پا لیا، جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ کہے بغیر تمہارے دل تک پہنچ گیا، اور تم نے اسے سن بھی لیا اور قبول بھی کر لیا!"

آپ تو خاصی غلط فہمی میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں! خیر تو ہے —"

"صفیہ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"

مسکرا کر مجھے نہیں معلوم! — لیکن میں تمہارا خیال بہت کرتی ہوں تمہیں خوش دیکھ خوش ہو جاتی ہوں، مغموم دیکھتی ہوں تو دل کڑھنے لگتا ہے کسی تکلیف میں مبتلا پاتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں نہیں مجھے ہے —

جوش سے بے قابو ہو کر) صفیہ یہی محبت ہے اسی کو محبت کہتے ہیں۔

"ہو گی — میں نہیں جانتی!"

میں جو بتا رہا ہوں، معلوم کر لو، جان لو، یہ محبت ہے اور — اور تم مجھ سے محمود سے محبت کرتی ہو؟"

(زیر لب تبسم کے ساتھ) اچھا یہی سہی، کرتی ہوں محبت پھر آگے؟"

"آگے کچھ نہیں سوا اس کے جادۂ وفا پر استوار رہنا:"

"اور اگر میں نے بے وفائی کی تم سے تو؟"

"تو — تو — تو میں تمہیں مار ڈالوں گا، تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ تمہارا خون پی لوں گا۔"

محمود جب یہ الفاظ ادا کر رہا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی اس

کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ بہت زیادہ بھیانک اور خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر صفیہ سہم گئی۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے — کتنے ڈراؤنے لگ رہے ہو اس وقت تم!"

محمود آپے میں آگیا۔ اس کی وہ کیفیت دور ہو گئی۔ صفیہ نے ایسا محسوس کیا جیسے اس پر جنات آگئے تھے اور اب وہ ہوش میں آگیا ہے وہ مطمئن ہو گئی، اس نے کہا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے پائے گی!"

محمود نے بے پروائی سے کہا۔

"میں تکلیف کی پروا نہیں کرتا، جب تک تمہاری محبت مجھے حاصل ہر تکلیف راحت ہے، ہر دکھ سرور انگیز ہے، ہر آفت لذت بخش ہے۔"

"بس کرو زیادہ باتیں نہیں کرتے۔"

"خاموش ہو جاؤں گا صفیہ، لیکن ایک شرط ہے، ایک سوال ہے۔ بتاؤ کیا تم مجھ سے محبت کرتی رہو گی؟"

"عجیب سوال ہے — کیا محبت گھٹتی بڑھتی بھی رہتی ہے؟ کم زیادہ بھی ہو سکتی ہے؟ محبت جب ایک دفعہ ہو جاتی ہے تو ہمیشہ رہتی زندگی کی آخری سانس تک۔"

"بس یہی سننا چاہتا تھا۔ اب میرا کوئی سوال نہیں ہے!"

"لیکن میرا ایک سوال ہے۔"

"تمہارا سوال؟ — کہو دل کے کانوں سے سن رہا ہوں!"

وہ سوال یہ ہے کہ جس محبت کا اتنے زور سے تم نے ڈنکا پیٹا وہ واقعی کچھ حقیقت اور اصلیت بھی رکھتی ہے؟"

بہت زیادہ جو امتحان چاہو لے لو۔ جو حکم چاہو دے کر دیکھ لو" ہماری محبت کا اندازہ بھائی جان کو ہو چکا ہے، ان کی سختیاں روز بروز بڑھتی جائیں گی، مجھ پر اور تم پر بھی —

اس کی پرواہ نہ کرو، جب تک میں زندہ ہوں، تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا ــ

وہ مجھے قتل تھوڑے کریں گے۔ فرض کرو، انہوں نے گھر سے نکال دیا مجھے پھر کیا ہوگا؟"

(آنکھیں دکھا کر) نکال کیسے دیں گے؟

"کیوں؟ ــ کیا ابا جان کے بعد اب وہی ہر چیز کے مالک و مختار نہیں ہیں؟"

"اور تم نہیں ہو؟"

"نہیں ـــ لڑکی کو کچھ نہیں ملتا۔ بس شادی کے موقع پر باپ کو جو کچھ دینا ہوتا ہے، دے دیتا۔ اب تو ابا جان مر چکے، وہ زندہ ہوتے تو واقعی بہت کچھ دیتے اب تو بھائی جان کی مرضی پر سب کچھ منحصر ہے چاہیں دے دیں۔ نہ مرضی ہو تو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیں۔

"نہ دیں، کیا میں مر گیا ہوں ــ؟"

تم کیا کرو گے؟ تم کیا کر سکتے ہو؟ تمہارے بس میں کیا ہے؟

"میں؟ میں تمہارے لئے کیا نہیں کر سکتا؟ سب کر سکتا ہوں۔"

"مثلاً کیا؟"

آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتا ہوں!"

(ہنس کر) یہ تو افسانوں اور کہانیوں کی باتیں ہیں۔ ان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ زندگی بڑی ٹھوس حقیقت ہے۔ ممکن ہے تمام آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتے ہو۔ لیکن تاروں سے نہ تمہارا پیٹ بھر سکتا ہے نہ میرا؟"

"مزدوری کر سکتا ہوں، ڈلیا ڈھو سکتا ہوں فاقے کر سکتا ہوں ــ کیا تم بھی میرے ساتھ فاقے نہیں کر سکتیں؟"

"نہیں بھی اور ہاں بھی!"

یہ بات تو بالکل سمجھ میں نہیں آ سکی ــ نہیں کیونکر؟ اور ہاں کس طرح؟

"اگر تم مجھے اپنے ساتھ فاقے کروانا چاہتے ہو تو اس کی صلاحیت پیدا کرو!"

"اس کے لئے بھی صلاحیت کی ضرورت ہے؟"

"بہت زیادہ، بلکہ اس کے لئے تو پہلے۔"

"وہ کس طرح؟ سمجھادو!"

اگر تم اپنے شوق سے شادی تو کر لیتے ہو، لیکن ایک گھر چلانے کے لئے تم اپنے دل میں کوئی ولولہ نہیں رکھتے، مرتبہ اور حیثیت کا کوئی خیال نہیں کرتے، یہ ہوس ہے، جس سے مجھے ہمدردی نہیں اگر اپنی زندگی بنانے کی کوشش کرتے ہو، جدوجہد کرتے ہو اور پھر ناکام ہوتے ہو تو بے شک میری ہمدردی کے اور انتہاء محبت کے مستحق ہو، پہلی صورت میں ایک فاقہ بھی اگر تمہارے ساتھ کروں گی تو میرے دل میں نفرت پیدا ہو جائے گی اور دوسری صورت میں اگر زندگی بھر تمہارے ساتھ فاقے کرنا پڑیں تو ہر فاقے پر محبت میں اضافہ ہو گا!"

صفیہ کی باتیں محمود نے بڑی توجہ سے سنیں، پھر افسردگی اور یاس کے عالم میں کہا۔

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟"

صفیہ نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا، سب کچھ ہو سکتا ہے؟

اور زیادہ مایوسی کے عالم میں وہ بولا۔

نہیں صفیہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سوچو تو سہی، اس عمر میں کیا کر سکتا ہوں۔ پڑھنے لکھنے کا وقت تو —

(مسکراتے ہوئے) غلیل بازی میں ضائع ہو گیا —

("افسردہ سے تبسم کے ساتھ) اور کیا۔ بھلا بوڑھے طوطے بھی کہیں پڑھے ہیں۔

نپولین کا قول ہے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے، انسان اگر دل پر رکھ

لے تو سب کچھ کر سکتا ہے اور تو — تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں۔"
میرا دل تو چاہتا ہے بتاؤ کیا کروں ؟ کیا کر سکتا ہوں ؟
کم از کم انٹرنیس پاس کر لو، اس کے بعد نوکری کرو اور پرائیویٹ طور پر بی کرو، ایم اے کرو، کوئی اور ڈگری لے لو اور خوب ترقیاں کرو جی بھر کے — پھر میں فخر کروں گی تم پر — لیکن اگر نکمے بن کر میری محبت جیتنا چاہتے ہو مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو، مجھے اپنے ساتھ فاقے کرانا چاہتے ہو تو یہ ناممکن ہے !" پھر میں تم سے محبت نہیں کروں گی۔!"

"تم نے زندگی دی اور چھین بھی لی یہ مت کہو، صفیہ تمہیں کھو دینے کے بعد تمہاری محبت سے محروم ہو جانے کے بعد میں کیا کروں گا۔؟"

"لیکن یہ تو تمہارے اختیار میں ہے کہ میری محبت جیت لو! جب تک تم آدمی نہیں بن جاتے کس طرح تمہیں اپنی زندگی سونپ سکتی ہوں ؟"

"کیا میں آدمی نہیں جانور ہوں ؟"

"صرف آدمیوں کی سی صورت ہے تمہاری، لیکن آدمیت سے محروم ہو اور یہ نعمت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب کچھ کر کے دکھاؤ۔ دیکھو محمود میں تم سے یہ نہیں کہتی کہ مجھے سونے چاندی میں تول دو، یہ نہیں کہتی کہ میرے لئے ایک اونچی حویلی بنا دو، یہ نہیں کہتی کہ اعلیٰ درجہ کے ریشم اور کمخواب و زربفت کے کپڑوں سے مجھے لاد دو، یہ نہیں کہتی کہ ہزاروں روپیہ کے زیورات لا دو، یہ نہیں کہتی کہ میرے لئے نوکروں اور خادماؤں کی بھرتی کرو۔ یہ نہیں کہتی کہ اعلیٰ درجہ کا فرنیچر اور شاندار قالین خرید لاؤ — محمود یہ کچھ نہ کرو صرف پڑھ لکھ کر آدمی بن جاؤ، کوئی معمولی سی ہی ڈگری حاصل کر لو۔ پھر مجھے حاصل کر لو، میں زندگی بھر کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی، فاقے کروں گی۔ دکھ جھیلوں گی، تکلیفیں اٹھاؤں گی، کبھی اُف نہیں کروں گی، کبھی میرے ماتھے پر بل نہیں آئے گا۔ کبھی کیا مجال جو حرف شکایت زبان پر آ جائے، میں مال و دولت کی بھوکی نہیں ہوں۔ آدمی کی متلاشی ہوں۔ میں ایسا شوہر چاہتی ہوں جس پر فخر کر سکوں، جو کسی مجلس میں بیٹھے تو لوگ اس سے مل کر اسے دیکھ

کر، اُس کی باتیں سن کر، اس کے علم کا جائزہ لے کر خوش ہوں، میں چاہتی ہوں، تم بہت اچھے ادیب بن جاؤ۔ تمہارے مضامین چھپیں اور لوگ تعریف کریں، تم بہت اچھے شاعر بن جاؤ، تمہارے شعر لوگ پڑھیں اور سر دھنیں بہت اچھے ناول نویس بن جاؤ۔ لوگ انتظار کیا کریں تمہارے ناولوں کا بہت اچھے افسانہ نگار بن جاؤ، تمہارے افسانے ہاتھوں ہاتھ لئے جائیں

ان میں زندگی تڑپتی اور مچلتی ہوئی نظر آئے، تم بہت اچھے صحافی بن جاؤ لوگ تمہارے مقالات پڑھیں اور کہیں ہاں یہ ہے بہت بڑا صحافی کتنا زور ہے اس کے قلم میں، کتنی آمد ہے اس کے خیالات میں، کتنی روانی اور شگفتگی اور شوخی ہے اس کی تحریر میں ۔ محمود ادیبوں کی مانگ نہیں، شاعروں کو کوئی پوچھتا نہیں، ناول نویس بیمار پڑتے ہیں تو علاج تک نہیں کرا سکتے صحافی دن رات ایک کر دیتے ہیں، محنت کر کر کے مگر جیب ہمیشہ خالی ہی رہتی ہے۔ تمہاری خالی جیب دیکھ کر مجھے خوشی ہوگی، افسوس نہ ہوگا۔ اس خالی جیب میں کائنات ہوگی، اچھے، ستھرے اور نکھرے ہوئے خیالات وافکار کی تم وکیل نہ بن سکو، ڈاکٹر نہ بن سکو، پروفیسر نہ بن سکو اعلیٰ سرکاری ملازمت نہ حاصل کر سکو۔ لیکن یہ بھی نہیں کر سکتے؟ اس کے لئے ذاتی مطالعہ کی ضرورت ہے محمود تم کھو جاؤ کتابوں میں، علم میں، پھر تم بہت اچھے بہت پیارے اور نہایت بھلے آدمی بن جاؤ گے۔ پھر میں تمہاری پوجا کروں گی۔ لیکن اگر یہ نہیں ہو سکتا، تو پھر تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو پھر تم صرف زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو، جس کے لئے جانور پیدا ہوئے ہیں — میں تمہیں جانور تو دیکھنا نہیں چاہتی نہ خود بننا چاہتی ہوں!"

محمود خاموش بیٹھا تھا از خود درفتگی کے عالم میں اور صفیہ جوش و خروش کے عالم میں تقریر کر رہی تھی اس نے کہا ۔

" میں تمہارے لئے ہر ہر ایثار کر سکتی ہوں، یہ گھر چھوڑ دوں گی جس کے درو دیوار سے مجھے الفت ہے، میں یہیں پیدا ہوئی۔ یہیں پلی، یہیں بڑھی، یہیں ہوش کی آنکھیں کھولیں، محمود یہ گھر ہی نہیں اپنے بھائی کو چھوڑ

دوں گی، جومیری ماں اور میرے باپ کی تنہا یادگار ہے۔ اس کی زندگی کو چھوڑ دوں گی، جو اب تک امارت میں بسر ہوتی رہی ہے، جس دن اس گھر سے نکلوں گی، ایک ایک زیور، تمام اعلیٰ قسم کے ملبوسات یہیں چھوڑ جاؤں گی۔ ان چیزوں کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھوں۔ تمہارا ہاتھ پکڑ لوں گی اور سمجھ لوں گی سب کچھ مل گیا مجھے، سب کچھ پا لیا میں نے — بتاؤ محمود کیا اس کے لئے تم تیار ہو؟"

محمود نے اب تک کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا چپ چاپ سب کچھ سنتا رہا تھا۔ اب ہمت کر کے اس نے کہا۔

"ہاں — میں اسی طرح کروں گا، جو تم چاہو گی! لیکن ایک شرط میری ہے کیا اسے قبول کر لو گی؟"

"تمہاری ہر شرط منظور ہے!"

"وہ شرط یہ ہے کہ تم میرے زخم دل پر مرہم رکھتی رہو، مجھ سے ملتی رہو۔ میری دل دہی اور حوصلہ افزائی کرتی رہو۔ پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں اور کیا کر سکتا ہوں!"

"یہی ہوگا! مجھے خود بھی تم سے ملے بغیر، تم سے باتیں کئے بغیر چین نہیں آئے گا اور میری یہ کیفیت آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے تمہارے غلہ کی وہ چوٹ میرے ماتھے پر لگی تھی، جس نے میری آنکھ ہی پھوڑ دی ہوتی اور تم مجھے خون میں لت پت بے ہوش چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے —

خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو، مجھے تکلیف ہوتی ہے!"

جانتے ہو میں کیوں گئی تھی تمہارے پاس؟"

یہ تم نے کب بتایا تھا۔ تم اڑ کر سامنے آکھڑی ہو گئی تھیں!"

تم نے بتانے کے لئے موقع ہی کب دیا تھا۔ امانی خانم نے اس روز بڑا عمدہ حلوہ پکایا تھا انڈے کا، ایک طشتری میں لے کر آئیں اور بڑے چاؤ سے کہا، لے بیٹی کھا لے۔ میں نے کہا کھا لوں گی، آپ جائیے تو میں بھاگی بھاگی تمہارے پاس پہنچی کہ ساتھ ساتھ ہم دونوں کھائیں گے مگر

تم اپنے شکار میں مبتلا تھے مجھے ڈانٹنے لگے۔ میں بھی اڑ گئی۔

"جب سوچتا ہوں۔ اس واقعہ کو مجھے اپنے سے نفرت ہونے لگتی ہے!"

"نہیں اپنے آپ سے نفرت نہ کرو، نفرت کرو گے تو اپنی زندگی سنوار نہ سکو گے، محبت کرو گے تو بنا لو گے ــــ اور یاد رکھو، میں کبھی اور کسی قیمت پر ایک غلیل مار کی رفیقِ حیات نہیں بن سکتی ــ"

محمود نے قہقہہ لگایا اور پھر ہنسنے لگا، اتنے میں چمپا آئی، اس نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"اتنی بے سدھ بیٹھی ہو کہ ہوش ہی نہیں ہے کتنی دیر ہو گئی۔"

صفیہ نے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے کہا۔

"تو کیا گھڑی لے کر بیٹھی ہوں۔ دیر ہو گئی تو کیا ہوا؟"

چمپا نے منہ بناتے ہوئے کہا کہ "ڈھنڈیا مچی ہوئی ہے!"

صفیہ نے دریافت کیا۔ کون ڈھونڈ رہا ہے مجھے؟ کیا زہرہ آئی ہے؟

چمپا نے اور زیادہ خشمناک لہجہ میں کہا۔

"نہیں، جمال بھیا تلاش کر رہے ہیں تمہیں ــ جلدی چلو یہاں آ گئے تو غضب ہو جائے گا۔"

صفیہ کی تیوری چڑھ گئی۔

"کیا غضب ہو جائے گا، کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟ گناہ کیا ہے؟ جاؤ کہہ دو، یہاں بیٹھی ہوں ابھی نہیں آ سکتی ــ"

چمپا لرز گئی، "ارے بیٹی کیوں اپنے اور میرے پیچھے پڑی ہو، چلی چلو نہ جانے کیا بات کچھ غصہ میں نظر آ رہے ہیں ویسے یہاں آ گئے تو برس پڑیں گے؟"

صفیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اچھا بھئی چلتے ہیں، محمود ہماری باتیں یاد رکھنا آؤ چمپا۔"

۴

ایک مشورہ

جمال کی ہر طرح کی پابندیوں، اور بندشوں، سختیوں اور زیادتیوں کے باوجود صفیہ اور محمود کے میل جول میں فرق نہیں آیا، کوٹھی کے اصل حصہ میں محمود کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن صفیہ اکثر اس کے پاس آجاتی اس کی دل جوئی کرتی۔ اس میں ترقی کرنے، آگے بڑھنے اور زندگی کی دوڑ میں سبقت کرنے کا ولولہ اور جذبہ پیدا کرتی۔ اس سے کم عمر، ناتجربہ کار، الہڑ اور زمانہ کی اونچ نیچ سے ناواقف ہونے کے باوجود، زمانہ کے نشیب و فراز سمجھاتی۔

بظاہر ان باتوں سے وہ بہت متاثر ہوتا اور وعدہ کر لیتا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے اس پر دل و جان سے عمل کرے گا، لیکن کئی مہینے گزر جانے کے باوجود اس سلسلہ میں اب تک اس نے کسی سرگرمی کا یا جوش کار کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس لاابالی پن اور بے پروائی سے وہ کڑھتی اور چڑتی رہتی تھی۔ ایک روز اچانک اس کے کمرہ میں پہنچی، وہ بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

پڑھتے دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی، مسکراتی ہوئی آئی، اور پاس کھڑی ہو کر خود بھی کتاب کو جھانکنے لگی، اس نے جلدی سے کتاب بند کر کے

تکیہ کے نیچے رکھ لی۔ کچھ گھبرا سا گیا اور تند لہجہ میں بولا۔

" یہ کیا حرکت ہے؟ اس طرح دبے پاؤں آنا اور کتاب کو جھانکنا تہذیب ہے جس کے اتنے سبق دیتی رہتی ہو۔"

اس تلخ گفتاری کا صفیہ پر کوئی اثر نہیں ہوا، اسی طرح مسکراتی ہوئی بولی۔

" دکھاؤ کیا پڑھ رہے تھے؟"

وہ اکڑ گیا" کیوں دکھاؤں نہیں دکھاتے!"

صفیہ نے دفعتہً تکیہ ہٹایا اور ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھالی یہ ایک نہایت ہی پست قسم کا ناول تھا۔ وہ شکوہ کناں بولی۔

" تم اپنی حالت نہیں سدھارو گے؟ تمہارے لچھن نہیں بدلیں گے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا آخر کس طرح زندگی بسر کرو گے۔"

وہ ذرا برانگیختہ ہو کر بولا، بہت اچھی طرح، نہایت ٹھاٹھ سے!"

صفیہ اور چڑ گئی، کہنے لگی۔

" لیکن معلوم بھی تو ہو کیا کرنا چاہتے ہو؟ کل اگر بھائی جان اس گھر سے تمہیں رخصت کر دیں تو کیا کرو گے؟ کہاں جاؤ گے۔"

" وہ بولا " خدا سب کو دیتا ہے!"

صفیہ نے اور زیادہ تلخ لہجہ میں کہا " ہاں دیتا ہے بھوکا کوئی نہیں مرتا لیکن کمانا پڑتا ہے۔ کس طرح کماؤ گے۔؟

" نہ جانے اس وقت کس موڈ میں تھا، کہنے لگا:" تو کیا ہم ذلیل ہیں؟ کیا ہم کسی سے کم ہیں؟"

صفیہ بھی جل گئی، کہنے لگی:" کیا ہم ذلیل ہیں۔ کیا ہم کسی سے کم ہیں!۔ دوسروں کے سر پڑے ہو اور باتیں یہ!"

وہ کہنے لگا:" میں تو صرف تمہاری وجہ سے پڑا ہوں، ورنہ ایک پل یہاں نہ رہوں۔"

اس دلیل کو صفیہ نے تسلیم کر لیا، کہا۔

" وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس طرح مجھے بھی ذلیل کر رہے ہو۔ ایک طرف

محبت کا دعویٰ، دوسری طرف بے بسی کا یہ حال کہ دوسروں کے ٹکڑے توڑ رہے ہیں۔ نہ شرم آتی ہے نہ غیرت، ایسا محبت کرنے والا تو ہم نے کوئی دیکھا جو پاؤں توڑ کر اور منہ کھول کر بیٹھ جائے کہ لاؤ ہمارے منہ میں لقمہ ڈال دو!"

" تعلیم حاصل کرو، ہنر سیکھو، تا کہ عزت سے روٹی کما سکو!"

تعلیم میں میرا جی نہیں لگتا، تمہاری خاطر سے کئی دفعہ کوشش کی کہ کوئی امتحان دے دوں، لیکن نہ جانے کیا بات ہے۔ ادھر کتاب لے کر بیٹھا ادھر تمہاری صورت آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو گئی؟ — تم آتی ہو تمہیں یاد کرتا ہوں۔ جاتی ہو تو بڑی دیر تک تمہارے تصور میں کھویا رہتا ہوں۔

لیکن ایسی ذلیل قسم کی ناولیں پڑھنے میں جی لگتا ہے؟"

" جی تو ان میں بھی نہیں لگتا، البتہ وقت کٹ جاتا ہے؟"

" تو صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کچھ نہیں کرو گے؟ کہہ دو تو مایوس ہو جاؤں"

" یہ بھی نہیں کہہ سکتا — تمہیں مایوس کرنے کا دل گردہ کہاں سے لاؤں۔"

" توبہ؟ نہ یہ کر سکتے، نہ وہ، پھر آخر کرو گے کیا — ؟

(مسکرا کر) جو تم کہو!"

" کئی مرتبہ کہوں! ایک بات بار بار دہرانے سے حاصل کیا؟"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چمپا آئی اس نے کہا۔

" بیٹی تم تو بڑی اطمینان سے بیٹھی ہو۔ ادھر امانی خانم تمہاری یاد میں ہلکان ہوئی جا رہی ہیں — کچھ یاد بھی ہے؟"

صفیہ جلدی سے جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے جاتے جاتے کہا۔

" مجھے تو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ آج دعوت ہے، سارا کام مجھی کو کرنا ہے امانی خانم کے ساتھ مل کے!"

چمپا نے محمود سے کہا۔ " بھیا (جمال) نے کہا ہے۔ دعوت کے موقعہ پر تم بھی موجود رہنا۔"

" محمود مسکرانے لگا۔ " زہے قسمت ضرور موجود رہوں گا۔ "

پھر وہ صفیہ سے مخاطب ہوا ۔
" کیسی دعوت ہے کس کی دعوت ہے !"
صفیہ مسکراتی ہوئی بولی "آج خان بہادر حاجی منور حسین، ان کی بیوی شاکرہ خانم اور ان کی دختر جمیلہ اختر ہما کی دعوت ہے ۔ سمجھے کچھ ۔؟
" یہ تو سمجھ گیا کہ دعوت ہے مگر جن لوگوں کے تم نے نام لئے یہ کون ہیں ۔؟
صفیہ ہنسنے لگا " پھر کیا سمجھے خاک ؟" ہمارے گاؤں سے ۷ میل کے فاصلہ پر ایک اور موضع ہے رحمٰن پور، یہ وہاں کے رئیس اعظم ہیں ۔ خدا کا دیا کیا نہیں ہے ؟" جائداد، روپیہ، سب کچھ ہما اپنی کی لڑکی ہے، بالکل جاہل، لیکن نہایت خوبصورت — اب بھی کچھ نہیں سمجھے ؟
اچھا تو یہ بات ہے ۔ یعنی شادی ؟"
" ہاں اسی کی بات چل رہی ہے ؟"
" لیکن جاہل لڑکی سے شادی ؟"
خوبصورت بھی تو ہے بہت زیادہ، جہالت کی کمی روپیہ سے پوری ہوجائے گی ۔ نہایت شاندار جہیز دیں گے ۔" اور ایسی جاہل بھی نہیں ہے — خط لکھنا اور تار پڑھنا تو جانتی ہی ہے، یعنی تم سے تو زیادہ پڑھی لکھی ہے ؟"

ہاں بھئی، ہم سے تو سب اچھے ہیں ۔ اور کون کون آئے گا اس موقع پر ؟"
" میں نہیں جانتی (کچھ سوچتے ہوئے)، شاید احسان صاحب اور زہرہ کو بھی بلا لیا ہو !"
" کھانے میں کیا کیا ہوگا ؟"
" وہ سب کچھ جو تمہیں پسند ہے ؟" لیکن ذرا آدمی بن کر آنا !"
صفیہ چلی گئی اور محمود آدمی بننے کی تیاری کرنے لگا اس نے بڑی دیر تک خوب مل مل کر غسل کیا، پھر بہت اچھا جوڑا کپڑوں کا زیب جسم کیا، پھر اپنی صورت آئینہ میں دیکھی، جب یقین ہوگیا کہ آدمی بن چکا ہے تو ٹہلتا ہوا اسی حصہ کی طرف گیا ۔ جہاں دعوت کا کھانا پک رہا تھا، امانی خانم، چمپا، صفیہ سب

ہی پورے انہماک اور مصروفیت کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ صفیہ کو یہ جتانے کے لئے کہ وہ آدمی بن چکا ہے۔

اس نے کہا۔

"کیا میں ہاتھ بٹا سکتا ہوں؟"

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"اس سج دھج سے دعوت میں شریک ہو گے؟"

"وہ اپنا جائزہ لیتا ہوا بولا، تو کیا کمی رہ گئی ہے کچھ؟"

امانی خانم نے کہا، یہ کس رنگ کا سوٹ پہن کر آئے ہو؟ وہ کیا ہوا جو عید پر پہنا تھا تم نے؟"

چمپا نے بھی ہاں میں ملائی، یہ بالکل اچھا نہیں لگتا، وہی پہن آؤ جا کر۔ صفیہ بولی، تو اب کھڑے سوچ کیا رہے ہو؟ جاتے کیوں نہیں؟ کبھی دوسروں کی رائے بھی مان لیا کرو۔"

۵

دُرگت

وقت مقررہ پر تمام لوگ آموجود ہوئے۔ جمال نے نشاط و مسرت کے ساتھ سب کا خیر مقدم کیا۔ ہما واقعی بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ ساتھ ساتھ شرمیلی اور معصوم بھی۔ شاکرہ خانم اس بڑھاپے میں جتنی تیز طرار تھیں وہ اتنی ہی کم گو، خاموش، متین اور سنجیدہ تھی، اس خاندان اور جمال کے خاندان سے گو دور کی تھی، لیکن قربت داری بھی تھی۔ قمرالزمان اور خان بہادر صاحب تقریباً ہم عمر تھے دونوں نے ایک ہی مکتب اور ایک ہی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی گو نسبت تو نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ذہنی طور پر دونوں یہ رشتہ طے کر چکے تھے قمرالزمان کا انتقال نہ ہو جاتا تو شاید نسبت بھی طے ہو چکی ہوتی۔

جمال نے اس موقعہ پر احسان اور زہرہ کو بھی مدعو کیا تھا۔ یہ دونوں بھائی بہن بھی موجود تھے، صفیہ سب کی پذیرائی اور پیشوائی کر رہی تھی۔ زہرہ اور ہما دونوں اس کی طرف زیادہ مائل تھیں۔ زہرہ نے کہا۔

"آپ تو ہمارے ہاں کبھی آتی ہی نہیں؟"

صفیہ مسکراتی ہوئی بولی: "اور آپ تو ہر وقت یہیں بیٹھی رہتی ہیں؟"

زہرہ ہنسنے لگی: "اتنا زبردست اور فوری انتقام لیں گی آپ اس کا مجھے

وہم و گمان بھی نہیں تھا!"

ہما بولی، یہ صفیہ ویسے تو بڑی سیدھی سادی ہیں، لیکن بڑی تیز معلوم ہوتی ہیں!"

صفیہ نے پوچھا "آپ نے کیسے جانا، میں ویسے بڑی سیدھی سادی ہوں لیکن بڑی تیز معلوم ہوتی ہوں؟"

ہما نے کہا: "میں کیا جانوں، آپ کے بھائی جان کا قول تو یہی ہے۔ اور یہاں آکر اس کی تصدیق بھی ہو گئی!"

صفیہ نے ایک ادائے دلبری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا" اوہو تو بھائی جان سے اتنے بینگ بڑھ چکے ہیں کہ وہ ایسی ذاتی باتیں بھی بتانے لگے ہیں جب اب یہ حال ہے تو آگے چل کر نہ جانے کیا ہو گا۔"

ہما نے ہولے سے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

" - ہٹو بھی، اتنا چونچال بننا بھی ٹھیک نہیں - میں کسی سے پینگ نہیں بڑھاتی جسے غرض ہوتی ہے۔ وہ خود ہی بڑھاتا ہے!"

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی -

" خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی، سنا ہے آپ گانا بہت اچھا گا لیتی ہیں کیا سچ؟"

صفیہ بولی: "یہی میں نے آپ کے متعلق سنا ہے اور شاید دونوں روایتوں کا راوی وہی ہے۔ یعنی بھائی جان — مجھ سے انھوں نے آپ کے لحن داؤدی کی تعریف کی، آپ سے میری نغمہ سرائی کا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔"

زہرہ بیچ میں بول پڑی، تو کیا غلط ہے کچھ؟ آپ دونوں کو بہت اچھا گانا آتا ہے؟

زہرہ بیچ میں بول پڑی، تو کیا غلط ہے کچھ؟ آپ دونوں کو بہت اچھا گانا آتا ہے

" صفیہ بولی، ہاں آتا ہے، لیکن آپ کیوں خاکساری پر مائل ہیں۔ اپنا ذکر کیوں بھول گئیں؟"

وہ کچھ گھبرا سی گئی، کہنے لگی" کیا میرے بارے میں بھی کسی نے کہا ہے؟"

صفیہ اور ہما کو ہنسی آگئی، پھر صفیہ بولی۔

"احسان صاحب ہی تو سارے جہان میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں کئی دفعہ بھائی جان سے آپ کے گانے کی تعریف کر چکے ہیں۔"

زہرہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"تو کیا وہ یہاں آتے رہتے ہیں؟"

صفیہ بولی، "ہاں کیوں نہیں آتے رہتے؟ اس وقت بھی دیکھ لیجئے، رونق افروز ہیں۔ کہیے تو تصدیق کرادوں کہہ رہے تھے یا نہیں؟"

زہرہ اور زیادہ سٹپٹا گئی، "نہیں تصدیق کی ضرورت نہیں، وہ تو یوں ہی نہ جانے کیا کیا کہہ گزرتے ہیں۔ ان کا نام نہ لیجئے۔"

بڑی معصومیت سے ہما نے پوچھا "تو کیا جھوٹ بولتے ہیں وہ؟"

زہرہ نے جواب دیا "نہیں جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن سچ بھی نہیں بولتے؟"

صفیہ اور ہما دونوں ہنس پڑیں، ہما نے پوچھا۔ "بھئی یہ کیا بات ہوئی؟ یا تو جھوٹ بولتے ہوں گے یا سچ، لیکن جھوٹ بولتے ہوں یا سچ، ہمیں گانا نہیں آتا۔"

صفیہ نے کہا۔ "تو ہم سے سیکھ لیا کرو، ہم آخر کس مرض کی دوا ہیں؟"

زہرہ نے اس پیش کش کو سنجیدگی سے قبول کر لیا۔

"کیا واقعی سکھا دیں گی آپ؟"

صفیہ نے جواب دیا "ہاں بھئی کیوں نہ سکھا دوں گی؟ جو ذرا کسر رہ جائے گی وہ ہماری ہونے والی بھابی ہما پوری کرادیں گی!"

ہونے والی بھابی کے لفظ پر ہما کا رنگ رخ بدل گیا، اس نے چپکے سے کہا

"بڑی شریر ہو تم تو۔ واہ بھئی یہ بھی اچھی رہی؟"

زہرہ بولی "پہلے ان کے شریر ہونے کی تصدیق ہوئی تھی، اب تصدیق مزید ہو گئی، کیوں ہما بہن۔"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی "ہاں بھئی ہاں، لیکن ان کے پاس بیٹھنا خطرہ سے خالی نہیں، نہ جانے کتنی تصدیقیں اور ہوں۔!"

اتنے میں کھانا میز پر لگنے کی اطلاع آئی، جمال نے حاضرین سے استدعا

کی کہ چلیں اور ماحضر تناول فرمائیں ۔

یہ لوگ ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں پہنچے، طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ملازم دست بستہ اور مودب ایک اشارہ پر خدمت بجا لانے کے لئے سرو قد کھڑے تھے ۔

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے ۔

جمال نے ایک نظر ادھر ادھر ڈالی، پھر اس کی آواز گونجی ۔

"محمود کہاں ہے؟" میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ بھی موجود رہے؟"

فوراً ایک آدمی گیا اور اسے بلا لیا، وہ آ ہی رہا تھا، آیا اور ایک کرسی پر احسان کے بالکل قریب خاموشی سے بیٹھ گیا۔

محمود کا کرسی پر بیٹھنا تھا کہ ایسا معلوم ہوا کہ بم کا گولہ پھٹ پڑا ۔

جمال نے اسے حقیر نظروں سے دیکھا اور بولا ۔

"تم وہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

اس عجیب سے سوال پر وہ سٹپٹا گیا اس نے کہا :

"یہی کرسی خالی پڑی تھی، اس پر بیٹھ گیا ۔ "

جمال شیر کی طرح گرجا، تمہیں کرسی پر بیٹھنے کا کیا حق تھا؟"

اس کے ہوش ہواس پراں ہو گئے، چہرہ سفید پڑ گیا، اتنے لوگوں کے سامنے، ان غیر لوگوں کی موجودگی میں مہمانوں کے مجمع میں ان باتوں کا مطلب کیا ہو سکتا ہے، اس نے اپنے اوسان درست کئے اور کہا ۔

" آپ ہی نے تو بلایا تھا!"

جمال نے اور زیادہ کڑک کر کہا ۔

"۔ تو کیا اس لئے بلایا تھا کہ آکر ہماری گود میں بیٹھ جاؤ، ہمارے ساتھ بیٹھ کر، ہمارے برابر کے بن کر دعوت میں شریک ہو؟"

غصہ کے مارے محمود سارے بدن سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ لیکن یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اور بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر غالب آتے ہوئے کہا :

"پھر کس لئے بلایا تھا آپ نے؟"

جمال نے نہایت برہمی کے ساتھ کہا۔

"بھک منگے تو اپنی حقیقت بھول گیا! تجھے یہ نہیں معلوم کہ تو کیا ہے اور ہم کیا ہیں؟ تو ہمارے ساتھ کھائے گا؟ ہماری برابری کرے گا! ابا جان رحم کھا کر تجھے یہاں لے آئے، انہوں نے تجھے پالا پوسا، لیکن تیری حقیقت کیا ہے تجھ میں اور ان نوکروں میں جو ساتھ کھڑے ہیں فرق کیا ہے؟ تجھے اس لئے بلایا گیا تھا کہ ان مہمانوں کی خدمت کرے، ان کی خاطر داشت میں حصہ لے، جو پانی مانگے اسے پانی دے جسے جس چیز کی ضرورت ہو وہ اس کے سامنے پیش کرے جب یہ لوگ کھا چکیں، تو ان کے ہاتھ دھلائے۔ اور اس کے بعد پھر ان نوکروں کے ساتھ اپنا حصہ تو بھی کھالے گستاخ!"

اب تجھے یہ لباس پہننے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس سے خود بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے!

جمال کے یہ الفاظ سن کر محمود تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا،

جمال کی اس تلخ گفت گو نے محفل پر سناٹا طاری کر دیا تھا، ہر شخص دم بخود تھا۔

آخر کھانا شروع ہوا، ایک عجیب مکدر سی فضا میں لیکن محمود کے جانے کے بعد جلد ہی جمال کا غصہ اتر گیا اور وہ پھر حسب معمول بے تکلفانہ لہجہ میں باتیں کرنے لگا، تکدر جو کچھ تھا وہ جمال کی برہمی کے سبب تھا، وہ جب پھر پیکر نشاط نظر آنے لگا، تو دوسرے بھی ہنس ہنس کر کھانے اور باتیں کرنے لگے۔ محمود سے نہ کسی کو ہمدردی تھی نہ تعلق، کسی کو یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ یہ کون شخص ہے اور قمر الزمان نے اس گھر میں کس طرح پالا پوسا تھا؟

البتہ صفیہ کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا محمود کی جو توہین...... اس بھرے مجمع میں ہوئی تھی، اس کا صدمہ خود محمود کو بھی اتنا ہوا ہوگا۔ جتنا صفیہ کو ہوا تھا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور روتے روتے جل تھل کر دے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جمال کا منہ نوچ لے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس

محفل سے اُٹھے اور سیدھی محمود کے پاس جائے، اس کے آنسو پونچھے، اس کے زخم دل پر مرہم رکھے۔ اس کی دل جوئی کرے، اس کا غم سمیٹ لے۔

لیکن یہ بھی کم از کم اس وقت ممکن نہ تھا۔

زہرہ اور ہما کے درمیان سے اُٹھ جانا یا اپنی خفگی اور برہمی کا اظہار کرنا یا دعوت میں حصہ نہ لینا ایسے دور رس نتائج کا سبب بن سکتا تھا اور وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی تھی۔ کہ اس کی ذات بحث و گفتگو، تعجب اور حیرت یا شک و شبہ کا مرکز بنے!"

یہی سب سوچ کر وہ خاموش رہی، لیکن جو کھانا اس کے سامنے رکھا تھا وہ زہر ہلاہل کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ آج کئی چیزیں اس کے شوق کی پکی تھیں اگر یہ حادثہ نہ پیش آگیا ہوتا یقیناً خوب ڈٹ کر کھاتی لیکن اب تو....

زہرہ بڑی بھولی لڑکی تھی، وہ تو محسوس نہ کر سکی۔ لیکن ہما بھانپ گئی، یہ تو نہیں کہ صفیہ محمود سے محبت کرتی ہے۔ صرف اتنا کہ بھائی کی باتیں بہن کو اچھی نہیں لگیں، اس کے دل میں صفیہ کی قدر و منزلت بھی پیدا ہو گئی کہ یہ لڑکی صرف شریر اور چنچل ہی نہیں ہے۔ نیک اور رحمدل بھی ہے۔ دوسروں کے حالِ زار پر کڑھتی اور افسردہ بھی ہوتی ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"صفیہ تم کھا کیوں نہیں رہیں؟" دیکھو یہ کباب کتنے اچھے ہیں۔ لو چکھو تو سہی — بس ایک!"

یہ کہہ کر اس نے زبردستی کباب کھانے پر مجبور کر دیا، پھر شاہی ٹکڑے کی پلیٹ بڑھاتی ہوئی بولی، "یہ نہیں کھاؤ گی صفو؟"

پلیٹ اپنے سامنے سے ہٹاتی ہوئی وہ بولی، "نہیں مجھے میٹھا اچھا نہیں لگتا ذرا بھی نہیں، بالکل نہیں، تم کھاؤ!"

ہما نے پلیٹ اپنے سامنے سے بھی سرکا دی۔

"تم نہیں کھاتیں تو ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اگرچہ ہمیں میٹھے سے عشق ہے!"

صفیہ پھر مجبور ہو گئی، اس نے بے دلی سے یہ چیز بھی زہر مار کی۔

کھانے کے بعد یہ لوگ پھر ہال میں آگئے، صفیہ کا ارادہ تھا کہ آہستہ سے

کھسک جائے اور محمود کی خبر لے جا کر، لیکن زہرہ اور ہما اس طرح گھیر کر اُسے بیٹھیں جیسے وہ کوئی قیدی تھی، کہیں بھاگ نہ جائے۔ ان لوگوں کو اور خاص کر ہما کو نظر انداز کر کے یہاں سے ہٹ جانا کسی طرح ممکن نہ ہوا۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ خان بہادر صاحب تو ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے لیکن شاکرہ بیگم ہما کی تعریف و توصیف کا سلسلہ شروع کر دیتیں۔ فلاں راجہ صاحب کی بیوی ہما پریوں فریفتہ ہیں، فلاں تعلقدار کی بہن ہما پہ یوں جان دیتی ہیں کیسے کیسے اونچے اور اعلیٰ گھروں سے اس کے لئے پیغام آتے رہتے ہیں۔ مگر مسترد ہو جاتے ہیں —

زہرہ یہ باتیں سنتے سنتے جل گئی۔ اس نے براہ راست ہما سے پوچھا

کیوں ہما بہن کیا واقعی یہ سب کچھ سچ ہے جو تمہاری والدہ صاحبہ کہہ رہی ہیں — اگر سچ ہے تو پھر جمال صاحب کو تم سے ہاتھ دھو لینا چاہیے اس لئے کہ لاکھ دولت مند ہوں، لیکن نہ کسی ریاست کے راجہ ہیں، نہ کسی تعلقہ کے تعلقدار —"

ہما ہنسنے لگی: "تمہیں کیوں اتنی دلچسپی ہے ان باتوں سے — بڑے بوڑھے تو اس طرح کی باتیں کیا ہی کرتے ہیں؟"

بے ساختہ زہرہ کے منہ سے نکلا —

"کیا جھوٹ بولتے ہیں —؟"

ہما مسکراتی ہوئی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"ہاں — کر لو کیا کرتی ہو!"

اتنے میں مجلس برخاست ہو گئی۔ کیونکہ رات کافی آ چکی تھی!

(۶)

رات کے سنّاٹے میں

دعوتِ نشاط بڑی بے لطفی سے ختم ہوئی، جمال کا غصہ اب تک قائم تھا احسان اور زہرہ بھی اس حادثہ سے کم متاثر نہیں تھے۔ جمال کے ہونے والے خسر اور ساس اور بیوی نے بظاہر کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ لیکن محفل کے تکدر میں بہر حال شریک یہ سب ہی تھے۔ محفل برخاست ہونے کے بعد سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ احسان زہرہ کے ساتھ جب نیچے اتر رہا تھا تو دروازہ کے پاس محمود ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر غم، غصہ اور ندامت کے اثرات طاری تھے۔ احسان نے یہ کیفیت بھانپ لی۔ افسوس کے لہجہ میں کہا۔

"محمود صاحب آپ اس قدر الگ تھلگ کیوں رہتے ہیں سب سے؟"

وہ جھلائے ہوئے لہجہ میں بولا "مجھ نامراد اور ناشاد کو بھلا کس محفل میں بار مل سکتا ہے؟ آج میری درگت بنی وہ آپ نے دیکھ ہی لی۔ میرے تو مقدر میں ہی ناکامی و نامرادی لکھی جا چکی ہے!"

احسان نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا گویا ہوا

"نہیں ایسا نہ کہیے۔ اس وقت جمال نہ معلوم کیوں برہم تھا۔ سارا غصہ آپ پر اتار دیا۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس گھر میں آپ کی حیثیت ایک

رکن خاندان کی سی ہے۔ رہا غریب ہونا تو یہ کوئی عیب تو نہیں ہے۔ حالات جس طرح کسی امیر بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح غریب بھی بنا سکتے ہیں۔ نہ غریبی کو قیام حاصل ہے نہ امیری کو ہو سکتا ہے۔ میں بھیک مانگنے لگوں اور آپ سونا چاندی میں تو لنے لگیں۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ لہٰذا غربت سے دل گیر ہونے کی ضرورت نہیں ؟"

ان باتوں سے محمود کا اشتعال اور صدمہ گو کسی حد تک کم ہو گیا، لیکن احسان کے جانے کے بعد بھی وہ بدستور دہیں ٹہلتا رہا، آج کے سانحہ کو بار بار بھلانے کی کوشش کرتا تھا، لیکن وہ تھا کہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا، جمال کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، جو ذلت آج اسے سہنی پڑی تھی۔ وہ رہ رہ کر سوچتا تھا، میرا اس گھر میں کوئی مقام ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو پھر یہ سلوک کیوں ؟ اگر نہیں تو پھر یہاں سے بوریہ بستر باندھ کر الگ ہو جانا چاہیے۔

لیکن میرے پاس تو بوریہ بستر بھی نہیں ہے، جس طرح خالی ہاتھ آیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ واپس جاؤں گا۔

ہاں جاؤں گا، لیکن کہاں ؟ — مجھے کہاں پناہ ملے گی ؟ میں کہاں جا کر ٹھہروں گا ؟ مجھے کون سہارا دے گا ؟ میں اپنی معیشت کس طرح پیدا کروں گا ؟

جتنا جتنا ان امور کے بارے میں سوچتا تھا۔ اتنا ہی اتنا یہ مسئلہ لاینحل ہوتا جاتا تھا۔

زندگی بنانا، زندگی سنوارنا، زندگی کو ایک، خاص سانچہ میں ڈھالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے ؟

اتنے میں اس نے سُنا، صفیہ چمپا سے پوچھ رہی تھی۔

محمود کہاں ہیں ؟

چمپا نے جواب دیا۔

میں کیا جانوں ؟ ہوں گے۔ ادھر اُدھر کہیں،

صفیہ نے پھر سوال کیا۔ کھانا بھی کھایا یا نہیں ؟

وہ بولی۔ ہاں بیٹی کھا چکی، خوب پیٹ بھر کر کھایا آج میں نے تو فرنی اتنی اچھی تھی کہ کیا کہوں؟ اور زردہ، بس مزا آگیا، ایمان کی بات یہ ہے کہ بریانی بھی بڑے مزے کی تھی، قورمہ کی بوٹیاں اچھی طرح نہیں گلی تھیں، لیکن نمک مرچ اس غضب کا تھا۔ کہ میں تو بہت سا شوربہ پی گئی —

صفیہ نے اس طول کلامی سے عاجز آکر کہا، اونہہ توبہ ہے چمپا بوا، تم تو اپنی رام کہانی لے کر بیٹھ گئیں، نہ اقرار کرتیں تب بھی میں سمجھ لیتی کہ خوب سیر ہو کھایا ہوگا تم نے؟ تمہارا تو یہ حال ہے کہ دست آتے رہتے ہیں اور منہ چلتا رہتا ہے میں تو محمود کی پوچھ رہی ہوں — محمود نے بھی کھایا کہ نہیں؟"

اب چمپا کو ہوش آیا کہنے لگی"! محمود کی پوچھ رہی ہو؟ نہیں بیٹی اس نے تو ایک لقمہ نہیں کھایا۔ لیکن ہاں وہ یہاں کھاتا کیوں؟ اسے تو بھیا رجمال، نے اپنے پاس بلایا تھا کیا وہاں نہیں گیا؟ — ویسے ابھی تھوڑی دیر ہوئی جب ادھر آیا تھا۔

میں نے پوچھ تو لیا تھا، لیکن وہ نہیں کہہ کر چلا گیا۔ نہ جانے کہاں —

چمپا کو وہیں چھوڑ کر صفیہ آگے بڑھی، کوٹھی کے آہنی دروازہ کے پاس اسے ایک سایہ سا نظر آیا، وہ محمود تھا اس نے پکارا

" محمود "

جواب کچھ نہیں ملا، وہ چند قدم اور آگے بڑھی اور بالکل سایہ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے پہچان لیا یہ محمود ہی ہے۔ وہ بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی —

" ارے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ غصہ اور صدمہ کے عالم میں بولا کیا ابھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہے؟ کیا پھر جمال نے اپنی بارگاہ میں ذلیل کرنے کے لئے مجھے طلب کیا ہے؟"

صفیہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، جنھیں محمود نہیں دیکھ سکا۔ اس کی آواز بھرا گئی جسے محمود نے سن لیا وہ کہہ رہی تھی۔

"۔ آج جو ذلت تمہاری ہوئی ہے اس نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے

ہیں - یہ تمہاری نہیں میری ذلت ہے جی چاہتا ہے کچھ کھا کر سو رہوں -
محمود نے طنز کرتے ہوئے کہا "یہ جی چاہتا ہے کہ کچھ کھا کر سو رہوں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ اس گھر کو چھوڑ دو -

" صفیہ نے فوراً جواب میں کہا " یہ بھی چاہتا ہے - کیا کہوں کتنا چاہتا ہے

محمود نے پوچھا پھر رکاوٹ کیا ہے ؟ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں ؟ چلو ابھی چلتے ہیں - ابھی چھوڑے دیتے ہیں اس گھر کو - "

صفیہ کچھ سوچتی ہوئی بولی نہیں محمود میں ایسا نہیں کر سکتی اگر میں نے ایسا کیا تو تم پر ظلم کرونگی۔

محمود نے تیکھے لہجہ میں پوچھا "میرے ساتھ چلنا ظلم ہے مجھ پر ؟ اور مجھے ذلتوں کے طومار میں دیکھنا رحم ہے ؟ کیسی باتیں کر رہی ہو صفیہ ؟ "

وہ بولی، اگر تمہارے ساتھ چل کھڑی ہوئی، تو پھر تم برباد ہو جاؤ گے تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے گا - تم دنیا میں کسی کام کے نہ رہو گے میں یہ چاہتی ہوں، محمود تم آدمی بنو، بڑے آدمی، اچھے آدمی، لوگ تمہیں حقیر و ذلیل نہ سمجھیں، تمہاری عزت کریں - تمہارا احترام کریں - تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں تمہارے سامنے ان کے سر جھکیں ،

محمود پہلے کچھ بن لو پھر مجھے لے چلو اپنے ساتھ - ابھی تم اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتے - میرا کیا اٹھاؤ گے ؟ نہیں محمود جذبات کے دھارے میں نہ بہو، حقیقت کی دنیا میں رہو، جب تک تم کچھ بن نہیں جاتے میں تمہاری رہ کر بھی تم دور رہوں گی - سمجھ گئے میرا مطلب ؟ "

محمود نے تلخی کے ساتھ جواب دیا " ہاں بھئی اچھی طرح سمجھ گیا - تم میرا ساتھ نہیں دے سکتیں، رسم وفا کو نباہ سکتیں نہیں - میرے ساتھ نہیں چل سکتیں ، اس گھر کو یہاں کی امارت کو نہیں چھوڑ سکتیں - میرا مطلب سمجھ گئیں صفیہ ؟ —

" آہ محمود مجھے غلط نہ سمجھو، اپنی صفیہ کو غلط نہ سمجھو "

" تم سر سے پاؤں تک غلط ہو تمہیں کوئی صحیح کس طرح سمجھ سکتا ہے ؟ "

صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا، ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھیں آب گوں

ہو گئیں ۔ اس کی آنکھوں سے شبنم کے موتی کی طرح آنسو کے قطرے گرنے لگے لیکن محمود اس کے آنسوؤں کو نہ دیکھ سکا ، اس نے اور زیادہ تلخ اور تند لہجہ میں کہا

" میں نے غلطی کی مجھے تم سے کوئی توقع نہ کرنا چاہیئے تھی ۔ بھلا غریب اور امیر کا میل کیا ۔ ایک امیر زادی ، کسی غریب کو کس طرح اپنا رفیق حیات بنا سکتی ہے ۔ صفیہ تمہارا شکریہ کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں ، مجھے بتایا کہ میں کتنے پانی میں ہوں ! "

صفیہ نے محبت بھرے انداز میں اپنا بازو اس کے شانے پر رکھ دیا اور بولی —

" اس طرح کی دل شکن باتیں کرتے تمہیں افسوس نہیں ہوتا ؟ لیکن تم جو میرا دل توڑتی رہتی ہو ؟ کبھی آج تک تم نے میرے زخم دل پر پھاہا رکھا ؟ کبھی آج تک تم نے میری بات مانی ؟ کبھی آج تک تم نے میری آرزوؤں اور تمناؤں کو شرف پذیرائی بخشا ؟ نہیں صفیہ خالی خولی الفاظ سے کچھ نہیں ہو سکتا ، محبت کی دنیا میں الفاظ کا سکہ نہیں چلتا ، عمل کا سکہ چلتا ہے ، لیکن جو دور اندیش ہے ، محتاط ہے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے وہ ہرگز محبت نہیں کرتا ، جو محبت کے جوش میں سب کچھ کر سکتا ہے ، طوفان سے لڑ سکتا ہے ۔ آگ میں کود سکتا ہے پہاڑ سے ٹکرا سکتا ہے ، وہی محبت کرتا ہے ، اسی کا حق ہے کہ محبت کا دعوے کر سکے ! " محبت اندھی ہوتی ہے ۔ کیا تم نے نہیں سنا ؟ "

سنا ہے ، میری محبت بھی اندھی ہے ، میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں ۔"

" لیکن اپنے اس محل میں رہ کر ، جھونپڑی میں رہ کر نہیں کر سکتیں ۔ چھوڑ دو اس ذکر کو کچھ اور باتیں کرو ! "

(۷)

بس ایک ملازم

" چھوڑو اس ذکر کو کچھ اور باتیں کرو "

محمود کی مدھم سی آواز ابھی فضا میں گونج رہی تھی کہ چمپا کی کوٹھڑی سے جمال کی آواز آنے لگی۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور وہ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی، صاف آواز نہ جمال کی آ رہی تھی۔ نہ چمپا کی، لیکن صفیہ کے لئے اتنا بھی بہت تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا ۔

اب میں جاتی ہوں، صبح پھر ملوں گی ۔

وہ آہستہ آہستہ پاؤں رکھتی اس طرح کہ چاپ تک نہ سنائی دی، واپس چلی گئی، محمود بھی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ اپنی کوٹھڑی میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

اب جمال اور چمپا کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، جمال کہہ رہا تھا ۔

میرا گھر مفت خوروں کے لئے نہیں ہے، یہاں وہی رہ سکتا ہے جو رہنے کا استحقاق رکھتا ہو ۔ محمود میں اور دوسرے نوکروں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ کام کرتے ہیں۔ اسی طرح اسے بھی کرنا پڑے گا "

چمپا نے جواب دیا، بیٹا اب تک اس گھر میں وہ تمہارے بھائی کی طرح

رہتا چلا آیا ہے جب تک خدا مغفرت کرے بیگم صاحبہ اور بڑے صاحب زندہ رہے تم ہی بتاؤ اس میں اور تم میں کیا فرق تھا —

وہ زمانہ گزر گیا اور گزرا ہوا زمانہ واپس نہیں آیا کرتا۔ یہاں اگر اسے رہنا ہے تو اسی طرح رہنا پڑے گا جس طرح دوسرے نوکر رہتے ہیں اسے کام کرنا پڑے گا!

" اچھا تو کیا کام لو گے اس سے؟"

" ہر کام جو ملازموں سے لیا جاتا ہے؟

وہ تو ٹھیک ہے بیٹے لیکن ہر شخص کا کام مقرر بھی تو ہے، میں بیٹی (صفیہ) کی دیکھ بھال کرتی ہوں، امانی خانم بیٹی کو لکھنا پڑھنا اور سینا پرونا سکھاتی ہیں وہ ہے موا کام چور، نمک حرام شفیق، اس کا صرف اتنا کام ہے کہ چھ آدمیوں کا کھانا کھائے بیڑیاں پیتا رہے۔ ادل فول بکتا رہے اور تمہارے جوتوں پر پالش کر دے، نبی بخش کھانا پکاتا ہے اور خدا کو منہ دکھانا ہے جھوٹ کیوں بولوں، مزے کا پکاتا ہے، سواد ہے اس کے ہاتھ میں آج بھی اس نے جو کچھ پکایا کمال ہی کر دیا اس میں، کلو وہ ڈیوڑھی پر بیٹھا اونگھتا رہتا ہے غرض گھر میں جتنے آدمی ہیں، سب کا کوئی نہ کوئی کام مقرر ہے۔ محمود کے لیے بھی کوئی کام مقرر کر دو۔ میں کہہ دوں گی۔ اس سے یہاں رہنا ہے تو کرے گا۔ نہیں تو جدھر منہ اُٹھے گا، چلا جائے گا۔

" فی الحال باغیچہ کی نگرانی اس کے ذمہ رہے گی۔ رامو اور دوسرے مالیوں کے کام جائزہ لیتا رہے اور ان کے کام کی نگرانی کیا کرے۔"

" ہاں بیٹے یہ کام مجھے پسند آیا!"

" لیکن یہ کام تمہیں نہیں کرنا ہے۔"

" اتنا سمجھتی ہوں بیٹا، میں کھرپا، کدال لے کر کہاں جاؤں گی باغیچہ میں مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا کام ہے کہ اس کے کرنے میں محمود اپنی ہتک نہیں محسوس کرے گا، ملازم سہی، لیکن دو چار ملازموں کی سرداری تو کرے گا ---------- .. اس کی طبیعت ہی کچھ اس طرح کی ہے۔"

"کس طرح کی ہے اس کی طبیعت ؟"

"سرداری کی — وہ ذلیل بن کر کام نہیں کر سکتا۔ سردار بن کر کر سکتا ہے جو کام چاہو لے لو !"

"میں ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، تم نے میرا مطلب سمجھ لیا ہے اور یہ اُسے اچھی طرح سمجھا دو ۔"

"سمجھا دوں گی بیٹا، سمجھا دوں گی !"

"اور ایک بات اور بھی کہہ دینا !"

"وہ بھی بتا دو !"

اگر کام میں کوئی خرابی ہوئی پھولوں کے درخت مرجھائے یا پھول نہ لائے کیاریاں پیاسی نظر آئیں۔ یا گملے ٹھیک طرح سے آراستہ نہ ہوئے، تو میں رامو سے یا کسی دوسرے مالی سے بازپرس نہیں کروں گا، نہ اسے سزا دوں گا شامت ان مالیوں کے سردار کی آجائے گی !"

"نہیں ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ دیکھ لینا، اپنے فرض کو کس خوبی سے سرانجام دیتا ہے لڑکا ۔"

جمال چلا گیا، چمپا نے اتنے زور سے جمائی لی کہ محمود نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے آواز کا زیروبم اچھی طرح محسوس کیا، پھر وہ بستر پر لیٹ گیا بڑی دیر تک محمود کروٹیں بدلتا رہا۔ لیکن نیند سولی پر بھی آجاتی ہے آخر سو گیا، صبح کو ابھی وہ خواب خرگوش میں مبتلا تھا کہ کسی نے اسکا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ آنکھ کھول کر دیکھا، تو صفیہ سامنے کھڑی تھی۔ کہنے لگی - میں نے نماز بھی پڑھ لی، تلاوت بھی کر لی، باغیچہ کے دو چکر بھی لگا لیئے اور تم ابھی تک سو رہے ہو ؟"

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا، اس نے کہا یہ آخری بے فکری کی نیند تھی، آج سے تو میں ملازم ہوں اس گھر کا اب تم میری آقا ہو، تم حکم دو گی، میں تعمیل کروں گا، تم ڈانٹو گی میں گردن جھکا دوں گا، تم ذلیل کرو گی۔ میں جواب نہ دے سکوں گا، تم سزا دو گی، میں برداشت کروں گا۔ زمین و آسمان بدل چکے ہیں صفیہ،

" صفیہ نے ان باتوں پر یقین نہیں کیا " تمہاری زبان پر جو کچھ آجاتا ہے بکنے لگتے ہو — ابھی تک کل کا اثر قائم ہے ؟"

محمود نے وہ ساری گفتگو جو چمپا اور رجالی میں ہوئی تھی دوہرادی اور پوچھا ،

" بتاؤ اب کیا کروں ؟"

صفیہ سوچتی رہی پھر بولی ،

" کام کرنا کوئی ذلت ہے مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ، ضرور کرو ، لیکن تنخواہ طے کر لو !"

محمود کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا ۔

" تنخواہ طے کر لوں ؟ باقاعدہ ملازم بن جاؤں یہ ہے تمہارا مطلب ؟"

" وہ بولی " ہاں میرا مطلب یہی ہے تنخواہ طے کر لو ، مجھے جیب خرچ کی جو رقم ملتی ہے ۔ اسے اس میں بڑھا لو ۔ فرض کرو ۔ بھائی جان تمہاری تنخواہ پچاس روپے مقرر کرتے ہیں ، سو روپے میرے جیب خرچ کے ہیں یہ ڈیڑھ سو ہو گا ۔ جو ہر مہینہ تمہاری جیب میں آجایا کریں گے ۔ سال بھر میں دو ہزار کے قریب نقد سرمایہ ہو گا تمہارے پاس —

" تو اس سے کون سے محل کھڑے کر لوں گا ؟"

پھر نوکری چھوڑ دو اور اس پونجی سے کوئی شروع کر دو ، تجارت میں بڑی برکت ہوتی ہے تجارت شروع کر دو اور اس پونجی سے کوئی کام شروع کر دو تجارت میں بڑی برکت ہوتی ہے تجارت شروع کر دو ، یہیں یا کسی دوسرے قصبہ میں یا دوسرے شہر میں ، اگر محنت کرو گے ، کفایت سے زندگی بسر کرو گے تو سال بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاؤ گے —

" ملک التجار بن جاؤں گا !"

ہاں اگر ایمانداری ، محنت اور احتیاط کے ساتھ کام کرو گے ، تو بے شک ایک دن ملک التجار بن جاؤ گے ۔ یہ بڑے بڑے تاجر اور سیٹھ ساہوکار جو نظر آتے ہیں ۔ کیا یہ ماں کے پیٹ سے ایسے پیدا ہوئے تھے ؟ ان کے

حالات کی ٹوہ لگاؤ ۔ تو معلوم ہوگا ، ان میں سے اکثر وہ ہیں ۔ جنھوں نے بہت تھوڑی سی پونجی سے کام شروع کیا تھا ۔ پھر ترقی کی اور کچھ سے کچھ ہوگئے ۔ تم کیوں نہیں کر سکتے ایسا ؟ البتہ محنت کرنی پڑے گی ۔ تنگی ترشی میں بسر کرنا پڑے گی ، پیسے پاس ہوں گے ۔ جیب میں روپے ہوں گے ، لیکن فضول خرچی نہیں ہو گی ۔ کیا میرے لئے بھی تم یہ سب کچھ نہیں کر سکتے ؟ جواب دو محمود آج میں تم سے صاف صاف ، آخری اور دو ٹوک جواب لینا چاہتی ہوں ؟ ——

بولو ۔ بتاؤ !

بات معقول تھی سمجھ میں آگئی ۔ اس نے محبت بھری نظروں سے صفیہ کو دیکھا اور کہنے لگا ۔

پڑھائی وڑھائی کی منزل تو سخت بھی بہت ہے اور دور بھی بہت ہے وہ تو میرے بس کی بات نہیں ، یہ آسان کام ہے اس کے لئے میں تیار ہوں —

صفیہ خوش ہوگئی ۔ اس کے چہرے پر رونق آگئی ، اس نے سوال کیا ۔

" سچ کہتے ہو ؟ "

اعتماد اور یقین کے لہجہ میں اس نے جواب دیا ۔

" ہاں سچ کہتا ہوں ! "

صفیہ نے کچھ شک کچھ بے اطمینانی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ۔

" کیا عہد کرنے کو بھی تیار ہو ؟ "

" عہد کیسا ؟ "

" یہ کہ آج کی بات پوری کرو گے یا مجھ سے ہاتھ دھو لو گے ؟ "

یہ سن کر محمود پر سناٹا سا طاری ہوگیا اور ذرا دیر تک وہ بحر تفکر میں غرق رہا پھر بولا ۔

" ہاں عہد کرتا ہوں ! "

پھر دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا ہو ۔ تمام ذہنی اور فکری اختلافات رفع ہو گئے ہوں اور کامل ہم آہنگی کے ساتھ دونوں نے جادۂ حیات پر رہروی کا فیصلہ کر لیا ہو !

۹

طمانچہ

محمود لاکھ جھنجلایا، بگڑا، تڑپا، اُچھلا کودا، لیکن بڑے سے بڑا منہ زور گھوڑا بھی چابک کی مار کھا کر سیدھا ہو جاتا ہے اور دم دبا کر چپ چاپ ٹمٹم میں، بگھی میں، تانگے میں جت جاتا ہے۔ ساری اکڑ فوں کافور ہو جاتی ہے بالکل یہی کیفیت محمود کی ہوئی، جمال کا برتاؤ بہت کھلا، جس گھر میں برابر کا فرد بن کر رہتا چلا آیا تھا۔ جہاں نوکروں اور ملازموں پر حکومت کرتا رہا تھا۔ جہاں کی ہر چیز پر اسے اتنے ہی تصرف کا حق حاصل تھا جتنا جمال کو، اب وہاں اس کی حیثیت ملازم کی تھی،۔۔۔۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس باقاعدہ تنخواہ ملازم کی تھی۔

صبح شام جمال کی کڑوی کسیلی باتیں بھی سننا پڑتی تھیں۔ حد بندی بھی ہو گئی تھی۔ اب کوٹھی کے حصہ میں اگر جاتا تھا تو دبے پاؤں، دبتا ہوا، رُکتا ہوا جمال کی سرخ اور خشمناک آنکھوں سے بچتا ہوا آیا۔ سر جھکا کر احکام سنے، تھوڑی سی ڈانٹ کھائی اور چلا گیا۔

بارہا جی چاہا کہ لعنت بھیج دوں، اس ملازمت پر، یہاں کے رہنے پر لیکن اس بات پر سوچنا آسان تھا۔ عمل لانا، اتنا ہی مشکل تھا۔ پاؤں میں بھاری بھاری

بیڑیاں پڑی تھیں - انہیں کیسے توڑتا؟ سب سے بڑی بیڑی تو صفیہ کی محبت تھی۔ اس گھر سے رخصت ہونے کے معنی اس سے دستبردار ہو جانے کے تھے جس بت کی پوجا بچپن سے کرتا چلا آیا تھا- اس سے منہ پھیر لینا کچھ آسان تھا اس سے دستبردار ہو جانا ممکن تھا؟ دوسرا بڑا مرحلہ یہ تھا کہ یہاں سے جاتے تو کہاں؟ اب اس کی حیثیت ایک پھڑکتے ہوئے پرندے کی تھی، جو حسرت پرواز رکھنے کے باوجود اُڑنے سے مجبور تھا، یہاں ملازم کی حیثیت اختیار کر لینے کے باوجود جو سہولتیں، آسائشیں اور آسانیاں حاصل تھیں وہ کہیں اور مل سکتی تھیں سہولتیں اور آسائشیں تو درکنار، کہیں اور ملازمت کا ملنا بھی آسانی سے کب ممکن تھا۔

پھر ایک اور بھی بہت بڑی بات حاصل تھی، جمال کا برتاؤ جتنا تند اور تلخ تھا، صفیہ اتنی ہی مہربان تھی۔ وہ ہر زخم کا مرہم بن جاتی وہ ہر تلخی کو مٹھاس میں بدل دیتی تھی وہ ہر رنج اور صدمہ کو ایک تبسم، ایک تکلم سے دور کر دیتی تھی اور اسی تبسم اور تکلم میں اُسے اپنے مستقبل کی شاندار، روشن اور لذت بخش دنیا جھانکتی نظر آتی تھی۔ آخر ایک دن صفیہ کو اس کا بننا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

ایک روز جمال نے اُسے ڈانٹا، وہ چپ چاپ کھڑا ڈانٹ سنتا رہا صفیہ کی یہی ہدایت تھی اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا۔

لیکن آج جمال نہ جانے کس عالم میں تھا کہ اس نے صرف ڈانٹ ڈپٹ پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر ایک طمانچہ بھی جڑ دیا۔

طمانچہ کھا کر محمود تلملا گیا - اس میں اتنا کس بل تھا کہ وہ آسانی سے آج بھی اسے سر سے اونچا اُٹھا کر پٹخ سکتا تھا۔ اس کے سامنے جمال کی حیثیت ایک مشت خاک سے زیادہ نہ تھی وہ دبلا پتلا، منحنی سا آدمی تھا۔ کمزور، ضعیف، نحیف ہفتہ میں دس دن بیمار رہتا تھا، کبھی نزلہ، کبھی زکام، کبھی بخار، کبھی پیچش، کبھی اسہال، کبھی بدہضمی، کوئی نہ کوئی روگ لگا ہی رہتا تھا۔ اس کے برعکس محمود لمبا تڑنگا، مضبوط اور توانا نوجوان تھا، اس کی رگ رگ اور نس نس سے طاقت و قوت اُبل رہی تھی، وہ اس کا ایک طمانچہ کھا کر برگ خزاں رسیدہ کی طرح زمین پر آ رہتا ــــ لیکن ایسا نہ ہو سکا، محمود نے تھپڑ کھا لیا، خود دار نہیں کیا۔ یہ وہی محمود

تھا، جس نے اس گھر میں پہلی مرتبہ قدم رکھنے کے بعد جال کو اٹھا پھینکا تھا لیکن اس زمانہ میں اور اس زمانہ میں فرق تھا، بہت بڑا فرق، اس وقت وہ پھر کاسہ گدائی ہاتھ میں لے کر سڑکوں پر گھوم سکتا تھا، اب ایسا نہیں کر سکتا تھا اس وقت

- - - - - - - - - - - - -

تک وہ لذتِ حیات، آرام، آسائش اور تکلف کی زندگی سے آشنا نہیں ہوا تھا، پھر اپنی پہلی اور اصلی حالت پر عود کر سکتا تھا۔ اب ناممکن تھا اس وقت اسے آوارہ گردی کرتے دیکھ کر بھیک مانگتے یا مزدوری کرتے دیکھ کر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اب؟ اس وقت وہ زمین پر سو سکتا تھا فاقے کر سکتا تھا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن سکتا تھا۔ اینٹ کا تکیہ بنا سکتا تھا۔ کھری چارپائی پر لیٹ سکتا تھا۔ مگر اب یہ چیزیں خارج از بحث تھیں ایک چانٹا کھا کر اگر زندگی کی راحت اور تنعم کو برقرار رکھا جا سکتا ہے تو یہ سودا گراں نہیں، چانٹے کے جواب میں چانٹا مار کر جس زندگی سے دوچار ہونا ہوگا اس کا تصور بھی لرزہ براندام کرنے کے لئے کافی تھا۔

آدمی جب آرام طلب ہو جاتا ہے تو اس میں بے حیائی بھی آجاتی ہے وہ زیادہ محتاط اور دور اندیش ہو جاتا ہے وہ ہر ذلت کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہے۔

یہی کیفیت محمود کی تھی، اس کڑیل نوجوان نے جو سنگی دیوار پر گھونسہ مار دیتا تو وہ لرز جاتی ایک کمزور اور حقیر سے آدمی کا چانٹا کھا لیا اور خاموش رہا ممکن ہے خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہا ہو۔ لیکن بہر حال یہ بہت بڑی ذلت تھی اس نے برداشت کر لی، ذرا کے ذرا وہ کپکپایا۔ جیسے اپنے سوز دروں غیظ نہاں اور جوشِ پنہاں کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کی گردن جھک گئی۔ اور وہ اس طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا جیسے ابھی ذرا دیر پہلے تھا۔

جمال نے ایک مرتبہ پھر اسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

یہ آخری وارننگ ہے اگر تم سیدھے نہ ہوئے، تو مجھے اس سے بھی زیادہ سخت رویہ اختیار کرنا پڑے گا۔ یہ گلاب کے پودے منہ مانگی قیمت دے

کر نہ جانے کہاں کہاں سے میں نے خریدے تھے۔ تمہاری بے پروائی سے سب سوکھ گئے، تم اگر مر جاتے تو مجھے کوئی دکھ نہ ہوتا، لیکن یہ گلاب — یاد رکھو گلاب کا ایک پودا میری نظر میں تمہاری جان سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔

یہ تلخ باتیں بھی محمود نے چپ چاپ سن لیں جمال نے کہا۔
اب یہاں لاٹ کی طرح کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو، یاد رکھو جب بھی باز پرس کروں گا۔ تمہیں سے کروں گا، کسی مالی سے نہیں، سزا بھی تمہیں کو ملے گی۔

محمود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے باہر آیا اور رخانہ باغ کا راؤنڈ کرنے چلا گیا۔

۱۰

زخم اور مرہم

جمال سے رخصت ہو کر محمود خانہ باغ میں آیا اور اسی درخت کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ جہاں ایک روز اس نے غصہ میں آکر غلیل سے صفیہ کو زخمی کر دیا تھا اور اسے لہو لہان کر کے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

تاریخ بھی اپنے آپ کو کس طرح دوہراتی ہے؟

وہ خاموش کھڑا تھا کہ زمین پر گرے ہوئے پتے کسی کے پاؤں کے بوجھ سے چرچرانے لگے۔

محمود نے نظر اٹھا کر دیکھا تو صفیہ سامنے کھڑی تھی! — لیکن نہ تبسم نہ تکلم۔

محمود نے ایک نظر اس کے سراپا پر ڈالی اور کہا۔

"کیا صاحب بہادر نے اب کے تھپڑ مارنے کے لئے بلایا ہے؛ یہی پیام لے کر آئی ہے ؟"

صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند قدم آگے بڑھ کر بالکل اس پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اور غمگین آواز میں بولی۔

بھائی جان کا وہ تھپڑ تمہارے گال پر پڑا تھا اور میرے دل پر گھونسہ بن کر لگا تھا۔ میں کہتی ہوں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اتنے بے غیرت اور

بے حیا ہو گئے ہو تم ؟ "

محمود نے چاہا کہ کچھ بولے، لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم بھائی جان سے لڑ جاتے، اٹھا پٹخ شروع کر دیتے ایسا کرتے تو برا ہوتا، خود تمہارے لئے بھی ایک اشارہ میں گھر کے سارے نوکر جمع ہو جاتے اور مارتے مارتے تمہاری لوتھ اٹھا دیتے ایک آدمی اتنے آدمیوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتا تھا۔ اچھا ہی کیا جو الجھ نہیں پڑے لیکن ـــ

محمود نے زہر خند کرتے ہوئے کہا" لیکن کیا ـــ بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو ؟ کیا زہر کھالوں یا خود کشی کر لوں ؟"

صفیہ نے حقارت کی نظر ڈالی اور بولی۔

"جو لوگ زہر کھاتے اور خود کشی کرتے ہیں وہ بزدل ہوتے ہیں، تم تو بڑے بہادر بنتے ہو، تم تو شیر کا کلہ چیر سکتے ہو، پہاڑ سے ٹکرا سکتے ہو، اب تک تو میں تمہیں بے حیا اور بے غیرت ہی سمجھ رہی تھی۔ اب معلوم ہوا ڈیل ڈول سے کچھ نہیں ہوتا، تم بزدل بھی ہو۔"

محمود کے جیسے کسی نے چابک رسید کر دی، خار کھاتا ہوا بولا۔

"ہاں میں بزدل بھی ہوں، بے غیرت بھی، بے حیا بھی اور نہ جانے کیا کیا کچھ لیکن تمہارے لئے ـــ"

صفیہ کی نظر میں اور زیادہ حقارت ناچنے لگی، اس نے تیکھے لہجہ میں کہا

"باتیں نہ بناؤ، کوئی عورت کسی بزدل اور بے حیا شخص سے محبت نہیں کر سکتی، تم ہی تم میری محبت کو نفرت سے نہ بدل دو۔"

محمود جیسے آپے میں آ گیا۔ کہنے لگا۔ تم اگر میرا ساتھ دو میں پھر بہادر بن جاؤں گا پھر خوددار بن جاؤں گا۔ تمہارا سہارا مجھے سب کچھ بنا دے گا، چلو میرے ساتھ، صفیہ چلو میرے ساتھ !"

وہ ترچھی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی، تمہارے ساتھ چلوں ـ

ایک نکھٹو مرد کے ساتھ ؛ بھائی جان کی طرح بیمار، کمزور اور ناتواں ہوتے تو شاید میں خود کما کر تمہیں کھلاتی، ترس کھاتی تم پر، لیکن کیا تم ترس کے مستحق ہو؟ — نہیں محمود، ہرگز ہرگز نہیں، تمہیں یہ حق نہیں دے سکتی کہ میری زندگی برباد کرو۔ محبت اس لئے نہیں کی جاتی کہ زندگی برباد کی جائے۔ اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ سنوار دی جائے اگر تم اپنی اور میری زندگی

سنوار سکتے ہو تو میرا ہاتھ بڑھا ہوا ہے اسے پکڑو اور لے چلو جہاں چاہو ورنہ جاؤ بھاڑ میں محبت کے نام پر خودکشی کرنے کے لئے میں تو تیار نہیں ہو سکتی۔"

یہ باتیں محمود کے لئے جمال کے طمانچہ سے زیادہ تکلیف دہ اور ناقابل برداشت تھیں ایک دفعہ تو اس کا جی چاہتا، غلیل کے بجائے گھونسہ اٹھائے اور سر پھوڑ دے اس زبان دراز عورت کا بلکہ زبان کھینچ لے اس کی لیکن فوراً ہی یہ جوش فرد ہو گیا۔ اس کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔ اس نے کہا۔

صفیہ تم تو میرے زخم دل پر ہمیشہ مرہم رکھا کرتی تھیں۔ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آج تم، خود زخم لگا رہی ہو۔ ایسا زخم جو شاید زندگی بھر رستا رہے گا لیکن میں کچھ نہیں کہتا۔ اتنی ساری باتوں کے بجائے تم نے بھی کیوں نہ کہہ دیا چلے جاؤ ہمارے گھر سے —

قطع کلام کرتی ہوئی بولی۔

ہاں میں اسی لئے آئی تھی — یہی کہنے —!

محمود نے نظر اُٹھا کر اسے دیکھا اور پوچھا۔

" یہ کہیئے کہ بوریہ بستر اٹھاؤں اور چل دوں جدھر منہ اُٹھے۔"

صفیہ کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ لیکن اس نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

ہاں — اب اس گھر میں رہنا بے غیرتی ہے۔ بد زبانی تک تو خیر لیکن طمانچہ تھپڑ، جانتا، کیا یہ ذلتیں بھی برداشت کر لو گے؟

بے بسی کے ساتھ محمود نے پوچھا، "پھر کیا کروں؟"

صفیہ اور تیکھے انداز میں بولی: " مجھ سے پوچھتے ہو؟ خود فیصلہ نہیں کر

سکتے ؟ اور اگر مجھ سے ہی پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہتے ہو تو میرا جواب یہ ہے کہ آج ہی استعفا دے دو ۔

محمود نے پھر سوال کیا چلو دے دیا استعفا مگر اب کروں گا کیا ؟"

صفیہ تیز نظروں سے گھورتی ہوئی بولی!

کچھ نہیں کر سکتے ؟ یہ توانا اور تندرست آدمی کچھ نہیں کر سکتا سوائے ذلت کی روٹیاں توڑنے کے ؟"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر بولی ۔

" تم نے میری ہر امید توڑ دی، تم نے میرا دل توڑ دیا، تم نے کچھ کر کے نہ دیا۔

محمود نے گویا اقرار جرم کرتے ہوئے کہا " کیا کروں ؟ پڑھنا لکھنا تو اب ناممکن ہے نہ جی لگتا ہے۔ نہ زمانہ ہے۔ ملازمت کہیں ملے گی نہیں، ملی بھی تو وہی ذلت، وہی نوکری ـــ

صفیہ نے سوال " تجارت بھی نہیں کر سکتے ؟ معمولی سی تجارت ؟"

" تجارت ؟ کیوں مذاق کرتی ہو صفیہ، میرے پاس، اس سے تجارت ہو کروں ؟ شاید ڈیڑھ سو روپے ہوں گے، میرے پاس اس سے تجارت ہو سکتی ہے

" پھر کتنے سے ہو سکتی ہے ؟"

" کم از کم ڈیڑھ ہزار تو ہوں جیب میں "

اگر اتنی رقم کا انتظام ہو جائے تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہو ؟"

ہاں ـــ صرف اپنے پاؤں ہی پر کھڑا نہیں ہو سکتا، تمہیں بھی اپنے بازو پر سنبھال سکتا ہوں "

" جھوٹ تو نہیں بولتے ؟"

بہت بولتا ہوں ـــ لیکن تم سے نہیں ـــ !

صفیہ نے ایک پوٹلی اس کی طرف بڑھائی اور بولی ۔

" یہ لو ـــ

محمود نے پوٹلی صفیہ کے ہاتھ سے لے لی، اسے کھولا تو تین ہزار چھ سو

روپے تھے وہ خوش ہو گیا۔

"یہ تم مجھے دے رہی ؟"

صفیہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

ہاں، لیکن پتنگ بازی اور غلیل بازی کے لئے نہیں۔ یہ میری پونجی ہے ہے جو اب تک میں جمع کر سکی ہوں، یہ میری پہلی اور آخری امداد ہے۔ اگر یہ رائگاں ہو گئی تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا اور اگر ––

اور اگر رائگاں نہ گئی ––

تو اس سے ہماری امیدوں اور آرزؤں کا محل تعمیر ہوگا۔

محمود نے نوٹ جیب میں رکھ لئے اور جوشِ جذبات سے بے قابو ہو کر اس کا دستِ نازک ہاتھ میں لیا، اسے چوما اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تم کتنی اچھی ہو صفیہ –– میری خضر ہو، مسیحا ہو، تم –– تم ––

پھر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

(۱۱)

آغاز

جمال نے جس بری طرح محمود کی تذلیل شروع کی تھی۔ اس سے صفیہ بہت ملول اور دل گرفتہ تھی اور جب جمال نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا تو وہ لرز گئی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب محمود اس گھر میں ملازم کی حیثیت سے نہیں رہے گا۔ چنانچہ وہ اس کے پاس پہنچی پہلے اسے غیرت دلائی، اس کی خودداری کو جھنجھوڑا، پھر اپنی ساری پونجی اس کے قدموں میں ڈال دی، یہ رقم دے کر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے دل کا بوجھ اتر گیا۔ واپس آئی تو بہت جلد گہری نیند سو گئی۔

صبح اٹھی اور حسب معمول ناشتہ کی میز پر جا بیٹھی، دونوں بھائی بہن ناشتہ ساتھ ساتھ کیا کرتے تھے۔

ناشتہ کرتے ہیں نہ جانے کس ضرورت سے جمال نے ملازم سے جو سامنے کھڑا تھا کہا۔

جاؤ ذرا محمود کو بلا لاؤ۔ فوراً!

وہ گیا اور جلد واپس آ گیا، اس نے اطلاع دی۔

"وہ تو اپنے کمرہ میں نہیں ہیں؟ باغیچہ میں بھی نہیں ہیں نہ جانے صبح صبح کہاں چلے گئے۔"

جمال کو غصہ آگیا، اس نے کڑک کر اور گرج کر کہا۔

"جا کہاں سکتا ہے، دیکھو کہیں اِدھر اُدھر ہوگا۔"

ملازم پھر اس کی کھوج میں چلا گیا، صفیہ نے جواب تک خاموش بیٹھی تھی کہا۔

"محمود نے نوکری چھوڑ دی ہے!"

یہ سن کر جمال کا پارہ اور چڑھ گیا۔

"نوکری چھوڑ دی ہے؟"

وہ بولی۔ "جی ہاں، وہ خود کوئی کام کرنا چاہتا ہے، میں نے بھی اس رائے کی تائید کی۔"

جمال نے اور زیادہ برہم ہو کر کہا۔

"خود کیا کام کرے گا؟ کیا کر سکتا ہے وہ؟"

جو چاہے کر سکتا ہے۔ مزدوری کر سکتا ہے، ڈلیا ڈھو سکتا ہے کہیں نوکری کر سکتا ہے، کوئی چھوٹی موٹی تجارت کر سکتا ہے۔"

"طنز کا وار کرتا ہوا جمال بولا۔ میں سمجھ گیا، یہ تمہاری حرکت ہے۔ تم ہی نے اسے یہ پٹی پڑھائی ہے!"

وہ سادگی اور سنجیدگی سے بولی، "ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔ لیکن یہ کوئی جرم تو نہیں ہے، کوئی شخص اگر اپنی قسمت بنانا چاہتا ہے۔ اپنی زندگی سنوارنا چاہتا ہے۔ ترقی کرنا چاہتا ہے۔ تو ہم کیوں اس کے راستے کا پتھر بنیں!"

ہمیں کیا ضرورت ہے پتھر بننے کی۔ چلو اچھا ہوا، جنجال کٹا؟" لیکن کیا کام شروع کیا ہے اس نے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی، آئے گا تو پوچھ لوں گی!"

"آئے گا تو پوچھ لوں گی!۔۔ کیا وہ پھر آئے گا؟ کیوں آئے گا؟ اب اسے یہاں آنے جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے آپ کی ملازمت ترک کی ہے۔ گھر نہیں چھوڑ دیا، جہاں رہتا ہے

وہیں رہے گا ۔ البتہ نہ ملازمت کرے گا نہ یہاں کا کھانا کھائے گا۔"

"لیکن یہاں رہنے کی اجازت کس نے دی ہے ۔"

"میں نے ؟"

"کیا حق تھا تمہیں اجازت دینے کا ؟"

اس لئے یہ گھر آپ کے اور میرے باپ کا ہے !"

جمال غصہ سے کانپنے لگا ۔

"معلوم ہوتا ہے ، تم اب تک راہ راست پر نہیں آئیں ، لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو ، وہ شوق سے یہاں رہے ، شوق سے تجارت کرے تجارت کرتے کرتے ، ملک التجار بن جائے ، لیکن کبھی اور کسی قیمت پر وہ نہیں ہو سکتا ، جو اس نے سوچ رکھا ہے جو تمہارے ذہن میں ہے !"

صفیہ نے ذرا بھی برہمی کا اظہار کئے بغیر کہا ۔

غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ۔ مستقبل کا حال صرف وہی جانتا ہے ، کل کیا ہوگا ؟ یہ کل ہی کو معلوم ہوگا ، آج اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے !

جمال برہمی کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا ، ٹہلنے لگا ، کبھی کبھی ایک نظر صفیہ پر ڈال لیتا ۔ اور پھر ٹہلنے لگتا ، ذرا دیر بعد وہ اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا ۔ اس نے کہا ۔

ہاں یہ گھر جس طرح میرا ہے اسی طرح تمہارا بھی ہے ، اس لئے کہ اس کا مالک وہ شخص تھا ۔ جو میرا بھی باپ تھا اور تمہارا بھی ، تم نے اگر اسے یہاں رہنے کی اجازت دے دی ہے تو فی الحال میں کوئی اعتراض نہیں کرتا ۔ لیکن اس گھر کا سربراہ میں ہوں ، اس گھر کے ننگ و ناموس کی حفاظت میرے ذمہ ہے میں کوئی ایسی بات گوارا نہیں کر سکتا جس سے خاندان رسوا ہو ۔ جس سے ہمارا نیک نام خاندان بدنام ہو ۔"

صفیہ نے پُرعزم لہجہ میں کہا اور ذمہ داری بھی مشترک ہے ۔ میں بھی اس خاندان کو بدنام ہوتا نہیں دیکھ سکتی ، میں کوئی ایسی حرکت نہیں

کر سکتی، جس سے میرے نیک نام اسلاف پر حرف آئے، جس سے مجھ پر میرے خاندان پر انگلیاں اٹھیں، آپ مجھے بچہ کیوں سمجھتے ہیں؟ میں جانتی ہوں کہ میں کیا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے مجھے اسکی ذرا پروا نہیں ہے کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں یا نہیں، میرے لئے یہ اطمینان کافی ہے کہ خود مجھے اپنے اوپر اعتماد ہے!"

یہ باتیں سن کر جمال کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ ٹہلتے ٹہلتے رکا، پھر آکر بالکل اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے تو کیوں تمہاری شفقتوں اور عنایتوں کا ڈونگرا اس بے نشان شخص پر لگاتار برستا رہتا ہے۔؟"

وہ بولی میں اُس سے انکار نہیں کرتی، صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں جواب یہ کہ یہ جُرم سب سے پہلے میرے مرحوم باپ سے جن سے مجھے عقیدت تھی اور پھر میری ماں سے جن سے مجھے بے پناہ محبت تھی سرزد ہوا تھا اگر آپنے اُن پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ تو مجھ پر کیوں کرتے ہیں؟ کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، کسی بے سہارا شخص کو سہارا دینا کوئی برائی تو نہیں ہے؟ یا ہے"

جمال کچھ لاجواب سا ہو گیا۔ میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتا۔

اور پھر وہ خاموشی کے ساتھ لیکن برہمی کے عالم میں باہر چلا گیا۔

۱۲

نقّاش

صفیہ کا معمول تھا کہ شام کو خانہ باغ میں چہل قدمی کیا کرتی تھی آج بھی وہ ٹہل رہی تھی کہ ایک آدمی اسے اپنی طرف بڑھتا نظر آیا۔

یہ احسان تھا۔

چند قدم آگے بڑھ کر صفیہ اس سے ملی، دونوں نے گرمجوشی کے ساتھ ملایا احسان نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکالا اور اسے سلگاتے ہوئے کہا۔

"جمال صاحب سے ملنے آیا تھا، معلوم ہوا، کہیں باہر گئے ہیں، لیکن جلد ہی آنے والے ہیں معلوم نہیں کیوں انہوں نے بلایا تھا۔ سوچا وہ نہیں ہیں تو ذرا آپ سے نیاز حاصل کر لوں!"

صفیہ مسکرانے لگی، باتیں کرتی ہوئی خانہ باغ سے باہر نکل آئی اور پھاٹک کے قریب کھڑی ہو کر احسان سے باتیں کرنے لگی۔ یہاں سے باہر کا نظارہ بڑا سہانا اور دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"بھائی جان نے جب آپ کو بلایا ہے تو ضرور آئیں گے۔ آئیے چلئے ڈرائینگ روم میں بیٹھئے چل کر؟"

دونوں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے، پھر صفیہ نے چائے کا حکم دیا ذرا دیر میں چائے آ گئی۔ احسان نے پیسٹری کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا

یہ تو بتایئے مس صفیہ آخر آپ کا وقت کس طرح کٹتا ہے؟

وہ بولی "کٹ جاتا ہے کتابیں پڑھتی ہوں۔ رسالوں کا مطالعہ کرتی ہوں خانہ باغ کی سیر کرتی ہوں۔ میری ٹیوٹر ہیں امانی خانم، ان کی دلچسپ باتیں سنتی رہتی ہوں، طلسم ہوشربا اور فسانہ آزاد تو انہیں زبانی یاد ہیں۔ چھیا ہے میری کھلائی۔ اس کی باتیں سنتی رہتی ہوں، کہنے کو جاہل ہے لیکن ایسی دور کی کوڑی لاتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے، کچھ تھوڑا بہت سینے پرونے کا شوق بھی ہے کبھی بھائی جان کا سویٹر بنتی ہوں، کبھی اپنی جرابیں، اپنے سارے کپڑے بھی خود سیتی ہوں، ان کاموں میں اتنی مصروف رہتی ہوں کہ بعض وقت تو ایسا بھی محسوس ہوتا جیسے دن کچھ چھوٹا ہو گیا ہے۔

احسان نے ایک قہقہہ لگایا۔

خوب آپ نے بڑا اچھا پروگرام سیٹ کر رکھا ہے! پھر تو طبیعت گھبرانے کا یا تنہائی محسوس کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ورنہ میرا خیال تھا کہ زہرہ آپ کے پاس آجایا کرتی، کبھی آپ ہمارے غریب خانہ تک زحمت کر لیا کرتیں۔

اشتیاق اور ولولہ کے ساتھ، صفیہ نے کہا۔

یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے مجھے زہرہ بہت پسند ہے، وہ آئے گی تو میں سر آنکھوں پر بٹھاؤں گی اُسے اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں شوق سے آیا کروں گی۔"

احسان نے ذرا چھیڑتے ہوئے کہا۔

"اگر بھول نہ گئیں!"

"صفیہ بولی، واہ بھولوں گی کیوں؟ بھلا مطلب کی باتیں بھی کوئی بھولا کرتا ہے؟"

احسان نے یاد دلایا۔

اسی طرح کا جواب مجھے یاد پڑتا ہے، آپ نے اس روز بھی دیا تھا جس روز مس ہمایہاں تشریف لائی تھیں۔

" صفیہ ہنسنے لگی " اچھا زیادہ شرمندہ نہ کیجئے اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس طرح دوں گی کہ کل خود آنے میں پہل کروں گی۔ امید ہے پھر آپ کو کبھی شکایت نہیں ہوگی۔"

احسان خوش ہوگیا، اس نے کہا۔

"ہم دونوں بڑی خوشی سے آپ کا استقبال کریں گے۔ یہ بھی بتا دیجئے کس وقت آیئے گا!"

وہ بولی کسی وقت بھی آجاؤں گی۔ دن اپنا ہے۔ ویسے سہ پہر کا وقت ٹھیک رہے گا۔

احسان نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ تائید کی۔

ہاں ٹھیک ہے ہم دونوں انتظار کریں گے آپ کا۔

کافی دیر تک دونوں میں اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں، گفتگو کے دوران میں یکایک احسان گویا ہوا۔

یہ تو بتایئے فوٹو سے دلچسپی ہے آپ کو ؟"

" وہ کہنے لگی کیوں نہیں! بہت زیادہ ہے کیا آپ کو تصویر کھینچنا آتی ہے ؟

احسان ہنسنے لگا۔ بولا "کیمرہ سے جو تصویر کھینچی جاتی ہے۔ وہ تو ناقص ہوتی ہے، میں اُسے پسند نہیں کرتا، تصویر وہ ہے جو پنسل سے کھینچی جائے وہ بھی منٹوں میں!"

حیرت سے صفیہ نے احسان کی طرف دیکھا، پھر پوچھا۔

کیا آپ پنسل سے تصویر بنا لیتے ہیں۔

احسان نے اقرار میں گردن ہلائی " جی ہاں بہت اچھی طرح!"

صفیہ کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

" سچ — واقعی ؟"

" احسان ہنسنے لگا " آپ یقین کیوں نہیں کرتیں! کیا ثبوت دوں!"

صفیہ نے بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

" کیا آپ میری تصویر بنائیں گے ؟"

" ہاں، ہاں — کیا رائے ہے بناؤں ؟"

" (اشتیاق کے ساتھ) ہاں — لیکن اگر نہ بنی، بالکل میری جیسی نہ بنی تو ؟"

" نہ کیسے بنے گی ؟" نہ بنی تو پنسل توڑ کر پھینک دوں گا، ہمیشہ کے لئے (ہنستے ہوئے) پنسل بے چاری اپنی جان سے جائے گی، آپ کا کیا بگڑے گا، سزا اس ناکردہ گناہ کو دینے سے کیا حاصل ؟"

" اچھا صاحب اپنی انگلیاں کاٹ لوں گا - اب تو ہوئیں آپ خوش — اچھا لائیے پنسل کاغذ "

وہ خوشی خوشی اُٹھی اور جلدی سے پنسل کاغذ لے کر آگئی احسان نے اُسے سامنے کی کرسی پر اپنے عین مدمقابل بیٹھنے کے لئے کہا - اور پھر نقش بنانے لگا اس کی انگلیاں تیزی سے چل رہی تھیں اور واقعی چند منٹ میں اس نے تصویر بنا کر سامنے رکھ دی، صفیہ نے ایسی بے تابی سے جیسے گوشت پر جھپٹا مارتی ہے تصویر اپنی مٹھی میں داب لی اور بڑے غور سے اسے دیکھنے لگی - دیکھتی رہی، جیسے کھو گئی - اس تصویر کے نقوش میں تیکھے اور مدھم نقوش احسان کچھ دیر تک یہ کیفیت لطف اور دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا پھر گویا ہوا -

" کہئے کیسی رہی، کچھ تو بتائیے تو سہی، داد نہ دیجئے تو بیداد ہی سہی -"

صفیہ چونک پڑی، تصویر مٹھی میں لیتے لیتے برق پاش نگاہوں سے احسان کو دیکھنے لگی، وہ ان نظروں کی تاب نہ لا سکا، خوشی کے نشہ میں سرشار ہوتی ہوئی کہنے لگی -

" بڑی اچھی ہے — سچ — !"

احسان نے ہنستے ہوئے اور انکسار کرتے ہوئے کہا -

آپ میری حوصلہ افزائی کر رہی ہیں، بہر حال میں شکر گزار ہوں "

صفیہ نے اس انکسار کی تردید کرتے ہوئے کہا - واقعی احسان صاحب کمال کر دیا ہے -

آپ نے اتنی اچھی تصویر، اتنی ذرا سی دیر میں! آپ تو بڑے باکمال آرٹسٹ اور نقاش معلوم ہوتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کن الفاظ میں داد دوں آپ کو —"

"آپ نے میرے بنائے ہوئے بہترین — — — — — — نقوش پسند کر لئے یہ بہت بڑی داد ہے۔ یہ پنسل کچھ ٹھیک نہیں ہے جیسا اس کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کل آپ غریب خانہ پر آ رہی ہیں — آ رہی ہیں نا؟"

"جی ہاں کیوں نہیں آؤں گی۔ وعدہ جو کر رہی ہوں!"

"وہاں تصویر بناؤں گا۔ اسے دیکھ کر نہ پھڑک اٹھیں جب کی بات!"

البم بھی تو ہوگا آپ کے پاس آپ کی تصویروں کا بنایا ہوا؟

"جی ہاں ہے!"

بہت سی تصویریں ہوں گی" اس میں؟

"بہت زیادہ، اچھی بری، معمولی، عمدہ، سب طرح کی!"

"وہ بھی دکھائیے گا!" نہ جانے کیا بات ہے بڑی دلچسپی ہے مجھے تصویروں سے۔"

ضرور دیکھئے گا شوق سے (گھڑی دیکھتے ہوئے)، جمال صاحب اب تک نہیں آئے، کافی دیر ہو گئی ہے:

"ایسی کون سی دیر ہو گئی ہے، بیٹھئے کھانا کر جائیے گا۔"

"شکریہ، کھانا تو نہیں کھا سکوں گا —"

"پھر ہم بھی کل آپ کے ہاں کچھ نہیں کھائیں پیئیں گے۔

(ہنستے ہوئے)، کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے، یہ کیوں؟ کس جرم میں؟"

"آپ جو ہمارے ہاں کھانے سے انکار کر رہے!"

انکار کر رہا ہوں۔ ابھی کتنی ڈبیں چائے پی چکا ہوں۔ پیسٹری کھا چکا ہوں، میں تو دل ہی دل میں شرما رہا تھا کہ آپ کہتی ہوں گی۔ کتنا پیٹو آدمی ہے یہ شخص!"

"واہ اچھی کہی یہ بھی۔ ہماری چائے ویسے ہی واپس آگئی۔ پیسٹری کا ایک دانہ بھی پورا نہیں چکھا۔"

"اچھا سمجھوتہ کر لیجئے۔ اب اگلی جب آؤں گا۔ تو ضرور کھا کر جاؤں گا۔ لیکن اس وقت بلنے کیسے آیا ہوں۔ زہرہ انتظار کر رہی ہوگی اور انتظار میں بھوکی بیٹھی رہے گی!"

"بڑی محبت ہے اسے آپ سے؟"

"بہت زیادہ لیکن مس صفیہ بڑی ہٹیلی اور ضدی لڑکی ہے جب تک، آدمیت کے لباس میں ہے اس سے بڑھ کر نیک، سعادت مند امودب اور باتمیز کوئی نہیں ہے۔ لیکن جہاں ضد چڑھی کسی بات پر اڑی پھر وہ کسی کی نہیں سنتی، بس یہ عیب نہ ہو۔ تو بڑی اچھی اور پیاری لڑکی ہے"

"لیکن آپ ضد دلاتے کیوں ہیں؟"

"میں تو حتی الامکان اس کی کوئی بات رد کرتا، لیکن گھر میں دوبرتن ہوتے ہیں کھڑک ہی جاتے ہیں کبھی کبھی کسی بات پر اُلجھ ہی جاتا ہوں۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے میری اور زہرہ کی خوب بنے گی!"

امید تو یہی ہے اور ایسا ہو گا۔ تو مجھے خوشی بھی بہت ہو گی۔ لیکن یہ اندازہ کیسے کر لیا آپ نے؟"

(مسکراتے ہوئے) ضدی تو میں بھی ہوں!"

"(کرسی سے اچھل کر) آپ بھی ضدی ہیں؟"

"جی ہاں، بہت زیادہ، بھائی جان سے میری بھی خوب چلتی رہتی ہے مجھے بس اس سے ضد ہے کہ مجھے کوئی حکم دے، میری رہنمائی کرے مجھے ٹوکے۔ یہ برداشت کرنا ناممکن ہے میرے لئے، کسی قیمت پر بھی میں ہتھیار نہیں ڈال سکتی؟"

"واقعی پھر تو آپ کی اور زہرہ کی خوب بنے گی، بالکل یہی افتادِ مزاج اس کی ہے۔"

احسان اُٹھ کھڑا ہوا، صفیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ دونوں ساتھ ساتھ آتے

صفیہ اس کی مشایعت کرتی ہوئی نیچے پھاٹک تک آئی۔ منظر کے حسن اور دلفریبی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پھاٹک، کے قریب آ کر صفیہ ٹھہر گئی۔ احسان بھی کھڑا ہو گیا۔

"اچھا مس صفیہ اب اجازت دیجئے۔ دیکھئے کل کا آنا نہ بھولئے گا!"

احسان چلا گیا، وہ جا رہا تھا کہ محمود آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے احسان کو جاتے ہوئے اور صفیہ کو وہاں کھڑے ہوئے دیکھ لیا۔ صفیہ خوشی خوشی اس کی طرف بڑھی اس نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

صفیہ نے کہا "احسان صاحب کو رخصت کرنے!"

صفیہ کے ہاتھ میں احسان کی بنائی ہوئی تصویر تھی۔ اسے دیکھ کر پوچھا

"یہ کیا ہے؟"

صفیہ نے مسکراتے ہوئے تصویر اس کی طرف بڑھا دی۔

"تصویر — احسان نے بنائی ہے!"

محمود نے تصویر پھاڑ کر پھینک دی۔

(۱۴)

نئی محفل

دوسرے دن حسبِ وعدہ احسان کے ہاں پہنچی تو دونوں بھائی بہن احسان اور زہرہ کو اپنے انتظار میں چشم براہ پایا۔ ایسے تپاک، ایسی گرمجوشی اور ایسے چاؤ سے دونوں ملے جیسے گدا کے گھر بادشاہ آگیا۔ بعض وقت تو اس حد سے بڑھی تواضع اور فروتنی سے صفیہ کچھ شرم سی محسوس کرنے لگتی تھی زہرہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا: "تم آگئیں صفیہ؟ سچ مجھے تو امید نہیں تھی کہ آؤ گی!"

صفیہ نے شکایت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا، "یہ کیوں جناب؟ میں کب جھوٹ بولی ہوں آپ سے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے، میری بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔"

زہرہ چھیڑتی ہوئی بولی۔ "تمہارے آجانے سے اب تو ہمیں بھی یقین آ چلا ہے، اچھا بھائی شکریہ، بہت بہت شکریہ۔"

صفیہ نے پوچھا، "مجھے کب موقع دو گی شکریہ ادا کرنے کا؟ یعنی میرا غریب خانہ تمہارے چاند سے مکھڑے سے کب روشن اور تاباں نظر آنے کا"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی: "ہوں بھی جہاں آفتاب چمک رہا ہو، وہاں

چاندنی پوچھ کیا ہو گی ؛ میری ٹمٹماتی ہوئی روشنی اگر نظر آسکتی ہے تو یہیں - دیسے جب حکم ہو سر کے بل آجاؤں گی !"

صفیہ زہرہ کی باتیں سن رہی تھی مگر اس کی نظر احسان پر تھی اور دل ہی دل میں اس کی کم گوئی پر حیران ہو رہی تھی وہ سوچ رہی تھی اتنے کتنے . شر رنگ لیساتھ اپنے یہاں بلایا تھا - اب آگئی تو یوں گم سم بیٹھا ہے جیسے بیچارہ بولنا جانتا ہی نہیں - آخر ضبط نہ کر سکی ، کہنے لگی -

" احسان صاحب آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں ؟"

وہ چونک پڑا نہ جانے کس خیال میں تھا اب تک ، عالم خیال سے عالم ہوش میں آتا ہوا بولا :" آپ کی باتیں سن رہا ہوں اور جب آپ چلی جائیں گی تو زہرہ کو ڈانٹوں گا خوب سا -

صفیہ نے حیرت سے ایک نظر ڈالی اور پوچھا -

میرے چلے جانے کے بعد آپ زہرہ کو ڈانٹیں ، لیکن کیوں ؟"

اس نے جواب دیا " یہ آپ کی طرح باتیں کرنا کیوں نہیں سیکھ لیتی ؟"

وہ ہنس پڑی - واہ اچھی خطا ہے جس پر آپ ہماری پیاری زہرہ کو ڈانٹیں گے - اور میں بھی کون سی ایسی باتیں کرنا جانتی ہوں ؛ اور پھر یہ کوئی فن تھوڑے ہی ہے کہ سیکھ لیا جائے !" اگر آپ نے زہرہ کو کچھ کہا تو پھر آئندہ دعائیں مانگا کرے گی - کہ کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھوں - کیوں زہرہ ؟"

زہرہ نے جواب دیا " توبہ کرو ، اگر آنے کا سلسلہ جاری رکھو تو ڈانٹ کیا چیز ہے - مار بھی کھانے کو تیار ہوں - تم کیا جانوں ہمارے دل میں تمہاری کتنی جگہ ہے ؟"

صفیہ بولی :" ہاں اسی وقت جب تک دور کی صاحب سلامت ہے

" دور کی صاحب سلامت تک کیوں ؟"

پھر انسان اپنی قدر کھو دیتا ہے - روز روز آنے کی تو سید سے مرات کبھی نہیں کرو گی ، مثل مشہور ہے زیادہ مٹھاس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں -

وہ نزطے سے بولی، لیکن وہ بھی بیٹھے ہونٹے ہوں گے ؟"

" سعیدہ پھر ہنسنے لگی اور احسان سے مخاطب ہوئی " پھر آپ کہتے ہیں اسے بولنا نہیں آتا۔ یہ تو بلبل کی طرح چہکتی ہے "

احسان نے جواب دیا " شاید یہ آپ کے قدموں کی برکت سے ورنہ آج سے پہلے تو میں نے اُسے چہکتے دیکھا نہیں تھا "

زہرہ نے پوچھا " تو میرا یہ چہکنا نہیں پسند آیا ؟"

وہ بولی " ہاں بہت زیادہ "

وہ کہنے لگی " تو پھر روز آجایا کرو، تمہارے صدقے میں ہم چہک لیا کریں گی۔ بھائی جان کو بھی کوئی شکایت نہ رہے گی۔ اور تمہارا بھی جی بہل جایا کرے گا!"

" آیا کرو گی نا!"

وہ ہنسنے لگی " واہ بھئی بڑی تیز ہو تم۔ میرا تو بولنا تنگ کر دیا تم نے کس کی مجال ہے جو منہ آ سکے "

" وہ مسکراتی ہوئی بولی " ہاں کوئی میرے منہ نہیں آ سکتا، ذرّہ کی جب قسمت بدلتی ہے تو اسی طرح "

صفیہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا " اب معاف کرو زہرہ بہت ہو گیا ہے اب تم سے بیت بازی کرنے کی سکت نہیں رہی مجھ میں۔ میں ہار گئی، تم جیت گئیں "

پھر احسان کی طرف رُخ کرتی ہوئی بولی۔ اور آپ کا وہ البم کیا اس کا اشتیاق ہی لے کر جاؤں گی "

احسان نے جوش اور ولولہ کے ساتھ کہا " واہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے آیئے ایک نہیں دس البم دیکھئے۔"

زہرہ نے بھائی کو ٹوکا " بھائی جان پہلے چائے پی لیں پھر!"

وہ اٹھتے اُٹھتے بیٹھ گیا " اچھا بھائی لاؤ تمہاری چائے بھی چکھ لیں۔ لیکن خالی چائے کچھ اور نہیں "

وہ میزبان کی طرح بولی "کیوں تمہیں بہت کچھ ہے، انڈے موٹے مرغ، آلو کی ہوائیاں، گلگلے، پکوڑے اور آپ کی مرغوب چیز — گاجر کا حلوہ لیکن یہاں نہیں آیئے ڈرائینگ روم میں چلیے۔"

صفیہ مچل گئی۔ "نا بھائی، ہم تو یہاں سے ملنے والے نہیں، یہیں لان پر بیٹھیں گے۔

چائے کے لئے اتنی اچھی جگہ چھوڑ کر بند کمرہ میں کون بیٹھے گا جا کر"

احسان نے کرسی سے ٹیک لگا لی، "ہاں بھئی زہرہ یہیں ٹھیک ہے شاباش تم تو بہت اچھی لڑکی ہو۔"

ذرا دیر میں چائے کا سامان یہیں لان پر آ گیا۔ سب نے خوب ڈٹ کر چائے پی اور خوب کس کے زہرہ کی پکائی ہوئی چیزیں کھائیں، گاجر کا حلوہ صفیہ کو بہت پسند آیا۔ کہنے لگی۔"

"تمہارے ہاتھ میں غضب کی لذت ہے، میں نے بھی یہ چیز بارہا پکائی ہے اور ہماری امانی خانم کو تو دعویٰ ہے کہ حلوہ سازی کا فن ان سے بہتر دنیا میں کوئی نہیں جانتا اور خاص طور پر گاجر کے حلوے کا تو اپنے تئیں اسپیشلسٹ سمجھتی ہیں۔ وہ بھی اگر چکھ لیں تو ایک دفعہ انگلی ضرور چاٹ لیں گی!"

دل ہی دل خوش ہوتے ہوئے زہرہ بولی۔ "اچھا زیادہ نہ بناؤ۔ ورنہ پھر میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگوں گی۔"

صفیہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "سمجھنے لگو گی؟ ہو نہیں؟" بڑی سادگی سے گویا ہوئی "ہوتی تو بھائی جان ڈانٹا کیوں کرتے؟"

صفیہ ہنسنے لگی "بڑی شریر ہو، نہ مجھے معاف کرتی ہو نہ احسان صاحب کو چھوڑتی ہو، تمہارے طنز کے تیر کب تک چلتے رہیں گے!"

وہ بولی "طنز کے تیر گاجر کا حلوہ تو نہیں ہیں کہ شوق سے کھا لو گی — اچھا بھئی! چپ ہوئے جاتے ہیں!"

صفیہ نے جمائی لیتے اور گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "نو بجر

بھی چلتے ہیں۔ خاصی دیر ہوگئی۔۔ ۶ بج گئے!"

احسان پر جیسے اوس سی پڑگئی ساری امیدیں دھری کی دھری رہ گئیں، بے بسی کے ساتھ گویا ہوا۔ کیا ابھی سے؟"

"وہ بولی اتنی دیر ہوگئی اب جانا چاہیئے مجھے"۔

احسان نے آخری سہارا لیا "لیکن البم تو رہ گئی۔

صفیہ نے آمادگی اور اشتیاق کے ساتھ کہا" اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی زہرہ نے اپنی باتوں کے جال میں ایسا پھنسایا کہ بس کام سے ائی تھی۔ وہی رہ گیا۔ تو کہاں ہے آپ کا وہ البم!"

" آیئے ۔۔ زہرہ تم انہیں لے کر آؤ"

احسان جلدی جلدی اپنے اسٹڈی روم میں پہنچا وہ تمام مرقعے اور تصویریں جن پر اسے ناز تھا اور جو اس نے بڑی محبت سے بنائی تھیں جلدی جلدی الگ کیں، پھر وہ البم الماری سے نکالا جس میں اس کی بیاض کے نادر نمونے چپکے ہوئے تھے اتنے میں زہرہ صفیہ کو لے کر آ گئی وہ کہہ رہی تھی۔ ہمارے بھائی جان چٹکی بجاتے ہی ایسی تصویر کھینچ لیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے اب بولا ہی چاہتی ہے"

"صفیہ نے کہا۔ ہاں جانتی ہوں کل بیٹھے بیٹھے ایک تصویر بنا کر پھینک دی میرے سامنے"

" زہرہ نے پوچھا "سچ کہنا کیسی تھی؟"

صفیہ نے جواب دیا" اگر میری نہ ہوتی تو بڑی اچھی تھی!"

زہرہ ہنسنے لگی، آہا گویا آپ بہت بری ہیں!"

" اور کیا اچھی ہوں؟"

" اچھی! لاکھوں میں ایک"

" ہاں ۔۔ بدصورتی میں!"

" ایسی باتیں کروگی تو لڑائی ہو جائے گی!"

" اچھا تو پھر ہم باتیں ہی نہیں کرتے!"

اتنے میں احسان اپنے بنائے ہوئے بہت سے نقوش، مرقعے اور تصاویر لے کر آگیا "لیجئے ملاحظہ کیجئے۔ مس صفیہ!"

صفیہ ایک ایک کر کے ان تصویروں اور خاکوں کو تحسین وستائش کی نظروں سے دیکھنے لگی؛ ایک تصویر تو دیکھ کر پھڑک اٹھی۔

"یہ بھی آپ کے موقلم کا کرشمہ ہے؟"

احسان کچھ شرما سا گیا۔ "جی ہاں میری ہی ایک ناتمام کوشش ہے!"

وہ خوش ہو کر بولی: "آپ تو بڑے باکمال آرٹسٹ ہیں۔ ایک طرف اتنے بڑے زمیندار، دوسری طرف قابل بیرسٹر، تیسری طرف اتنے اچھے آرٹسٹ، حیرت ہوتی ہے۔"

زہرہ نے چھیڑتے ہوئے پوچھا "حیرت کس بات پر ہوتی ہے؟"

وہ کہنے لگی، "اس پر کہ یہ تینوں چیزیں ایک دوسری کی ضد ہیں، بڑے زمیندار اپنی سرمایہ داری کے زعم میں معمولی سی تعلیم بھی نہیں حاصل کرتے ایک احسان صاحب ہیں کہ سارا کنبہ چھوڑ چھاڑ لندن پہنچے اور بیرسٹری کی سند لے کر آگئے، وکیلوں اور بیرسٹروں کی ساری فراست اور قانونی موشگافیوں پر صرف ہوتی ہے کس قاتل کو کس طرح چھڑا لائیں، کسی چور سے منہ مانگی فیس لے کر کس طرح اسے بری کرا دیں۔ دو دولت مند خاندانوں یا آدمیوں میں کس طرح لڑائی ہو کہ یہ اپنے وارے نیارے کریں۔ سب کو نہیں کہتی عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن ہمارے احسان صاحب نے بیرسٹری کی سند لی اور تہ کر کے رکھ دی، ذہن و دماغ کی قوت صرف کر دی تو کس چیز پر آرٹ پر، میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے ایک آرٹسٹ کو دولت مند اور اتنا اونچا تعلیم یافتہ دیکھا ہے!"

زہرہ نے بڑے بھولے پن سے پوچھا "کیوں صفیہ بھلا کتنی عمر ہے تمہاری؟"

"وہ انجان بنے اور سادگی کے ساتھ گویا ہوئی۔ "ہو گی ۱۸-۱۹ سال"

"زہرہ نے سوکھا منہ بنا کر کہا۔ "ہاں بھئی واقعی اتنی طویل عمر میں ایسا اتفاق

کہ بھائی جان ہیں — تم نے دیکھا تو اُسے نادر ماننا ہی پڑے گا —
کیوں بھائی جان ؟"
احسان نے جھڑکا — چپ رہو، کیا خواہ مخواہ کی بکواس لگا رکھی ہے۔
س صفیہ یہ تصویر دیکھئے !"
صفیہ غور اور توجہ سے اس کی پیش کی ہوئی تصویر دیکھنے لگی۔ کچھ دیر
رہی پھر بولی۔
بڑی اچھی ہے لیکن آپ کی تو وہی مثل ہے، جنگل میں مور ناچا کس نے
دیکھا ؟"
اس کمال سے دنیا کو بھی روشناس کرائیے، نمائشوں میں بھیجئے
اخبارات میں چھپوائیے پھر دیکھئے کتنے مضمون آپ کی ذات اور شخصیت پر چھپتے
ہیں !"
اتنی دیر تک چپ رہنے کے بعد زہرہ پھر بول پڑی " معلوم ہوتا ہے
مضمون لکھنے کو جی چاہ رہا ہے صفیہ بیگم کا ؟"
وہ بولی " اگر مجھے لکھنا آتا ہوتا تو واقعی لکھتی !"
زہرہ چھیڑنے لگی " انسان شوق میں کیا کچھ نہیں کرتا ؟ جی چاہتا ہے
مضمون نویسی کا تو سیکھ لو لکھنا" یہ کون سا اتنا مشکل کام ہے ؟"
صفیہ مسکراتی ہوئی بولی " پھر تم کیوں نہیں سیکھ لیتی ؟"
وہ کہنے لگی " کیا دوبارہ سیکھ لوں ؟ جانتی تو ہوں ! " میرے مضمون تو
چھپتے رہتے ہیں "
صفیہ نے اشتیاق اور تجسس کے ساتھ پوچھا " کس رسالہ میں ؟ کہاں
ہم نے تو کبھی کوئی مضمون تمہارا نہیں دیکھا۔"
وہ کہنے لگی " لیکن میں اپنے نام سے نہیں لکھتی، جب کسی رسالہ میں
کوئی اچھا سا مضمون یا پھڑکتا ہوا افسانہ دیکھو، خواہ کسی نام سے سمجھ لو میرا
ہے "
صفیہ ہنسنے لگی " چل جھوٹی کہیں کی !"

زہرہ کے پاس جواب تیار تھا " یہ تو میں جھوٹ بولوں گی ۔ بھائی جان کھڑے تو ہیں پاس ہی پوچھ لو ان سے کیا وہ جھوٹ بولتے ہیں ؟"

صفیہ نے ہنستے ہوئے سوالیہ نظروں سے احسان کی طرف دیکھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر زہرہ کو جھڑکا " تم اپنی یہ بک بک بند نہیں کرو گی ؟ پھر صفیہ سے کہا ، یہ جو کچھ کہا ، یہ جو کچھ کہے سچ سمجھیے گا! سو ایک فیصد جھوٹ ہے ۔ ذرا اسے اپنے سے اور بے تکلف ہونے دیجئے ، پھر دیکھئے ، کتنی صفائی سے اور کتنی بے تکلفی سے جھوٹ بولتی ہے میں تو ان کی ان باتوں سے عاجز آگیا ہوں !"

صفیہ کو جیسے کچھ یاد آگیا " آپ نے زہرہ کی تصویر نہیں بنائی ؟"

احسان نے جواب دیا " میرے پاس اتنا فاضل وقت نہیں ہے صفیہ نے اصرار کیا " ابھی ہمارے سامنے ایک تصویر اس کی بھی بنائیے تو سہی "

احسان تیار ہو گیا ۔ جب اپنا ساز و سامان لے کر آیا تو زہرہ نے کہا ایسے میں کھنچوا ہی تو لوں گی !

احسان نے ڈانٹا " بیٹھ جاؤ کرسی پر خبردار ، جنبش نہ کرنا ۔

وہ بیٹھ گئی " لیکن آنکھیں بند کرلیں ۔ احسان نے پنسل چلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بگڑ کر بولا " یہ کیا لغویت ہے کھولو آنکھیں !"

زہرہ نے آنکھیں کھول دیں ، احسان کی انگلیوں نے پنسل گرفت میں لی زہرہ نے منہ پھیر لیا ۔ اور دوسری طرف دیکھنے لگی ۔ احسان نے پیر اس کی یہ حرکت دیکھی تو چیخا ، " زہرہ !"

وہ بولی " آہستہ بولئے میں اونچا نہیں سنتی !"

احسان نے پنسل پھینک دی اور صفیہ سے کہا ۔

دیکھ لیا آپ نے ! کوئی آج تک شیطان کی تصویر بھی کھینچ سکا ہے !

گویا صفیہ اس دلیل کی قائل ہو گئی ، کہنے لگی " اچھا ہماری ایک تصویر کھینچیے ، ابھی اسی وقت !"

آمادگی اور مستعدی کے ساتھ وہ بولا ۔

ابھی لیجئے بس سامنے اس کرسی پر بیٹھ جائیے — ہاں اسی، اسی طرح — یوں نہیں — بس ٹھیک ہے۔"

صفیہ بیٹھ گئی۔ اور قبل اس کے کاغذ کے میدان میں احسان کی پنسل دوڑے زہرہ بھی آکر صفیہ کے پاس بیٹھ گئی۔ احسان کی نظر اٹھی، زہرہ کو دیکھ کر ماتھے پر شکن پڑ گئی — یہ کیا؟"

وہ بولی " میں تو صفیہ کے ساتھ ضرور کھنچواؤں گی، اسی لئے تو شرارت کر رہی تھی۔ کہ اکیلی نہیں کھنچوانا تھی — بھائی جان اب مجھے گھوریئے نہیں اپنا کام کیجئے ورنہ اس کی منڈیا بھی ہلا دوں گی؟"

صفیہ نے سفارش کی —" بیٹھا رہنے دیجئے بیچاری کو؟"

احسان نے کوئی جواب نہیں دیا اپنے کام میں لگ گیا اور چند منٹ میں یہ گروپ فوٹو تیار تھا، تصویر دیکھ کر بے ساختہ صفیہ کے منہ سے نکلا —" ہائے اللہ ذرا جو فرق ہوا"

زہرہ منہ بناتی ہوئی صفیہ سے کہنے لگی:" تمہاری تصویر تو کچھ زیادہ اچھی بن گئی ہے۔"

" صفیہ نے آنکھیں نکال کر پوچھا، کیا مطلب؟"

وہ بولی مطلب تو صاف ہے بالکل، تم اصل سے کچھ اور اچھی آئی ہو اور میں آئینہ میں جیسی نظر آتی ہوں۔ اس سے کہیں بری لگ رہی ہوں!"

احسان نے جلے ہوئے انداز میں کہا، اور پھر یہ آج معلوم ہوا کہ آئینہ میں چڑیلوں کا عکس زیادہ اچھا نظر آتا ہے —"

" صفیہ ہنسنے لگی۔ پھر گویا ہوئی، احسان صاحب ابھی آپ کو ایک امتحان اور دینا ہے۔"؟

احسان نے اشتیاق اور تجسس کی نظروں سے اسے دیکھا پھر لمحا محلی؟ — پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا " میں تیار ہوں۔

صفیہ نے فرمائش کی۔ اپنی تصویر خود اپنے قلم سے بنایئے — بنالیں گے؟"

جواب میں اس نے کہا "یہ کون سا مشکل کام ہے؟ ابھی لیجئے!"
یہ کہہ کر دیوار پر لگی ہوئی اپنی ایک خوبصورت سی تصویر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

زہرہ نے کہا۔

"یوں تو بن جائے گی! لیکن یہ تو کوئی کمال نہ ہوا!"

وہ پھر جھلا گیا۔ "تو کیا آنکھیں بند کر کے بناؤں؟"

صفیہ نے زہرہ کے خیال کو سمجھتے ہوئے کہا اور اسی لباس میں جو اس وقت زیبِ تن ہے۔ جب تو کمال ہوگا، ورنہ واقعی کوئی کمال نہیں۔

احسان نے زہرہ سے کہا۔ آئینہ لاؤ۔

زہرہ ایک بڑا سا آئینہ لے آئی، وہ آئینہ میز پر رکھ کر اکرسی سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔

زہرہ اور صفیہ حیرت سے اسے تکنے لگیں۔ احسان کی نظر آئینہ میں اپنے عکس پر تھی۔ اور کاغذ پر اس کی پنسل سرپٹ گھوڑے کی طرح دوڑ رہی تھی۔

ذرا دیر کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا، اور وہ کاغذ جس پر تصویر بنائی تھی صفیہ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا، "لیجئے، ملاحظہ کیجئے!"

صفیہ نے اس کا خاکہ اپنا دیکھا۔ اور بڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ زہرہ بھی جھک کر دیکھنے لگی، اس نے پوچھا: "دیکھے کیوں جا رہی ہو اتنی حیرت سے؟ کیسی ہے بتاؤ؟"

بے ساختہ صفیہ کے منہ سے نکلا: "واقعی کمال ہے بھئی!"

احسان خوش ہو گیا کہنے لگا۔

"کے معنی یہ ہیں کہ میری محنت اکارت نہیں گئی!"

صفیہ نے تحسین آمیز نظروں سے اُسے دیکھا۔ اور بولی "آپ کے عظیم فن کار ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس امتحان میں تو اس بری طرح کامیاب ہوئے ہیں آپ کہ حیرت ہوتی ہے!"

احسان ہنسنے لگا "بہت اچھی داد دی آپ نے۔ میں کامیاب ہوا

لیکن بری طرح ۔"

"صفیہ بولی: "یہ تعریف کی انتہا ہے!"

زہرہ نے کہا "لیکن بھائی جان یہ اسی آئینہ کی برکت ہے جو —

میں دیکھتی ہوں ۔"

صفیہ ہنستے ہنستے لوٹ گئی!

(۱۴)

جنگ

صفیہ جب احسان کے ہاں سے واپس آئی تو شام کا جھٹ پٹا شروع ہو چکا تھا، اتفاق کی بات پھاٹک پر محمود سے مڈبھیڑ ہو گئی، وہ ابھی اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آ رہا تھا صفیہ اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"خوب، مل گئے تم۔ کئی دن سے تم سے بات ہی نہ ہو سکی!"

محمود نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پوچھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ بولی ذرا احسان صاحب کے ہاں چلی گئی تھی۔ بڑے اچھے لوگ ہیں اور زہرہ تو مجھے بہت پسند ہے بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

محمود نے ان باتوں پر دھیان دیے بغیر سوال کیا۔ "احسان صاحب خود بھی تو کل آئے تھے۔"

بے پروائی کے ساتھ وہ بولی۔ "ہاں آئے تھے اور چلتے وقت مجھے اپنی اور زہرہ کی طرف سے بلاوا بھی دے گئے تھے۔ بڑا اچھا وقت کٹا آج ان کے ہاں!"

محمود نے سنی ان سنی کرتے ہوئے صفیہ کے ہاتھ میں جو کاغذ تھا اس کی طرف اشارہ کرتے دریافت کیا۔

"یہ کیا چیز ہے؟" کوئی نسخہ یا تعویذ؟ بڑی احتیاط سے مٹھی میں لئے ہو کہیں کوئی چھین نہ لے!"

صفیہ نے اپنی رو میں کہا "نسخہ یا تعویذ تو نہیں لیکن ہے بڑی عمدہ چیز دیکھو گے؟"

یہ کہہ کر اس نے یہ کاغذ محمود کی طرف بڑھا دیا اور خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولی۔ پہچانو تو کون ہے؟

محمود نے ایک نگاہ غلط انداز ڈالی، پھر کہا "یہ تمہاری تصویر ہے

صفیہ قطع کلام کرتی ہوئی گویا ہوئی، ہاں میری۔ محمود احسان صاحب بڑے چابک دست نقاش ہیں، پلک جھپکاتے ہی تصویر بنا دیتے ہیں میری کئی تصویریں اسی طرح بنا چکے ہیں!"

"کئی تصویریں؟"

" ہاں — اور کمال تو یہ ہوا کہ فرمائش پر خود اپنی تصویر آئینہ سامنے رکھ کر بنا ڈالی، کیا مجال ہے جو ذرا فرق آیا ہو اصل ہیں اور نقل ہیں — کتنے اچھے نقاش ہیں احسان صاحب تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے!"

"مجھے اندازہ ہو گیا!"

"نہیں ہوا۔ جب تک تم انہیں کام کرتے نہ دیکھو، جب تک بجلی کی طرح ان کی انگلیوں کو کاغذ کے تختے پر محو خرام نہ دیکھو، جب تک — تم اندازہ کر ہی نہیں سکتے ہیں تو جب سوچتی ہوں حیران رہ جاتی ہوں۔"

دفعتہً بادل کی طرح گرج کر محمود نے کہا۔

"بند کرو یہ بکواس۔"

اور پھر اس نے اُس کاغذ کے ٹکڑے کر ڈالے، جس پر احسان کی بنائی ہوئی صفیہ کی تصویر تھی، صفیہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی آج

ان کی اس آنکھوں میں پھر وہی خون — اور دہشت جھلک رہی تھی جس کا نظارہ اس سے پہلے بارہا کر چکی تھی۔ آج بہت دنوں بعد یہ خوفناک چیز دیکھنے میں آئی تھی۔ لیکن اب اب وہ بچہ نہیں تھی جو سہم جایا کرتی تھی اب

وہ باشعور تھی۔ اب اس میں خود اعتمادی پیدا ہو چکی تھی اب وہ خود نگر اور خود شناس ہو چکی تھی۔ اس نے تیکھی نظروں سے محمود کو دیکھا اور تند لہجہ میں بولی "تم آدمی سے جانور بننے کی عادت نہیں چھوڑ گے ؟

محمود نے اور زیادہ برہم ہو کر پوچھا" میں جانور ہوں"۔

صفیہ نے تلخ اور ناگوار لہجہ میں جواب دیا، ہاں تم جانور ہو درندے ہو وحشی ہو تم نہیں جانتے تہذیب اور شائستگی کسے کہتے ہیں، تم نہیں جانتے عورتوں سے بات کس طرح کی جاتی ہے،

تم کچھ بھی نہیں جانتے، ہٹو میرے سامنے سے جاؤ اپنا راستہ لو اور یاد رکھو صبر کی ایک حد ہوتی ہے۔ میرے صبر کا زیادہ امتحان نہ لو! مجھے اندیشہ ہے کہ میں ناکام ہو جاؤں گی ؟"

یہ باتیں سن کر محمود ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے معذرت آمیز لہجہ میں کہا۔ مجھے نہ معلوم کیا ہو گیا تھا، نہ جانے بعض دفعہ کیوں ایسی باتیں کرنے لگتا ہوں جن پر بعد میں پہروں پچھتاتا ہوں۔ لیکن صفیہ تم احسان کے ہاں نہ جایا کرو اس سے راہ و رسم بالکل نہ رکھو"

محمود کی معذرت سے صفیہ کا غصہ ٹھنڈا ہو چلا تھا۔ لیکن آخری الفاظ پر پھر بھڑک اٹھی۔

" یہ مطالبہ کس لئے ؟" گو ویسے میری خود کہیں آنے جانے کی عادت نہیں ہے اور میں طبعاً نئے لوگوں سے ملتے گھبراتی ہوں، لیکن تم یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو کہ وہاں نہ جایا کروں ؟ احسان صاحب سے نہ ملا کروں ؟ وجہ ؟ سبب

محمود کے مطالبہ نے التجا کا رنگ اختیار کر لیا " کیوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ میں خود نہیں جانتا۔ تم سے کیوں درخواست کر رہا ہوں ؟ لیکن میرا دل اُسے پسند نہیں کرتا۔ مجھے کچھ ان جانے حوادث اپنے گرد منڈلاتے نظر آتے ہیں، مجھے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ اس تصور سے ۔

صفیہ ہنس کر " سبحان اللہ یعنی آپ کا خیال ہے "

محمود بات کاٹتا ہوا بولا " نہیں میرا کوئی خیال نہیں، لیکن یہ میرے

دل کی آواز ہے ۔ چاہو ٹھکرا دو ، چاہو قبول کر لو !"

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا " جب تم کوئی بات کہتے ہو اور میں اس پر عمل کرتی ہوں ۔ تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ لیکن تمہیں ایسی باتیں تو نہ کہنی چاہیئں ، جن سے مجھے تکلیف ہو۔ میری خودی مجروح ہو۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ بھائی جان کی عاید کردہ پابندیاں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں ، تمہاری کس طرح گوارا کروں گی ؟ ہاں احسان صاحب اگر برے آدمی ہوتے یا زہرہ میں کوئی عیب ہوتا تو میں خود ان سے راہ و رسم نہ رکھتی۔ لیکن اچھے اور شریف لوگوں سے راہ و رسم رکھنا کوئی معیوب بات نہیں ہے ، یا پھر یہ بھی سوچو، بھائی جان اپنے دھندے میں لگے رہتے ہیں - امانی خانم کو اپنا دکھڑا سنانے سے فرصت نہیں ، چمپا کام کی باتیں کرنا نہیں جانتی ، تم اپنے کام میں مصروف رہتے ہو آخر میں بھی آدمی ہوں ، دیواروں سے تو باتیں نہیں کر سکتی ، بیٹھے بیٹھے ، پڑھتے پڑھتے اکتا جاتی ہوں ، میں تو خوش ہوں کہ ان لوگوں کی صورت دو اچھے ساتھی مل گئے۔ دل بہلانے اور وقت کاٹنے کی صورت نکل آئی ۔ بجائے اس کے کہ تم بھی میرے ساتھ خوش ہوتے ، میری خوشی پر خوش ہوتے ، الٹے لڑ رہے ہو ، بھلا یہ کیا بات ہوئی ؟"

صفیہ کے دلائل اتنے زبردست تھے کہ محمود ان کا کوئی جواب نہ دے سکا ، لیکن دل کی بات زبان پر آ ہی گئی ، کہنے لگا ۔

" مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ تمہیں مجھ سے چھین نہ لیں "

یہ الفاظ کچھ ایسی بے بسی کے ساتھ اس نے کہے کہ صفیہ کا دل پسیج گیا اس نے نرم اور ملائم لہجہ میں تسلی دیتے ہوئے کہا ۔

" وہ لوگ مجھے تم سے چھین سکتے ہیں ؟ کیا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو تمہیں مجھ سے یا مجھے تم سے چھین سکے ؟ کیا محبت ہر ایک سے ہو جاتی ہے ؟ کیا محبت ادلتی بدلتی رہتی ہے ؟ آج تم سے کر رہی ہوں ، کل کسی اور سے کرنے لگوں گی ؟ تم آج مجھے چاہ رہے ہو ، کل کسی اور کو چاہنے لگو گے ؟ جب بھائی جان جیسا باجبروت ، با اقتدار اور صاحب اختیار شخص ہم دونوں

کو ایک دوسرے سے نہیں چھین سکا، تو احسان یا زہرہ یا کسی اور کی کیا مجال ہے؟

یہ کہتے کہتے ایک نظر اس نے محمود کے اُترے ہوئے چہرے پر ڈالی اور گویا ہوئی۔

"ایسے وسوسے دل میں نہ لاؤ۔ یہ ان ہونی بات ہے۔ لیکن میں پوچھتی ہوں یہ خیال تمہارے دل میں آیا کیسے؟"

محمود نے جواب دینے میں کوئی تامل نہیں کیا کہنے لگا۔ یہ خیال میرے ہی دل میں تو آنا چاہیئے، میرے سوا اور کسی کے دل میں کیوں آئے گا؟ میں غریب ہوں، ناتراشیدہ ہوں، بقول تمہارے جانور ہوں، بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں جانتا، یہ تک نہیں جانتا کہ عورتوں سے کس طرح بات کی جاتی ہے اس کے برعکس احسان صاحب امیر کبیر ہیں۔ وہ مجھے کیا تمہیں خرید لیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، مہذب ہیں، نستعلیق ہیں۔ بات کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں صورت میں بھی مجھ سے اچھے ہیں، میرا ان کا مقابلہ کیا! میرے پاس اگر کوئی سفارش ہے تو صرف میری محبت، میری سچی محبت اور احسان صاحب کے پاس گو محبت نہ ہو اور کیا جانے ہو بھی، مگر اور سب کچھ تو ہے!"

یہ سب کہہ کر وہ صفیہ کو اس طرح تکنے لگا، جیسے ایک نالائق امیدوار سخت گیر ممتحن کو دیکھتا ہے، صفیہ نے اس کی کیفیت محسوس کر لی اور بولی۔

اگر تمہارا یہ اندیشہ صحیح ہوتا تو بتاؤ میں تم سے محبت کیوں کرتی؟ جب ہم دونوں نے پیمان محبت باندھا ہے تو کیا اس وقت تم مالدار، تعلیم یافتہ اور مہذب تھے؟ نہیں تھے۔ مگر میں نے محبت کی، پھر اب اس سے دستبردار کیوں ہو جاؤں گی؟"

ان باتوں سے محمود کے قلب ناشکیب کو بڑی تسکین ہوئی اس نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ۔ مگر ۔"

صفیہ بولی "نہ لیکن نہ مگر، ایسی باتیں بھی نہ کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے ان سے۔"

محمود کے چہرے پر رونق آگئی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن خوشی تھی کہ پھوٹی پڑ رہی تھی، یکایک صفیہ نے سوال کیا۔

"کہو تمہارے کاروبار کا کیا حال ہے؟"

"محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے چل رہا ہے، لیکن جیسا چاہیے ویسا نہیں!"

صفیہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیوں؟"

وہ کہنے لگا، تجارت بھی تو ایک فن ہے آتے آتے آئے گا، نہ ایک دن میں پڑھ کر کوئی مولوی فاضل بن سکتا ہے۔ نہ دوکان پر مال رکھ کر ملک التجار بن سکتا ہے۔ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے؟"

صفیہ نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا، غلیل بازی اور پتنگ بازی کا کیا حال ہے!"

محمود مسکرانے لگا، اس نے کہا: "تمہیں تو نہ جانے کیوں غلیل اور پتنگ بازی سے دشمنی ہو گئی ہے۔"

وہ بولی، جب تک ان چیزوں سے جی نہیں ہٹے گا، کاروبار میں دل نہیں لگے، اگر خدا نخواستہ وہ پونجی ضائع ہو گئی، جو تم نے لگائی ہے تو سمجھ لو کیا ہو گا، کسی اور سے تو مدد کا کوئی آسرا ہے نہیں!"

محمود نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔ ضائع کیوں ہو گی، پونجی اس لئے لگائی ہے کہ بڑھے یا اس لئے کہ گھٹے؟ ایسے بدفالی کے الفاظ منہ سے نکالتی کیوں ہو؟"

صفیہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دور سے اسے جمال آتا دکھائی دیا وہ عمداً محمود سے الگ ہو کر چلنے لگی۔ محمود نے بھی گردن جھکا لی کہ اگر سامنا ہو گیا اور کچھ پوچھ ہوئی تو نہ جانے کیا نتیجہ نکلے، لیکن وہ نہ جانے کس دھن میں تھا۔ جدھر سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔

۱۵

امنگ، ترنگ

رات کے کھانے پر صفیہ اور جمال حسب معمول ایک دوسرے سے ملے، جمال نے ادھر اُدھر کچھ باتیں کرنے کے بعد سوال کیا۔

کیا آج تم کہیں باہر گئی تھیں؟

وہ بولی "جی ہاں، ذرا احسان صاحب کے ہاں چلی گئی تھی ان کی بہن زہرہ بڑی اچھی لڑکی ہے، مجھے بہت پسند ہے۔

جمال نے کہا۔ ہاں اچھی اور شریف لڑکی ہے ہما بھی اس کی بہت تعریف کر رہی تھی — لیکن تم کہیں جانے آنے کی عادی نہیں ہو وہاں کیسے چلی گئیں؟"

صفیہ نے بتایا، اس نے بلایا تھا مجھے۔ بھائی جان! کل آپ سہ پہر کو کہیں غائب نہ ہو جایئے گا!"

کیوں؟ کوئی خاص کام ہے؟

"جی ہاں، میں نے احسان صاحب اور زہرہ کو چائے پر بلایا ہے انہوں نے وعدہ کر لیا ہے؟"

"تم نے چائے پر بلایا ہے بہت اچھا کیا، انہوں نے آنے کا وعدہ

کر لیا یہ اور بھی اچھا ہوا، خود بھی شکریہ ادا کرنا اور میری طرف سے بھی —"

آپ کی طرف سے کیوں؟ خود آپ کیوں نہیں ادا کریں گے؟

بھئی کل ہما کے ساتھ پروگرام ہے۔ میں وعدہ کر چکا ہوں، وعدہ خلافی بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن میرے نہ ہونے سے فرق کیا پڑے گا؟ میری قائمقام بھی بن جانا؟"

"وہ تو بن جاؤں گی لیکن بھائی جان احسان صاحب بڑے باکمال آدمی ہیں!"

(تعجب سے) باکمال؟ یہ تم نے کیسے جان لیا؟"

پھر صفیہ نے اسی تفصیل سے جیسے محمود کو احسان کے کمال فن کی داستان سنائی تھی، جمال کو بھی سنا دی اور کہنے لگی۔

"میں چاہتی تھی ایک تصویر وہ آپ کی بھی بنائیں، پھر قائل ہو جائیں گے آپ!"

جمال ہنسنے لگا "میں تم سے زیادہ قائل ہوں، رہا تصویر کا معاملہ وہ کسی اور دن سہی، پھر بلا لیں گے کسی دن چائے یا کھانے کے دن ہما کو بھی بلا لیں گے۔؟"

یہ تجویز صفیہ کو پسند آئی اور بات ختم ہو گئی۔

دوسرے روز وقت مقررہ پر احسان اور زہرہ پہنچ گئے۔ صفیہ نے بڑے چاؤ اور شوق سے مہمانداری کے لوازمات مہیا کر رکھے تھے۔ اس نے دونوں مہمانوں کا پُرتپاک استقبال کیا۔ پھر خوب اچھی طرح گھر کی سیر کرائی، خانہ باغ کے ایک ایک درخت اور پھل اور پھول اور شگوفہ کا تعارف کرایا، پھر لائبریری میں لے کر پہنچی، کئی کتابیں دیکھ کر تو احسان بھی اس کی خوش ذوقی کا قائل ہو گیا۔ پھر اس پارٹی کو لے کر خانہ باغ کے ایک نزہت افزا مقام پر پہنچی یہاں کرسیاں پہلے سے پڑی تھیں۔ اور اس عرصہ میں ملازموں نے ماکولات و مشروبات کا ڈھیر میز پر لگا دیا تھا۔

زہرہ نے اس سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا آج کسی کی پارٹی ہے!"

صفیہ نے جواب دیا۔ ہاں ایک لڑکی ہے زہرہ اس کی پارٹی ہے ایک صاحب ہیں مسٹر احسان وہ بھی مدعو ہیں۔ لیکن نہ جانے کیا بات ہے۔ اب تک نہیں آئے یہ لوگ، احسان صاحب تو ممکن ہے کہیں اور مدعو ہوں نہ آ سکے ہوں۔ لیکن زہرہ بیچاری کے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔ یعنی کوئی اسے جھوٹوں بھی نہیں پوچھتا، زندگی میں پہلی مرتبہ میرے ہاں مدعو ہوئی تھی لیکن نہ جانے کیا افتادہ پڑی کہ نہ آ سکی۔ خدا کرے طبیعت ٹھیک ہو بیچاری کی!"

یہ باتیں صفیہ نے کچھ ایسی سنجیدگی سے کہیں کہ احسان ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ اس نے کہا۔

مس صفیہ، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔

صفیہ نے پوچھا، شکریہ کس بات کا؟

وہ بولا، یہ زہرہ اپنے آپ کو بہت بذلہ سنج اور حاضر جواب سمجھتی ہے مجھے چھیڑتی رہتی ہے، میں جواب نہیں دیتا تو اسے اپنی فتح قرار دیتی ہے اور خوب تالیاں بجاتی ہے میری نام نہاد شکست پر لیکن آپ کے سامنے اس کی زبان نہیں چلتی، یہ چوکڑی بھول جاتی ہے۔ نہ بذلہ سنجی ساتھ دیتی ہے نہ حاضر جوابی!۔۔۔ کیوں زہرہ اب کیوں نہیں بولتیں؟!

وہ کہنے لگی "بولوں گی، پہلے آپ خوش ہو لیجئے، خوب جی بھر کے ہنس لیجئے جتنا بھی چاہیے پھر سو سنار کی ایک لوہار کی بھی دیکھ لیجئے گا!"

صفیہ نے یہ سوچ کر کہیں بات نہ بڑھ جائے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

"آپ لوگ تو صرف لڑ رہے ہیں۔ حالانکہ کھا پی کر لڑیں گے تو زیادہ دیر تک استقلال سے لڑ سکیں گے۔ زہرہ تم تو چائے بھی نہیں پی رہیں ۔۔ لو!"

زہرہ نے چائے کا کپ اپنے سامنے رکھ لیا۔ پھر احسان سے مخاطب ہوئی "کیوں بھائی جان کیا آج کی پارٹی کو آپ کا موقلم کاغذ پر نہیں منتقل کر سکتا؟"

صفیہ خوش ہو گئی، کہنے لگی تم تنے میرے دل کی بات کہہ دی زہرہ!

زہرہ نے ایک چھچلتی سی نظر احسان پر ڈالی اور گویا ہوئی، دل کی بات؟ میں سب کے دل کی باتیں پڑھ لیتی ہوں بھائی جان؟

احسان کچھ سوچنے لگا پھر اس نے زہرہ کے بجائے صفیہ کو مخاطب کیا۔

یہ بتایئے ڈراموں سے بھی دلچسپی ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی، صرف پڑھنے کی حد تک دیکھنے سے نہیں!" حالانکہ زندگی ایک اسٹیج ہے اور ہم میں سے ہر شخص ایکٹر ہے جب تک زندہ رہتا ہے ایکٹ کرتا رہتا ہے۔"

یہ باتیں کچھ ایسی روانی اور استغراق کے عالم میں صفیہ نے کہیں کہ زہرہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

" آج تمہیں کیا ہو گیا ہے زہرہ!" کبھی تو نخلی میٹھا کرد، کبھی تو سنجیدہ بن جایا کرو۔"

وہ بولی۔ بھئی سنجیدہ بننا بڑے لوگوں کا کام ہے ہم تو بہت چھوٹے سے اور معمولی لوگ ہیں۔ یوں ہنستے کھیلتے زندگی گزار دیں گے، گزر جائے گی اس طرح زندگی بھی

یکایک ہما اور جمال آگئے۔ ان دونوں کی پذیرائی کرتے ہوئے احسان نے کہا آیئے جمال صاحب اب تو یہ حالت ہے کہ آپ گھر پر بھی نہیں ملتے

نہ جانے مس ہما نے کیا جادو کر دیا ہے آپ پر؟

ہما مسکراتی ہوئی بولی، تو آپ جلتے کیوں ہیں؟ شاید اس لئے کہ ابھی تک کوئی جادوگر آپ کو نہیں ملا؟

جمال نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اب دیکھئے جواب؟

احسان نے کہا۔ جواب کیا دوں؟ سچی بات کا بھی کوئی جواب ہو سکتا ہے؟

"اور پھر وہ سچی بات جب جادوگر کے منہ سے نکلے!" زہرہ بول پڑی!!

سب لوگ ہنسنے لگے، کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، پھر احسان نے سوال کیا۔

کہو جشنِ شادی کب ہو رہا ہے۔"

جمال نے خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "یہی خوشخبری سنانے تو آیا ہوں، آج سے ٹھیک ایک ہفتہ بعد، وہ مبارک دن آجائے گا۔ دن گنے جاتے ہیں جس دن کے لئے!"

ہما اس طرح زہرہ اور صفیہ سے باتوں میں مصروف رہی جیسے اس اعلان کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن صفیہ روٹھ گئی۔

"واہ بھائی جان آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں!"

وہ ہنستا ہوا بولا، "بتاتا کیسے، مجھے خود ہی آج معلوم ہوا ہے اور جیسے ہی معلوم ہوا، دیکھ لو فوراً آگیا، ورنہ میں نے آج کی پارٹی میں شرکت سے معذرت ہی کر دی تھی۔"

احسان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: "خیر یہ شکوے تو ہوتے رہیں گے اب ایک شاندار دعوت کا پروگرام بننا چاہیے۔"

شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کیا تم کرو گے دعوت؟ حق دوستی ادا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے!"

احسان نے براہ راست ہما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "سن لیجئے جمال صاحب کی باتیں، اتنے غیر معمولی مسرت بخش موقعہ پر بھی کنجوسی کا یہ عالم ہے شاباش ہے بھئی۔"

"جزاک اللہ!"

صفیہ بھائی کی طرف سے بولی "وہ تو مذاق کر رہے ہیں، دعوت ہوگی ضرور ہوگی اور بڑی شاندار ہوگی، ایسی شاندار ہوگی، ایسی شاندار کہ ایک عرصہ دراز تک یاد رہے گی۔"

احسان نے تحسین آمیز نظروں سے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے جمال سے کہا: "بھائی سے تو بہن کہیں زیادہ حوصلہ مند اور دریا دل ہے بہت اچھا صاحب آپ کی دعوت قبول ہے آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔"

ہما جو اب تک چپ چاپ تھی کہنے لگی، "دعوت کا اعلان ہوا ہے ابھی تک نہ آپ

باقاعدہ مدعو ہوئے ہیں۔ نہ دعوت بھیجی گئی ہے۔ لیکن آپ ہیں کہ جوشِ مسرت سے بے قابو ہوئے جا رہے ہیں، جس نے دعوت کا اعلان کیا ہے اُس کی حوصلہ مندی اور دریادلی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں جس نے دعوت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن آپ کو ابھی مدعو نہیں کیا اسے بشارت دی جا رہی ہے کہ ہاں صاحب! ہم آئیں گے اور ضرور آئیں گے اور سر کے بل آئیں گے۔ آخر ماجرا کیا ہے یہ کسی جادوگر کا کرتب تو نہیں؟ کہیں آپ بھی تو کسی جادوگر کے دامِ سحر میں نہیں پھنستے جا رہے ہیں۔

ہما یہ کہہ رہی تھی اور احسان، حیران و پریشان اس کی طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ مسکراتی ہوئی گویا "احسان صاحب! پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے!"

پھر اس نے جمال سے کہا۔

"آیئے چلیں!"۔

جمال اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔

ہما اور جمال کے جانے کے بعد کافی دیر تک سناٹا چھایا رہا، صفیہ زہرہ احسان تینوں کو چپ لگی تھی۔ آخر رخصت کی اجازت طلب کرتے ہوئے احسان نے قفلِ سکوت توڑا، صفیہ اسے نہ روک سکی۔ وہ چلا گیا۔

وہ چلا گیا، لیکن ایک عجیب طرح کا تاثر چھوڑ گیا۔ سب پر اور سب سے زیادہ ہما پر۔

وہ اپنے رستے چلتا رہا، لیکن دل میں کچھ خیالات تھے، جنہوں نے طوفان کی سی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ جو امنڈ امنڈ کر آتے تھے اور جم کر رہ جاتے تھے۔ وہ انہیں جھٹکتا تھا۔ ان سے دامن چھڑاتا تھا۔ لیکن یہ بڑی طرح اس پر مستولی تھے، جیسے رات اندھیرے میں کسی چور پر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑیں اور اُسے بے قابو کر دیں۔

(۱۶)

پھر لڑائی

صفیہ کو ہما کی یہ باتیں بہت بری لگی تھیں، اس کا جی چاہا تھا اسی وقت ایسی خبر لے، ہما خانم کی کہ وہ بھی یاد کریں - لیکن کچھ بھائی کا پاس، کچھ چند روز میں ہونے والی بھابی کے رشتہ کا لحاظ اور سب سے بڑھ کر، محفل کی بدمزگی اور تلخی کا خیال، یہ سب سوچ کر چپ رہی، آج تک اس نے احسان، یا کسی مرد کے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ وہ اس کا مالک بن سکتا ہے ۔ وہ محمود کو چاہتی تھی اور اس چاہت نے اس کے دل میں کبھی کوئی ایسا خیال آنے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اسے اپنی توہین سمجھتی تھی کہ اسی کے سامنے کسی اور شخص کا نام لیا جائے۔

ہما پر اسے غصہ تھا اور دل میں وہ شرمندہ بھی تھی -

سوچ رہی تھی، احسان صاحب نے کیا خیال کیا ہوگا ؟ کتنے نیک اور شریف آدمی ہیں - ان میں دوسرے مردوں کی سی ایک بھی بات نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں شرارت اور ہوس ناچتی ہے نہ ان کی باتوں میں لگاوٹ اور تملق ہے نہ ان کے انداز و اطوار میں وہ نسائیت ہے جو عورتوں سے رقابت کی مدعی ہوتی ہے، بیچارے سیدھے سادے اور بھولے بھالے انسان ہیں، اس ہما کی بکی

نے انہیں بھی شرمسار کر دیا۔ اس کی باتیں سن کر ایک لفظ بھی تو ان کے منہ سے نہیں نکلا، اس کی باتیں سنتے رہے۔ مجھ سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت بھی کھو بیٹھے جیت تک سہما اس طرح جیسے کوئی مجرم ہو، حالانکہ ظاہر ہے ان کی کوئی خطا نہیں تھی۔ عجیب ہوتے ہیں بعض لوگ بھی ان کے منہ سے ضرور کوئی ایسی بات نکل جائے گی۔ جو دوسروں کے لئے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہو۔

زہرہ اور احسان کے جانے کے بعد وہ ہیں لان میں ایک کرسی پر بیٹھی عالم خیال میں پیچ تاب کھا رہی تھی کہ کسی کی آہٹ سن کر نظر اٹھائی، محمود سامنے کھڑا تھا۔ محمود کو دیکھ کر صفیہ نے تسکین سی محسوس کی۔ وہ خوش ہو گئی، اس نے مسکراتے کہا۔

آ بیٹھو، لو یہ پیسٹری کھاؤ، میں چائے بناتی ہوں۔

محمود نے پیسٹری کی پلیٹ کھسکا دی اور اسی طرح کھڑے کھڑے کہا۔

"کچھ نہیں کھاؤں گا، کچھ نہیں پیوں گا!"

صفیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں؟ — ذرا منہ جھٹال لینے میں کیا جرم ہے؟

یہ کہہ کر وہ چائے بنانے لگی، محمود نے تحکمانہ لہجہ میں سوال کیا۔

"کون آیا تھا؟ کس کے اعزاز میں پارٹی دی گئی تھی۔"

صفیہ نے وہ بنی پیالی ویسی ہی چھوڑ دی، وہ سمجھ گئی، محمود کیا پوچھ رہا ہے اور کیوں پوچھ رہا ہے؟ غصہ آگیا، اس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے اس نے تلخ لہجہ میں کہا۔

"احسان آئے تھے، انہی کے اعزاز میں پارٹی تھی اور یہ پارٹی میں نے دی تھی، کچھ اعتراض ہے تمہیں؟

اس نے صفیہ کی برہمی اور لب و لہجہ کی ذرا پروا نہیں کی جواب دیا۔

"ہاں مجھے اعتراض ہے"

وہ بولی "مگر میں تمہارے اعتراض کی پروا نہیں کرتی، میں نے تمہیں یہ حق نہیں دیا ہے کہ مجھ پر اعتراض کر سکو۔ میں کسی کا اعتراض برداشت نہیں کر سکتی

میں کسی کی دبیل نہیں ہوں، کسی کی تابع فرمان بن کر نہیں رہ سکتی — ہاں تم اگر اپنی حد کے اندر رہ سکتے ہو تو بہتر ہے ورنہ —

محمود تقریباً چیخ پڑا۔ اس نے پوچھا۔

" ورنہ کیا ہوگا؟ کیا کرو گی تم؟"

وہ بولی، پھر تم سے کوئی راہ ورسم نہیں رکھوں گی۔"

محمود پر ذرا دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ وہ چپ ہو گیا، اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، اس نے کانپتی اور لرزتی آواز میں کہا۔

" تو پھر قتل ہوگا!"

صفیہ ذرا بھی نہیں ڈری، اس نے خشمگیں لہجہ میں سوال کیا

" کیا تم مجھے قتل کرو گے؟"

محمود نے جواب دیا۔ نہیں، نہیں، نہیں احسان کو میں اسے قتل کر دوں گا، اس کا خون پی لوں گا، اس کی جان لے لوں گا، یا وہ زندہ رہے گا۔ یا میں، وہ میری مسرت پر، خوشی پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا، میں اسے قتل کر دوں گا۔ ہلاک کر دوں گا اور تمہیں اس لئے زندہ چھوڑ دوں گا۔ کہ زندگی بھر رود جلو، کراہو، پھر تمہارے ہونٹ کبھی نہیں مسکرا سکیں گے۔ پھر تمہاری آنکھوں میں وہ چمک نہیں رہے گی۔ جو آج ہے۔ پھر تمہارے یہ پھول سے گال سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گے۔ پھر تمہارا رنگ روپ مٹی میں مل جائے گا۔ میں تمہارا یہ حال دیکھوں گا اور خوش ہوں گا۔ میری زندگی برباد کر کے تم بھی ایک پل کے لئے خوش نہیں رہ سکتیں —!"

اس وحشی سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ یہ سب کچھ کر سکتا تھا۔

محمود کے الفاظ سن کر صفیہ کانپ گئی، ڈر گئی، اگرچہ بڑے استقلال سے کام لے کر اپنی یہ کیفیت اس پر ظاہر نہ ہونے دی۔ ان باتوں کے بعد اب لڑائی کا امکان نہ تھا۔ صلح کی ضرورت تھی۔ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔

محمود کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ خدا کو نہیں مانتے؟

وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ کیوں نہیں ڈرتا، مانتا کیوں نہیں

لیکن اس سوال کا مطلب ؟

وہ بولی ، اگر خدا سے ڈرتے ہو تو ایک بے گناہ شخص کی جان کیوں لینا چاہتے ہو ؟

اگر خدا کو مانتے ہو تو پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہو ، جو نیکی سے اُسے دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتیں ؟ محمود کیا تم انسان بھی نہیں ہو ؟ اگر ہو تو بار بار میری محبت کی توہین کیوں کرتے ہو ؟

محمود نے قطعِ کلام کرتے ہوئے پوچھا " کیا واقعی تم اب تک اپنی محبت پر قائم ہو ؟

اس نے جواب دیا ۔ آخر کتنی مرتبہ تمہیں بتاؤں کہ محبت بار بار نہیں کی جاتی ممکن ہے میری اور تمہاری شادی نہ ہو سکے ۔ لیکن میرے دل میں سے تمہاری محبت نکل جائے یہ ناممکن ہے یہ اسی طرح ناممکن ہے جیسے اس گھاس کا رنگ سرخ نہیں ہو سکتا جیسے اس گلاب کے درخت سے خربوزہ نہیں پیدا ہو سکتا —

محمود توجہ سے صفیہ کی باتیں سنتا رہا پھر بولا ۔ یہ تم نے کیا کہا کہ ممکن ہے میری اور تمہاری شادی نہ ہو سکے ۔ پھر بھی میں تم سے محبت کرتی رہوں گی ! "

" ہاں میں نے کہا اور ٹھیک کہا ! "

" لیکن ایسی محبت مجھے نہیں چاہیئے ! "

" تو ٹھکرا دینا ۔ لیکن جو چیز میری ہے ۔ وہ میری ہی رہے گی ، تم نفرت کر سکتے ہو ، میری محبت کو ٹھکرا بھی سکتے ہو ۔ لیکن اسے چھین تو نہیں سکتے مجھ سے ۔ ؟ "

" لیکن سوال یہ ہے کہ شادی کیوں نہیں ہو سکے گی ؟ کیا جمال کی وجہ سے ؟ "

نہیں — کسی کی وجہ سے نہیں ، صرف تمہاری وجہ سے "

" میری وجہ سے ؟ یعنی میں خود انکار کر دوں شادی سے (ہنستے ہوئے) نہیں ۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا ، ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس خیالِ خام کو دل سے

نکال دو ۔"

"لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ میں خود انکار کر دوں؟"

"تم انکار کر دو؟ محبت کے باوجود؟"

"ہاں بلکہ محبت ہی کے باعث ۔ جب تک تم اپنی اصلاح نہیں کر لیتے جب تک تم آدمی نہیں بن جاتے، جب تک تم اپنی حالت نہیں سدھار لیتے جب تک تمہارا کاروبار نہیں چمک جاتا، اس وقت تک تم میری نظر میں اس قابل نہیں بن سکو گے کہ میرے رفیق حیات کا درجہ حاصل کر سکو، میں یا تو تمہاری اصلاح کروں گی۔ یا اور تمہاری محبت کو دل میں رکھ کر تم سے دستبردار ہو جاؤں گی —"

جواب میں محمود نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ امانی خانم آ گئیں، وہ بڑی دیر سے انتظار کر رہی تھیں کہ پارٹی ختم ہو تو بچے کھچے سامانِ دعوت پر قبضہ کریں انہوں نے اپنی آنکھوں سے سب سے پہلے ہما اور جمال کو پھر زہرہ اور احسان کو جاتے دیکھا لیکن صفیہ اب تک وہیں بیٹھی ہے۔ آخر کیا کر رہی ہے؟ یہی معلوم کرنے وہ تشریف لائی تھیں!

۱۷

امید کی دنیا

نہ جانے کیوں، مگر زہرہ محسوس کرنے لگی تھی کہ احسان صفیہ کو چاہتا ہے، وہ خود بھی اسے چاہتی تھی۔ اس نے سوچا، اگر وہ اس گھر کی بہو بن کر آ جائے، تو ایک طرف احسان کی زندگی منور ہو جائے گی، دوسری طرف وہ خود بھی کچھ گھاٹے میں نہیں رہے گی۔ "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"

وہ یہی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کسی کام سے احسان آ گیا، اس نے بہن کو خاموش دیکھ کر کہا۔ "آج بہت سنجیدہ بنی بیٹھی ہو، خیریت تو ہے؟"

وہ سنجیدگی سے بولی "بھائی جان کئی دن سے ایک بات سوچ رہی ہوں آپ سے مشورہ کرنا چاہتی تھی!"

احسان ہنسنے لگا۔ "کیا تم بھی کوئی بات سنجیدگی سے سوچ رہی ہو؟ اور وہ بھی اتنی سنجیدگی سے کہ مشورہ پر بھی آمادہ ہو جاؤ، لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے بڑی سے بڑی ان ہونی بات کبھی نہ کبھی ہو ہی جاتی ہے۔ اچھا تو کیا بات سوچ رہی تھیں۔"

زہرہ نے اسی لب و لہجہ میں جواب دیا، سوچ یہ رہی تھی کہ اگر صفیہ ہمارے گھر میں آ جائے تو کیسا رہے گا؟"

وہ بولا " یہ ایسی کون سی بات ہے ؟ اول تو وہ آتی ہے ؟ دوسرے جب بلاؤ گی آجائے گی ۔ "

وہ کہنے لگی " بنئے نہیں بھائی جان آپ میرا مطلب سمجھ چکے ہیں لیکن باتوں میں اڑا رہے ہیں ۔ میں چاہتی ہوں صفیہ میری بھابی بن کر آجائے ۔ "

اب احسان بھی سنجیدہ بن گیا ۔ کچھ دیر تو وہ ساکت رہا ، پھر گویا ہوا " ہر وقت شرارت ؟ "

" وہ بولی ، ابھی آپ خود کہہ چکے ہیں میں آج سنجیدہ نظر آرہی ہوں ! "

" آخر تم چاہتی کیا ہو ؟ "

کیا ایک مرتبہ پھر کہوں ؟ "

احسان دہیں زہرہ کے پاس بیٹھ گیا ۔ اس کے چہرے کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر زہرہ نے محسوس کر لیا تھا کہ تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا ہے جو کچھ اس نے سوچا تھا غلط نہیں ہے ، یہاں نشیب ہے اور پانی مر رہا ہے احسان کو خاموش دیکھ کر اس نے پھر تقاضہ کیا ۔

" بتایئے بھائی جان ! آپ تو کچھ بولتے ہی نہیں ! "

" احسان نے ایک منطقی کی طرح کہا ، لیکن انسان کی ہر خواہش پوری تو نہیں ہو جاتی ! "

وہ جوش کے ساتھ بولی " اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو اُسے پورا کرنا میرا کام ہے وہ آپ کے لئے جادوگر ثابت ہوگی اور میں اس کے لئے ۔ "

احسان ہنسنے لگا " اگر اتنا اعتماد ہے اپنے اوپر تو جو چاہو کرو ، مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی کام سے میں نے تمہیں روکا ہو ، اس لئے کہ تم نے اس کی نوبت ہی نہیں دی ۔ لیکن ایک بات سوچ لو ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ذلیل اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے ۔ " یعنی بات بھی کھوئی التجا کرکے ! "

اب زہرہ کی باری تھی ، اس نے ہنستے ہوئے کہا ، اطمینان رکھیئے ایسا نہیں ہوگا ۔ اب یہ میرا کام ہے ، اُسے میرے اوپر چھوڑ دیجئے ۔ "

تھوڑی دیر کے بعد احسان باہر چلا گیا ۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر کے

بعد صفیہ آگئی، اسے دیکھ کر زہرہ کی باچھیں کھل اُٹھیں، جوش کے عالم میں اُٹھ کر اس سے لپٹ گئی کہنے لگی۔

"بڑی عمر ہے تمہاری ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے!"

وہ مسکراتی ہوئی بالکل پاس آکر بیٹھ گئی اور گویا ہوئی، "سچ میرا ذکر ہو رہا تھا؟ پھر تو —

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ لیکن کیا ذکر ہو رہا تھا؟

زہرہ نے سوکھا سا منہ بنا کر کہا یہی کہ صفیہ بڑی خراب لڑکی ہے بدتمیز بدسلیقہ، بدصورت، بدزبان، بدلگام بد —

صفیہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔ "بھئی معاف کرو، سب سن لیا"

زہرہ خوش ہوگی۔ "تمہیں دیکھکر تم سے ملکر اتنی خوشی ہوتی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی الفاظ اس جذبہ کی ترجمانی نہیں کر سکتے!"

زہرہ نے شوخ نظروں سے اس کیطرف دیکھا اور پوچھا، "مگر کیا یقین بھی کر لیا"

صفیہ مسکرانے لگی اور بولی "نہیں!"

صفیہ ہنستی ہوئی بولی "کہیں تم مجھ سے محبت تو نہیں کرنے لگی ہو زہرہ بیگم؟"

زہرہ نے اقرار میں اپنی خوبصورت ہنس کی سی لمبی گردن کو جنبش دیتے ہوئے کہا

"ہاں کرتی۔ کیا تم اسے رد کرو گی؟"

صفیہ بھی اس وقت موڈ میں تھی کہنے لگی۔

"ناممکن — بلی کے بھاگوں چھینکا کتنی مشکل سے ٹوٹتا ہے؟"

زہرہ نے سوال کیا"۔ لیکن جب شادی ہو جائے گی، تو ہمیں بھول جاؤ گی اور ان باتوں کو بھی؟"

محمود کی طرف سے اب غیر مطمئن تھی، ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی

"شادی؟ — کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا؟ غیب کی باتیں کون جان سکتا ہے بھلا؟ لیکن شادی ہو نہ ہو زہرہ اور صفیہ ہر حالت میں ایک جان دو قالب رہیں گی، اس کا وعدہ کرنا ہوگا تمہیں؟"

وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولی " اوہ وعدہ ؟ حلف لے لو ۔"

" وہ کہنے لگی، نہیں وعدہ کافی ہے۔ سنا نہیں تم نے " قولِ مرداں جان دارد !"

اپنے بارے میں قولِ مرداں جان دارد سن کر وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی پھر اس نے ذرا سنجیدہ بن کر پوچھا۔"

کیا واقعی ہما اگلے ہفتے تمہاری بھابی بن کر آجائے گی ؟"

صفیہ نے کہا " ہاں سارے انتظامات تمہی کو کرنا پڑیں گے یہی حکم دینے آئی تھی ۔ !"

" زہرہ خوش ہو کر بولی " تمہارے حکم سر آنکھوں پر، لیکن آخر تمہاری شادی کب ہو گی ؟"

صفیہ نے بے پروائی سے جواب دیا ۔

" ابھی تک اس مسئلہ پر میں نے نہ غور کیا ہے ، نہ کوئی فیصلہ کیا ہے میں اب تک یہ بھی سمجھ سکی کہ آخر شادی اتنی کیوں ضروری ہے کہ ہر شخص کرے ضرور ؟ — !

زہرہ نے کہا ضروری ہو یا نہ ہو، ہر شخص کرے یا نہ کرے ، تمہیں تو کرنا ہی پڑے گی !"

صفیہ نے ماتھے پر شکن ڈال کر کہا ۔

" کیوں کرنا پڑے گی ۔ کچھ زبردستی ہے ؟"

عورتوں پر زبردستی ہی تو کی جاتی ہے ؟"

لیکن مجھ پر کوئی نہیں کر سکتا زبردستی ! میں اپنی آپ مالک و مختار ہوں !"

تو کیا واقعی شادی نہیں کرو گی ؟"

" ممکن ہے کروں ، ممکن ہے نہ کروں ، کروں گی تو اپنی مرضی سے نہیں کروں گی تو اپنے ارادے سے !"

تو اب تک کسی مرضی کے نیاز مند پر نظر نہیں پڑی ؟

" (مسکرا کر) پڑ چکی ہے !"

کون ہے وہ خوش قسمت ؟"

" آدمی ہی ہے !"

" تو کیا ہمیں نہ بتاؤ گی کون ہے وہ ؟

" بتا دیں گے کبھی ، جلدی کیا ہے ؟

" ابھی بتا دو گی تو کون سا غضب ہو جائے گا !"

" صفیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ، خاموش لڑکیاں ایسی بے حیائی کی باتیں نہیں کرتیں !"

اور پھر ہنسنے لگی ۔

اس تبسم میں زہرہ کو اپنی آرزوؤں اور امیدوں کی دنیا نظر آنے لگی ۔

نشیمن

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

*

فکرِ تعمیرِ آشیاں بھی ہے
خوفِ بے مہریٔ خزاں بھی ہے
رنگ بھی اُڑ رہا ہے پھولوں کا
غنچہ غنچہ شرر فشاں بھی ہے
خاک بھی اُڑ رہی ہے رستوں میں
آمدِ صبح کا سماں بھی ہے
اوس بھی ہے کہیں کہیں لرزاں
بزمِ انجم دھواں دھواں بھی ہے

*

(۱)

دردِ لا دوا

حالات نے پلٹا کھانا شروع کیا۔ کچھ خوشی کی زیادہ صدمہ و الم باتیں رونما ہونے لگیں۔ امید کے دیئے بجھنے لگے۔ یاس کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ جن سے بھلائی کی امید تھی وہ دشمن جاں نکلے، جن سے لگاؤ کوئی نہ تھا وہ زندگی کا سہارا بن گئے۔

حالات جب پلٹا کھاتے ہیں تو اس طرح کھاتے ہیں!

جمال کی شادی ہو گئی، ہما صفیہ کی بھابی بن کر آ گئی۔

کتنی خوش تھی صفیہ جمال کی شادی پر ہما کی آمد پر

کیا خوشی چندروزہ بھی قائم رہ سکی؟

کتنی مسرت تھی صفیہ کو محمود کی جدوجہد پر خوشی اس بات کی تھی کہ اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ اختیار کر لیا تھا۔ اب وہ زندگی کا نیا سانچہ بنا رہا تھا۔ تعمیر آشیاں میں منہمک تھا۔

لیکن کیا یہ خوشی زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکی؟

کتنی خوش تھی صفیہ اپنے حالات سے اپنے ماحول سے اپنے حق خود ارادیت

سے وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ جسے ورثہ میں بہت کچھ ملا تھا جس ماحول میں زندگی بسر کرنے کا اسے موقعہ ملا تھا، اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو اس کی خودی کو مجروح کرتی ہو۔ جو اس کے قلبِ نازک کے لئے تکلیفِ دائم کا سبب بن سکتی ہو۔ کتنا ناز تھا اسے اپنے "حقِ خود ارادیت" پر بلا مرچکی تھی۔ باپ اس جہاں سے گزر چکا تھا، بھائی اس ... کے ... ی معاملہ میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ وہ جو چاہے کر سکتی تھی ... ہر طرح آزاد تھی۔ اس پر کوئی پابندی نہ تھی۔ کسی طرح قدغن نہ تھی۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی، وہ اپنی زندگی کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی تھی، جس سطح پر چاہے موڑ سکتی تھی۔

لیکن کیا ایسا ہوا؟

دفعتہً حالات نے پلٹا کھایا۔ اور ساری امیدیں اور آرزوئیں بلبلے کی طرح ختم ہو کر رہ گئیں۔ سارے حوصلے جواب دے گئے۔

ہما جمال کی بیوی بن کر آئی۔ چند روز تک اس طرح رہی جیسے صفیہ کی سگی بہن ہے، بے تکلف سہیلی ہے، ہمدم اور ندیم ہے لیکن چند ہی روز بعد جب کینچلی بدلی تو ایسا معلوم ہوا،

جیسے اس سے بڑھکر بد مزاج، بد اخلاق، بدزبان، حاسد تنگ دل اور دشمنِ جاں کوئی نہیں ہے۔

شروع شروع میں تو وہ اس طرح گھل مل کر رہی کہ جیسے صفیہ کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی، کھانے پر موجود نہ ہو تو فاقہ، ناشتہ پر کسی وجہ سے نہ حاضر ہو سکے تو پیامی پہ پیامی دوڑے چلے آ رہے ہیں کہیں دعوت کا آنے جانے کا پروگرام بنے تو صفیہ کی شرکت فرض، ذرا بھی اس نے انکار اور ہما نے بھی ارادہ فسخ کیا۔

لیکن یہ موسم بہار چند ہی ہفتوں میں ختم ہو گیا۔ اب اس کی ہر بات میں کیڑے نکالے جاتے، اسے مطعون کیا جاتا۔ وہ اگر فاقہ بھی کرے تو کوئی پوچھنے والا نہیں، اس کی آزادی اور آزادہ روی کو متہم کیا جاتا، جمال سے وہ کبھی دبی نہیں دبی تھی۔ ہمیشہ اپنے من کی کرتی تھی۔ لیکن اب جمال کو کئی بار غیرت دلائی جاتی

تھی، چھوٹی بہن ہاتھ سے بے ہاتھ ہوئی جا رہی ہے اس کی خبر کیوں نہیں لیتے وہ شادی کرے گی ، کرے گی تو کس سے ؟ یہ سوال جمال نے کبھی نہیں کیا تھا، لیکن ہما ہر روز جمال کو اکساتی تھی کہ جوان جہان بہن کو گھر میں بٹھا رکھنا کون سی دانشمندی ہے، کون سی شرافت ہے کبھی روایات خاندانی کا واسطہ دیا جاتا کبھی دنیا سے ڈرایا جاتا، کبھی اونچ نیچ، سمجھائی جاتی ، بلکہ اب تو کچھ دن سے اپنے دور نزدیک کے کئی نوجوان عزیزوں کو بھی امیدوار کی حیثیت سے پیش کیا جانے لگا تھا۔

امانی خانم سے امید تھی کہ وہ اس نازک مرحلہ پر ساتھ دیں گی، سہارا بنیں گی لیکن ہما کے آتے ہی انہوں نے بھی رنگ بدلا اور آنکھیں پھیر لیں یا تو ہر وقت وہ صفیہ کی خاطر داشت میں لگی رہتی، اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرتی تھیں یا ۔اب یہ حال تھا کہ وہ تھیں اور ہما، گھنٹوں اور پہروں دونوں میں باتیں ہوا کرتیں کچھ رازدارانہ قسم کی سرگوشیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تو ختم ہونے میں نہ آتا، ان سرگوشیوں کو بجا طور پر وہ اپنے خلاف سازش ہی تصور کرتی تھی۔

چمپا کی ہمدردی اور دل سوزی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ لیکن وہ بیچاری تھی کس شمار قطار میں ؟ نہ ہما اسے منہ لگاتی تھی؛ - - - - - - - - - ،

نہ جمال کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت تھی ، نہ گھر کے دوسرے افراد اسے لائق خطاب سمجھتے تھے۔ حد یہ ہے کہ نوکر تک اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

زہرہ سے دوستی قائم تھی، لیکن اس کے سامنے اپنا دکھڑا روتے اسے شرم آتی تھی وہ اپنے گھر کا قضیہ دوسرے گھر میں بیٹھ کر نہیں طے کرنا چاہتی تھی ۔

آخری سہارا محمود کا تھا ، محمود سے اسے جو لگاؤ تھا ، وہ اب تک قائم تھا۔ اس کے لئے وہ ہر ایثار اور قربانی کر سکتی تھی ؛ - - - - - - - - اس گھر کو چھوڑ سکتی تھی ، بھائی کو چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن محمود کا جہاں تک تعلق تھا ، وہ کسی ایثار پر تیار نہیں تھا۔ وہ صفیہ سے بڑے سے بڑے ایثار کا متوقع تھا۔ لیکن خود ایک قدم بھی آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا، کاروبار

کے لئے صفیہ سے جتنا روپیہ اس نے لیا تھا۔ وہ سب ضائع گیا، دوکان چھوڑ دینا پڑی، بچا کھچا سامان اونے پونے فروخت کر دینا پڑا۔ ملازمت تلاش کی وہ ملی نہیں، جمال سے کسی امداد کی توقع تھی نہیں، بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہوتا اور تلافیٔ مافات کی صورت پیدا کرتا، زبان سے نہیں تو اپنے طرزِ عمل سے متوقع اس کا تھا کہ صفیہ ایک مرتبہ اور اس کی مدد کرے اس کے لئے رقم کا بندوبست کرے اور ظاہر ہے یہ بات ناممکن تھی، اب اس کے پاس تھا کیا جو وہ پیش کرتی!"

بعض دفعہ جی چاہتا کہ خودکشی کر لے، کچھ کھا کر سو رہے، آس پھر ہمت بندھاتی اور وہ سوچتی شاید حالات سدھر جائیں۔ شاید بگڑی بن جائے ادھر کئی روز سے اس نے محمود سے بولنا اور بات چیت کرنا بند کر دیا تھا اس سے دل کھٹکا ہو چکا تھا، وہ خفا تھی۔ اس سے اور خود محمود بھی اس سے خوش نہ تھا، وہ بھی خفا تھا، روٹھا ہوا تھا۔ دن بھر نہ جانے کہاں مارا مارا پھرتا، رات کو اپنی کوٹھڑی میں آکر سو رہتا۔

(۲)

بھابی

دن گزرتے رہے! حالات بگڑتے رہے!

وہی صفیہ جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی، اب مظلومیت کا پیکر نظر آرہی تھی، نہ جمال سیدھے منہ بات کرتا تھا، نہ ہما منہ لگاتی تھی۔ نہ امانی خانم حال دل پوچھتی تھی، نہ چمپا انتہائی ہمدرد ہونے کے باوجود درد کا مداوا بن سکتی تھی۔

آج ہما خانم کا مزاج صبح سے برہم تھا، جب سے وہ ایک بچے کی ماں بنی تھی دماغ چرخ چہارم میں پہنچ گیا تھا، جمال کا برتاؤ پہلے بھی کم نیاز مندانہ نہیں تھا۔ اس کارنامۂ عظیم کے بعد سے تو وہ عقیدت مند ہوگیا تھا۔ وہ جو چاہے کرے کسی میں ہمت تھی کہ اس پر اعتراض کرسکے، اسے روک سکے اسے ٹوک سکے۔

ناشتہ کے بعد جمال تو اٹھ کر کسی کام سے چلا گیا، صفیہ وہیں بیٹھی رہی ہما بالکل اس کے سامنے بیٹھی تھی، یکایک نہ جانے کیا سوچ کر اس نے تیوری چڑھائی۔ پھر تند لہجہ میں گویا ہوئی۔

"اب تو یہاں سے چیزیں بھی چوری ہونے لگی ہیں، سونے کی انگشتری

اتار کر غسل خانہ گئی، واپس آئی تو غائب، میرا وہ قیمتی دوپٹہ جو مجھے بہت عزیز تھا لاپتہ ہوگیا۔ چاندی کے کئی چمچے بھی لاپتہ ہیں، آخر اس طرح کیسے کام چلے گا!

صفیہ چپ چاپ یہ باتیں سنتی رہی، پھر بولی۔

یہ تو بڑے غضب کی بات ہے۔ لیکن ایسا کون ہو سکتا ہے اس گھر میں، ظاہر ہے ملازم ہی ہوں گے یا تو پولیس میں رپورٹ کیجئے یا عملہ بدل دیجئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

دل کی بات زبان پر آگئی۔ ہما نے کہا۔

پولیس میں رپورٹ کر کے خاندان کو بدنام کرنے سے رہی، جس گھر کے دروازے پر بڑے بڑے پولیس افسر سر جھکا کر حاضر ہوا کرتے تھے وہاں معمولی سپاہی اور انسپکٹر تحقیقات کے لئے آئیں یہ تو نہیں گوارا کیا جا سکتا رہا عملہ بدلنے کا سوال تو وہ بھی نہیں بدلا جا سکتا۔

صفیہ مسکراتی ہوئی بولی۔

پھر تو چوری ہوتی رہے گی!"

ہما کو غصہ آگیا، کیسے ہوتی رہے گی!" چور نکال دیا جائے چوری ختم ہو جائے گی۔

صفیہ نے حیرت سے ہما کو دیکھا اور کہنے لگی "کیا آپ نے چور کا پتہ چلا لیا۔" کون ہے وہ؟"

ہما نے فیصلہ کن انداز میں کہا "محمود کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ نکھٹو اور نکما! نہ جانے کیوں دیکھ لی ہے اس گھر کی دہلیز! میں نے تو آج سے اجمال سے کہہ دیا ہے کہ یہ پاپ کاٹیں سنڈا مسٹنڈا آدمی پرائے گھر میں کیوں رہے؟ کیا حق ہے اسے رہنے کا؟"

ہما نے آج صفیہ کی دکھتی رگ پر حملہ کیا تھا، یہ ایسا بھر حاذمرا دیر کے لئے تو وہ چکرا گئی۔

"لیکن بھابی محمود یہاں آکر کس طرح چوری کر سکتا ہے؟ اسے یہاں آئے

کی اجازت نہیں، دن بھر نہ جانے کہاں گھوما کرتا ہے رات کو آکر پڑ رہتا ہے صبح ہوئی اور رخصت —"

ہما نے اب کی پہلے سے بھی زیادہ زبردست حملہ کیا" میں پوچھتی ہوں آخر تمہیں اس غیر مرد سے اتنی ہمدردی کیوں ہے ؟"

" صفیہ جل گئی" لیکن آپ تو ایک غیر مرد سے محبت تک کر چکی ہیں محبت جرم نہیں ہمدردی جرم ہے ؟"

ہما۔ (بے انتہا برافروختہ ہو کر) صفیہ زبان سنبھال کر بات کرو کس غیر مرد سے میں نے محبت کی ؟

صفیہ :۔ جس کے گھر میں اس وقت بیگم بنی بیٹھی ہیں۔

ہما :۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے، ہم دونوں مرتبہ میں برابر ہیں، جو ہم سو وہ جو وہ سو ہم، خاندان، دولت، عزت، کسی چیز میں ہم ایک دوسرے سے کم ہیں ؟ میں نے محبت کی اور ان کی بیوی بن گئی، کیا تم بھی محمود کی بیوی بن سکتی ہو؟

صفیہ :۔ کیوں نہیں بن سکتی ؟ کیا وہ آدمی نہیں ہے ؟

ہما : وہ آدمی ہے، اچھی کہی یہ بھی، خاندان، کنبہ، ذات، نسب کچھ معلوم نہیں، ایک پنچ آدمی سے چلی ہیں —

صفیہ : کیا کہا آپ نے پنچ ؟ یہ کیا چیز ہوتی ہے ؟ خدا نے انسان بنایا ہے اور پنچ پنچ کو تو کوئی اہمیت نہیں دی ہے اور اس لئے نہیں دی ہے کہ آدمی سے آدمیت جدا نہیں ہو سکتی، لیکن دولت چھن سکتی ہے۔ کنبہ خود اس کا بنایا ہوا ایک گھروندا ہے جو ہر آن ٹوٹ سکتا ہے۔ نسب اور نسل کی رکاوٹ بھی خود غرضی اور احساس کمتری کے مریض لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہے ورنہ خدا سب کا ساتھ دیتا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں جتنے بڑے آدمی ... - - - ہوئے ہیں ان میں کم ایسے ملیں گے جو پیدائشی طور پر دولت مند ہوں۔ غریب تھے۔ لیکن ترقی کرتے کرتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے، معمولی خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن اعلیٰ نسب لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، اتنے آگے بڑھ گئے

کہ اعلیٰ نسب لوگ ان کی گرد تک کو نہ پہنچ سکے، ہمارا نسب صرف اس وقت تک ہمارا ساتھی ہے جب تک ہم امیر اور دولت مند ہیں۔ لیکن کل اگر غریب ہو جائیں تو اعلیٰ نسب ہونے کے باوجود کہیں بات بھی نہ پوچھی جائے گی یہ کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئیں آپ ؟"

ہما : بہر حال وہ یہاں نہیں رہ سکتا۔

صفیہ : کیوں نہیں رہ سکتا ؟ کوئی سبب بھی تو ہوگا ؟"

ہما : ہماری مرضی ،

صفیہ : لیکن وہ آپ کے گھر میں تو نہیں رہتا۔

ہما : اور یہ گھر کس کا ہے ؟

صفیہ : میرا، میرے بھائی کا، میرے باپ کا

ہما : (غصہ سے) تمہیں شرم نہیں آتی ایک بدمعاش کی حمایت کر رہی ہو ؟

صفیہ : اس طرح کی باتیں نہ کیجئے، ورنہ پھر میں بھی جواب دینے پر مجبور ہو جاؤں گی۔

ہما : اچھا بھائی میں کوئی بات نہیں کرتی، لیکن کان کھول کر سن لو، محمود اب اس گھر میں نہیں رہ سکتا یا وہ رہے گا، یا میں رہوں گی، جمال کو اختیار ہے۔ ہم دونوں میں سے جسے چاہیں اختیار کر لیں۔

صفیہ : وہ تو آپ کو منتخب کر چکے ہیں۔

ہما : اور تم ؟ — محمود کو ؟

صفیہ : کیا مجھے اس حق نہیں ہے ؟

ہما : ہرگز نہیں ؟ قیامت تک نہیں۔

صفیہ : آپ غلطی پر ہیں، میرا یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔

ہما : (طنز کے ساتھ) ایسی ہی آزاد اور خود مختار ہو تو کر لو نکاح اس سے ذرا ہم بھی دیکھ لیں کہ اس زمانہ کی لڑکیاں کیا کر سکتی ہیں۔

صفیہ : کسی بات کا حق حاصل ہونا اور بات ہے اور اس حق کا استعمال کرنا دوسری چیز ہے مجھے حق ہے کہ اپنی دولت لٹا دوں، لیکن کیا لٹا

دون؟ تعجب ہے اتنی معمولی سی بات بھی نہیں سمجھتیں۔

ہما: ہاں بھئی ہم تو جاہل کاٹھ ہیں۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جمال آگیا۔

جمال کے آتے ہی ذرا دیر کے لئے سلسلۂ گفتگو بند ہو گیا، ہما نے بھی سکوت اختیار کر لیا اور صفیہ نے بھی، وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

اب تک یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔

وہ بولی "قسمت کو رو رہی ہوں"

جمال کے ماتھے پر بل آ گئے "کیا کہا قسمت کو رو رہی ہو؟ کیوں کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا!"

ایک آہ سرد کے ساتھ ہما نے وہ ساری باتیں دہرا دیں جو ابھی انہیں اور صفیہ میں ہوئی تھیں، جمال کا ایک ایک بات پر چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا جب ہما سب کچھ چکی تو جمال بادل کی طرح گرجا۔

"صفیہ ـــ"

صفیہ اسی خاموشی اور سنجیدگی سے بیٹھی رہی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

جمال نے ہما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"وہی ہوگا جو تم چاہتی ہو، محمود یہاں نہیں رہ سکتا، اسے اس گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے ابھی یہاں آتے ہی وہ مجھے ملا تھا اور میں نے اس سے صاف کہہ دیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کل تک یہاں سے بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائے، ۲۴ گھنٹہ کی مدت کے بعد اگر ہمارے احاطہ میں نظر آیا تو اس کا سامان سڑک پر پھینکوا دیا جائے گا اور اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

یہ خوش خبری سنا کر جب جمال نے صفیہ کی طرف دیکھا تو وہ جا چکی تھی اس نے ہما سے پوچھا۔

"کیا چلی گئی؟"

ہما نے زہر خند کرتے ہوئے جواب دیا، "بھلا محمد کی برائی کس طرح سن سکتی

تھی، اسے سمجھانے گئی ہو گی - میں کہتی ہوں یہ لڑکی جو ظاہر میں اسی بھولی بھالی اور نیک نظر آتی ہے اتنی چالاک ہے، یہ بات نہیں میری سمجھ میں کسی طرح بھی نہیں آتی کہ آخر اسے محمود سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے، کئی دفعہ کہہ چکی ہوں اور ایک مرتبہ پھر کہتی ہوں، خیریت چاہتے ہو تو جلد از جلد لڑکی کا بیاہ کر دو کہیں، خود میرے خاندان میں کئی خوبصورت اور دولت مند نوجوان موجود ہیں۔ لیکن تمہاری سمجھ میں بھی تو آئے -

جمال نے بے پروائی سے کہا:" اس کی شادی اگر ہو گی تو ہماری مرضی سے ہماری پسند سے، ورنہ نہیں ہو گی - کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

" ہمانے سوال کیا، لیکن شادی ہو جانے میں حرج کیا ہے؟"

جمال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا -

کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جلدی بھی کیا ہے؟ شاید تمہارا خیال ہے کہیں محمود سے پینگ زیادہ نہ بڑھ جائیں، تو اس کا سدباب تو میں نے کر دیا اب وہ اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا!"

اتنے میں بچہ کے رونے کی آواز ساتھ والے کمرے سے آئی، ہما باتوں کا سلسلہ منقطع کر کے دوڑی -

"میرا بچہ ــــ"

جمال بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچا، روتا ہوا بچہ ہما کی گود میں تھا اور اب مسکرا رہا تھا، جمال نے ہلکے سے اس کے گال کو تھپتھپایا، پھر اس سے مخاطب ہو کر گویا ہوا -

" کیوں بے؟ کیوں چیخ رہا تھا؟"

لیکن اس کا تبسم قائم تھا، وہ بھی التفات کے ساتھ ماں کی گود میں ہمکنے لگا- جس کے معنی یہ تھے کہ یہاں جی گھبراتا ہے تم گود میں لو، ہمانے خفا ہوتے ہوئے کہا -

" کتنے ظالم ہیں آپ کھڑے ٹک ٹک دیکھ رہے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ گود میں لے لیں -"

جمال نے عذر پیش کیا۔ پیشاب کر دے گا۔ میں اس چھیچھا لیدر کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا؟

لیکن بچہ کو اس کش مکش سے جو ہما اور جمال میں ہو رہی تھی ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی ننھی ننھی بانہیں جمال کی طرف بڑھائیں اور ناکام ہو کر رونے لگا۔ اب جمال ضبط نہ کر سکا ایک قدم آگے بڑھا اسے گود میں لیکر بولا

"بڑے ضدی ہو — اور اگر نہیں بھی ضد آجاتی تو؟"

وہ مسکرانے لگا، جمال نے اُسے کلیجہ سے لگا لیا اور کہا۔

"صورت تو اچھی خاصی ہے تمہاری آخر کس ماں کے بیٹے ہو؟"

ہما ہنسنے لگی، آپ تو اس طرح باتیں کر رہے ہیں، جیسے وہ سمجھ رہا ہے اور جواب دے گا۔"

"وہ تمہاری ناسمجھی کی باتوں پر رو رہا ہے۔ دیکھ لیا میرے لڑکے کو کتنا ذکی اور فہیم ہے۔ اچھا بھئی سنبھالو، اپنا یہ تام جھام، ہم چلے؟"

تمہاری ناسمجھی کی باتیں۔ بچہ جمال کی گود سے پھر ہما کی گود میں آگیا۔ باپ سے جو تکلیف پہنچی تھی، اس سے بددل ہو کر ماں کی گود میں سکون پایا اور پھر اٹکھیلیاں کرنے لگا، ہما نے اسے پیار کرتے ہوئے جمال سے کہا۔

تو کیا واقعی محمود کو نکال دیا ہے آپ نے؟ سچ چلا جائے گا وہ اس گھر سے؟"

جمال نے جواب دیا:" جھوٹ بولنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی مجھے۔ ہاں بھئی واقعی میں خود اس سے ہمیشہ سے جلتا ہوں، وہ تو صفیہ آڑے آتی رہی، اس لئے چپ رہا۔ پھر سوچا، چلو ایک کوٹھڑی میں پڑا ہے پڑا رہنے دو لیکن سوال یہ تھا کہ کب تک؟ اس سوال کا جواب آج اسے مل گیا۔"

ہما خوش ہو گئی کہنے لگی، یہ تو بہت اچھا ہوا، لیکن یہ حرامزادی چمپا یہ بھی ایک آنکھ مجھے نہیں بھاتی، میرے خیال میں تو یہ کٹنی ہے، محمود اور صفیہ کے درمیان اصل واسطہ یہی ہے، اسے بھی نکلنا چاہیئے کل اماں خانم بتا رہی تھی۔

بس کی پڑیا ہے یہ عورت —

ننھا پھر رونے لگا۔ اور وہ اسے چمکارنے میں لگ گئی جمال نے ایک سگریٹ سلگایا اور دوسرے کمرہ میں آگیا۔

(۳)

نازک بہت ہے شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا۔

ہما کی باتوں سے اگر صفیہ کے شیشۂ دل میں بال آگیا تھا، تو جمال کی باتوں سے وہ ٹوٹ گیا، پھر وہاں بیٹھنا ناممکن ہوگیا۔ اس نے سوچا، محمود ضرور اس وقت موجود ہوگا، نہ ہوتا تو بھائی جان اسے وارننگ کیسے دیتے؟ اس سے باتیں کروں، مانا کہ میرا دل اس سے کھٹا ہوگیا ہے، بات چیت بند ہے۔ لیکن اس کے سوا اور کون ہے جس کے سامنے دل کھول کر رکھ سکوں؟ جس سے دل کی باتیں کر سکوں؟ جس کی ذات سے آس گھر میں اس ماحول میں ان لوگوں میں رہنا اب دوبھر ہو جائے گا۔

کاش محمود کسی قابل ہوتا وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا، ایسا ہوتا تو یہ مشکلیں آسان ہو جاتیں۔ اسی وقت اٹھ کھڑی ہوتی اور رخصت ہو جاتی یہاں سے لیکن جب تک سانس تب تک آس، مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں اسے ٹٹولنا چاہیئے، دیکھنا چاہیئے، اس کے عزائم کیا ہیں؟ اس ناکامی سے جو دوکان ختم کر کے ہوئی، اس ذلت سے جو بھائی جان کی گفتگو سے آج ہوئی ہے۔

اس نے کچھ سبق حاصل کیا یا نہیں؟ کاش عشق کرنے کے ساتھ وہ عشق

کی ذمہ داریوں کو بھی محسوس کر سکے۔

یہی کچھ سوچتی وہ اس کوٹھڑی میں پہنچی، جہاں محمود رہتا تھا، لیکن وہ موجود نہ تھا!

کہاں گیا؟ کیا رخصت ہو گیا؟ چلا گیا؟

لیکن نہیں اس کا سامان اور بستر تو موجود تھا، یوں نہیں جا سکتا۔ وہ آئے گا کہیں ادھر اُدھر چلا گیا ہوگا، کچھ دیر کے لئے۔

چمپا کی کوٹھڑی بھی پاس ہی تھی، سوچا۔ یہیں سہی وقت گزاری کے لئے اس کی داستان سرائی کام دے جائے گی، وہ بیٹھی اپنے پرانے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی صفیہ نے دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"کیا کر رہی ہو چمپا — ؟"

اس نے کپڑے سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے اور بولی ؟"

کچھ نہیں، وہاں کیوں کھڑی ہو بیٹی اندر آجاؤ۔

صفیہ آکر اس کے قریب بیٹھ گئی، پھر پوچھا" محمود کو تو نہیں دیکھا تھا تم نے ؟"

چمپا نے بتایا، "ابھی تو یہاں بیٹھا تھا شاید چلا گیا ہو گا۔ آج وہ بہت مایوس اور پریشان تھا، نہ جانے بھیا کیوں ہاتھ دھو کر غریب کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

"کچھ تمہیں معلوم ہوا ؟"

صفیہ سمجھ گئی، چمپا کیا بتائے گی! لیکن اس نے کہا۔

"ہمیں تو نہیں جانتی کچھ، کوئی خاص بات ہے ؟"

چمپا نے رازدارانہ انداز بتایا، آج بھیا نے اسے حکم دے دیا ہے کہ گھر خالی کر دو۔ اب یہاں کبھی نظر نہ آنا، اگر دکھائی دیئے تو سامان باہر پھینک دیا جائیگا اور تمہاری پولیس میں رپٹ کر دی جائے گی، بندھے بندھے پھرو گے۔ آج کو اگر میاں زندہ ہوتے، خدا جنت نصیب کرے تمہاری ماں زندہ ہوتی تو کہہ سکتا تھا کوئی اس سے کہ چلے جاؤ یہاں سے!"

صفیہ نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا۔

"زمانہ سدا یکساں نہیں رہتا!"

چمپا نے تائید کی۔ ہاں بیٹی سچ ہی تو کہا تم نے، زمانہ واقعی سدا یکساں نہیں رہتا۔ ان آنکھوں نے اس گھر میں کیا کیا نہیں دیکھا ہے اور اب کیا نہیں دیکھ رہی ہیں؟ ایک وہ زمانہ تھا، پہلے کا زمانہ اب خواب ہو گیا۔۔

شاید چمپا کی تقریر اور جاری رہتی کہ صفیہ نے سوال کیا۔

تو پھر محمود نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

وہ بے انتہا ہمدردی کے لہجہ میں بولی، بیچارہ کیا فیصلہ کرے گا! کیا کر سکتا ہے، نہ علم پاس، نہ ہنر سے واقف، نہ دولت جیب میں کر ہی کیا سکتا ہے وہ؟ کچھ نہیں!"

صفیہ نے پھر سوال کیا۔

"لیکن کچھ بتایا تو ہوگا، اب کیا ارادہ ہے، جب بھائی جان نے ایسا سخت حکم نافذ کر دیا اور انہیں زیادہ سے زیادہ کل تک یہاں سے رخصت ہو جانا ہے تو ہاتھ پاؤں ہلانے ہی پڑیں گے!"

چمپا نے بتایا: "وہ تو کہہ رہا تھا، بھیا سے معافی دلا دو!"

یہ الفاظ سن کر صفیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے گرجتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

کہہ رہا تھا، معافی دلا دو جمال میاں سے!"

"بے غیرت"—

صفیہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی، اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

چمپا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کسے کہہ رہی ہو بیٹیا؟ کیا محمود کو؟"

"اور کسے کہوں گی؟"

"لیکن اس نے کیا کیا!"

"اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ وہ بھائی جان سے معافی مانگنے کو تیار ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے وہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے

نہیں ہو سکتے، ان میں با عزت زندگی بسر کرنے کا ولولہ ہی نہیں، وہ چاہتے ہی نہیں کہ اپنی زندگی بنائیں، وہ چند روٹیوں پر چند روپیوں پر چند کپڑوں پر قناعت کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں چمپا وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔

میں ان سے محبت نہیں کر سکتی، میں رسم وفا نہیں نباہ سکتی، میں ہرگز ان کی رفیقۂ حیات نہیں بن سکتی ——

ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں —

چمپا نے زبان سے کچھ نہیں کہا، حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بولی —

یہ آخری امتحان تھا محمود کا، لیکن وہ بری طرح فیل ہو گئے۔ قدرت نے یہ آخری موقعہ دیا تھا سنبھلنے کا لیکن وہ گر پڑے، قدرت بار بار موقع نہیں دیتی، بھائی جان نے انہیں حکم دیا تھا۔ جو ذلت کی تھی ان کی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ جوش عمل سے بھر جاتے کل کے بجائے آج ہی حویلی خالی کر دیتے پھر کبھی انہیں منہ نہ دکھاتے۔ جو کچھ کر سکتے کرتے۔

نہ کر سکتے تو خودکشی کر لیتے، مر جاتے، لیکن یہ مردانہ کام ان سے نہ ہو سکے گا بزدلوں کی طرح انہوں نے گردن ڈال دی اور تم سے گھگھیا گھگھیا کر التجا کرنے لگے کہ معافی دلا دو — معافی دلا دو یعنی اس بات کی اجازت دلا دو کہ وہ ملازموں کی کوٹھڑی میں رہ سکیں، نوکروں کے ساتھ، نوکروں کا کھانا کھا سکیں، ایک ایسے شخص کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر سکیں، جو انہیں ذلیل سمجھتا ہے جو ان کی دن میں کئی مرتبہ ذلت کرتا رہتا ہے کیا ایسے کھانے سے بھوکا مر جانا بہتر نہیں ہے کیا ایسے گھر سے سڑک پر سو رہنا بہتر نہیں ہے؟ — چمپا میں محمود سے بالکل مایوس ہو چکی ہوں۔ تم ان سے کہہ دینا کہ اگر بھائی جان نے معاف بھی کر دیا، اس گھر میں رہنے کی اجازت دے بھی دی، تو میں نہیں رہنے دونگی انہیں یہاں، میں ایسے آدمی کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی!"

چمپا نے سفارش کرتے ہوئے کہا "ارے بیٹی یوں نہ کہہ وہ تو محبت کرتا ہے

تجھ سے، کلمہ پڑھتا ہے تیرا اگر تو ایسی باتیں کرے گی، تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا، یہ باتیں تیر کی طرح اس کے دل پر لگیں گی وہ تو خیر ہوئی کہ وہ اس وقت یہاں نہیں ہے، ورنہ تم نے تو سارا کھیل بگاڑ دیا تھا بیٹی! اور تو مایوس کیوں ہوتی ہے کبھی دن بڑے کبھی کی راتیں، وہ زمانہ بھی آئے گا، جب محمود اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا؟"

صفیہ نے جل کر کہا، ہاں وہ زمانہ آئے گا، جب میں مر چکی ہوں گی۔

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چپ چاپ باہر نکل آئی، جب وہ باہر نکل رہی تھی، محمود دروازے سے کھڑا ساری باتیں سن رہا تھا، اُسے آتا دیکھ کر دروازہ کی اوٹ میں ہو گیا۔ اور وہ نکل کر چلی گئی۔

(۴)

دل لگی

چمپا سے یہ تند اور تلخ باتیں کر کے اس کی ذہنی اور قلبی کوفت میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ آس اور امید سے کر یہاں آئی تھی، لیکن یہاں آکر مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا اسے آج واقعی وہ بہت ملول اور دل گرفتہ تھی، اس کا خیال تھا آج کا رن محمود کی تعمیر حیات کا پہلا دن ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل باطل ہوا چمپا سے جو کچھ اسے معلوم ہوا، اس سے یقین ہو گیا کہ یہ راہ راست پر نہیں آسکتا زندگی کے ولولہ سے محروم ہو چکا ہے قناعت اور آرام طلبی کا خوگر ہو گیا ہے۔

باہر آکر کھڑی کھڑی کافی دیر تک وہ سوچتی رہی کہ اب کیا کرے کہاں جائے؛ اس وقت ہما اور جمال سے وہ اتنی برہم تھی کہ کسی طرح بھی ان دونوں کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی، آخر وہ زہرہ کے ہاں پہنچ گئی زہرہ نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"ارے یہ چاند کدھر سے نکل آیا؟"

صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور چپ چاپ آکر بیٹھ گئی، زہرہ نے ایک نظر اس کے سراپا پر ڈالی پھر بولی۔

کچھ افسردہ سی نظر آرہی ہو؟ کہیں ہما سے، یا جمال صاحب سے ان بن تو نہیں ہو گئی۔

صفیہ نے ایک افسردہ تبسّم کے ساتھ جواب دیا۔

"میں کسی سے نہیں لڑتی، یہ میری عادت ہی نہیں ہے لیکن تم نے پہچانا خوب واقعی آج طبیعت کچھ افسردہ سی ہے نہ جانے کیوں؟

زہرہ نے کہا "نہ جانے کیوں؟" گویا یہ جانتی ہی نہیں اور اگر ہم بتا دیں تو؟

صفیہ مسکرانے لگی، بتا کیوں نہیں دیتیں؟

زہرہ نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"تم تو کسی سے نہیں لڑیں لیکن تم سے ضرور کوئی لڑا ہے؟ ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی!"

صفیہ ہنسنے لگی، زہرہ کے اس انکشاف کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی "زہرہ ایک بات بتاؤ تو جانیں، ایسے بنتی تو بڑی ارسطو اور افلاطون ہو"

زہرہ نے کہا، ارسطو اور افلاطون بننے کی تو میں نے کبھی جرأت نہیں کی لیکن پوچھو!"

صفیہ نے پہلو بدلتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لوگ اس قدر جلد بدل کیسے جاتے ہیں؟ جب تک غرض اٹکی ہوتی ہے ان سے بڑھ کر با اخلاق، مخلص، دوست، اپنا کوئی نہیں ہوتا، غرض نکلی کام بنا اور ان کی آنکھیں بدلیں، آنکھوں کے بدلنے کے ساتھ ہی زبان بگڑی، اخلاق بگڑا۔ اپنایت ختم، دوستی دشمنی کے روپ میں — یہ کیا زہرہ؟ ایسا کیوں ہوتا ہے!؟"

یہ باتیں کچھ ایسے درد کے ساتھ صفیہ نے کہیں کہ زہرہ پریشان ہو گئی اس نے کہا۔

"ضرور کوئی خاص بات ہے — کیا ہم سے بھی چھپاؤ گی؟"

صفیہ کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں، لیکن اس نے آنسوؤں کو حلقۂ چشم سے باہر نہیں نکلنے دیا، پھر بولی۔

دور کیوں جاؤ، ہما کو لے لو جب تک بھائی جان سے اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، جب ملتی تھی، اس طرح جیسے اس کی راتیں میرے فراق میں کٹتی ہیں اس کے دن میری یادیں بسر ہوتے ہیں، میرے اشارۂ چشم پر رقصاں رہتی تھی، مجھ سے بڑھ کر اس کی نظر میں کوئی نہ تھا، لیکن جب وہ بھائی جان کی بیوی بن کر اس گھر میں آ گئی اس گھر کی مالک بن گئی، بھائی جان کو پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا تو آنکھیں پھیر لیں۔ چند دن کے بعد ہی نہ دیر بدل گیا ۔ کچھ عرصہ تک اکھڑی اکھڑی رہی اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ میری دشمن ہے، میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ بار بار اپنا جائزہ لیتی ہوں، شاید کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو مجھ سے، لیکن کوئی ایسی بات نہیں آتی!"

اتنا کہہ کر صفیہ چپ ہو گئی، زہرہ غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی وہ بولی ۔

ہما کا مزاج واقعی کچھ عجیب سا ہے لیکن تم جیسی نیک اور پیاری لڑکی سے یہ طرز عمل اختیار کرے گی، اس کا تو مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا، لیکن اس دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے میری بہن، چھوڑو اس خیال کو، تمہیں لینا بھی کیا ہے ہما سے، وہ تمہارا بگاڑ بھی کیا سکتی ہے؟ ہما اچھی بھابی ہو یا نہ ہو لیکن جمال صاحب تو اچھے بھائی بہر حال ہیں اور یہ کافی ہے ۔

" صفیہ نے سوال کیا یہ تم نے کیسے جان لیا کہ جمال صاحب بہر حال اچھے بھائی ہیں؟

" زہرہ غرق حیرت ہو کر یہ باتیں سنتی رہی، پھر بولی،" تو کیا وہ بھی ہما کے ساتھ ہیں؟"

" وہ تو ہما سے اندھی محبت کرتے ہیں، ساتھ کیسے نہ ہوں گے؟"

یہ تو واقعی بڑی تکلیف دہ بات ہے، ایک ہمارے بھائی جان ہیں۔

"ہاں میں جانتی ہوں، احسان صاحب کتنے اچھے آدمی ہیں، وہ اگر چاہیں بھی تو تمہارے ساتھ سختی نہیں کر سکتے میرے خیال میں تو وہ کسی کے ساتھ نہیں کر سکتے؟

"خوب اندازہ لگایا تم نے واقعی یہی بات ہے، بھائی جان بیچارے اتنے نیک ہیں کہ کیا کہوں! مجھے خوشی ہے کہ تم انہیں پسند کرتی ہو!"

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم بھائی بہن سے تعارف، ملاقات اور تعلقات قائم کرنے کا موقع ملا، ورنہ میں تو شاید دیوانی ہو جاتی —

آج احسان صاحب نظر نہیں آئے کہیں باہر گئے ہیں؟"

ہاں باہر گئے ہیں۔ علاقہ کی دیکھ بھال کو جب تک خود نہ جائیں وصول ہی نہیں ہوتا کچھ۔ انہیں گئے ہوئے تو کئی دن ہو گئے ہیں، آج آجانا چاہیے شاید آتے ہی ہوں تھوڑی دیر میں؟"

"احسان صاحب کی شادی نہیں ہوئی ابھی تک؟"

"نہیں —

"اور تمہاری بھی نہیں؟"

"ہاں میری بھی نہیں؟"

"یہ کیا مذاق ہے؟ تم بھی کر دو، انہیں بھی کہیں ناتھ دو!"

(ہنس کر) اور تمہاری ہو گئی؟"

"جیسے انہیں معلوم ہی نہیں — کہاں ہوئی!"

"تو کب ہو گی؟"

"جب تمہاری ہو چکے گی!"

"اور اگر میں نہ کروں!؟"

تو میں بھی یوں ہی بیٹھی رہوں گی زندگی بھر!"

"یہ بھی اچھی رہی!"

اچھی کیوں نہیں رہی، دوستی کے معنی ہی یہی ہیں، ہم تو بھائی ایسی ہی دوستی کے قائل ہیں! البتہ بھائی جان کے لئے فکر ہے، ان کی شادی ہو جانی چاہیے

آخر کب تک بیٹھے رہیں گے یوں ہی؟ خاندان کا نام تو انہی سے چلے گا!"
نہیں زہرہ، یہ سب باتیں ہیں، نام نہ خاندان سے چلتا ہے نہ اولاد سے، نہ دولت سے، نہ شہرت سے؟

"اے واہ، پھر کاہے سے چلتا ہے!"

"حسنِ عمل سے ــ جس طرح ہمارے ابا کا نام چل رہا ہے کاش نہ چلتا!"

ہاں یہ تو ٹھیک کہتی ہو، لیکن ــ

اتنے میں احسان آ گیا، اسے آتا دیکھ کر دونوں کھڑی ہو گئیں۔ صفیہ پر نظر پڑتے ہی احسان کے چہرے پر رونق آ گئی، ساری ماندگی رفع ہو گئی، ایسا معلوم ہوا جیسے بن مانگے، بے سان و گمان، کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی، اس نے صفیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"آہا، آپ بھی تشریف رکھتی ہیں؟"

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی، جی ہاں آپ کے استقبال کو!"

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میرے استقبال کو، کون سا ایسا معرکہ سر کر کے آ رہا ہوں؟"

سنا ہے تحصیل وصول کے لئے تعلقہ پر تشریف لے گئے تھے جیبیں بڑے بڑے نوٹوں سے بھر کر لائے ہوں گے، اور کچھ نہیں تو ایک دعوت ہی اڑا لیں گے ہم بھی؟"

دعوت کا تعلق نوٹوں سے کیا ہے، غریب خانہ آپ کا ہے ہر روز اور ہر وقت دعوت ہو سکتی ہے ــ زہرہ۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لپ جھپ چند منٹ میں چائے اور چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات ایک ملازمہ کے سر پر اٹھوا کر لے آئی، احسان نے صفیہ سے کہا۔

لیجئے ایک چھوٹی سی دعوت تو ابھی ہو گئی؟"

"صفیہ مسکراتی ہوئی بولی، تو کیا اس چھوٹی سی دعوت پر ٹرخا دیجئے گا؟ یہ نہیں ہونے کا؟"

زہرہ بول پڑی، ذرا کچھ وقت تو گزرنے دو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہم سے لڑ کر کیا آئی ہو، فاقہ سے آئی ہو، ۔۔۔۔۔۔ کھانا کھا کر جانا تیار ہو رہا ہے بڑے مزے کی چیزیں ہیں!

صفیہ مسکرانے لگی، چائے پیتے ہوئے اس نے کہا، خیر تم کہتی ہو تو کھالوں گی۔ لیکن دعوت تو بہر حال ادھار رہے گی!"

احسان نے ایک گھونٹ پی کر پیالی میز پر رکھی اور بولا، بے شک، بے شک وہ تو ہو گی اور ضرور ہو گی۔ لیکن زہرہ تم ہم سے ان کی (صفیہ کی) لڑائی کا کیا کہہ رہی تھیں؟ کیا انہیں لڑنا بھی آتا ہے؟ اگر تم نے ہاں میں جواب دیا تو میں کہوں گا کہ تم سے بڑھ کر جھوٹا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔"

زہرہ ہنسنے لگی، واہ بھائی جان آپ نے تو تقریر شروع کر دی، پوری بات تو سن لی ہوتی "

اور پھر اس نے پوری بات سنا دی، احسان کے چہرے پر تکدر اور انقباض کے آثار پیدا ہوئے، لیکن اس نے پھر اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا۔

بڑی دیر تک ان تینوں کی مجلس جمی رہی، دوپہر کا کھانا بھی زہرہ اور احسان نے زبردستی صفیہ کو ساتھ کھلایا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اجازت لے کر رخصت ہو گئی۔

احسان اور زہرہ اسے دروازے تک پہنچانے آئے یہ لوگ اسے رخصت کر کے مشکل سے چند قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ صفیہ کے چیخنے کی آواز آئی دونوں تیزی سے لپکے، چند قدم کے فاصلہ پر صفیہ لہولہان چیخ رہی تھی اور ایک کتا اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ احسان نے کتے کو مار کر بھگا دیا۔ لیکن اس نے کئی جگہ اسے کاٹ لیا تھا۔ پنڈلی میں دو بڑے زخم آئے تھے اور کافی خون نکل گیا تھا۔ اس میں کھڑے ہونے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، احسان اور زہرہ اسے لاد کر اپنی کوٹھی میں لائے، بستر پر لٹا دیا۔

(۵)

ہما

صفیہ کو کمرہ میں لے جا کر بستر پر لٹانے کے بعد احسان نے فوراً کار نکالی اور ڈاکٹر کو لینے چلا گیا، اس خاندان کا علاج ڈاکٹر نعیم کیا کرتے تھے وہ شہر میں رہتے تھے ویسے بھی اس دیہات کے مقام پر کوئی ڈاکٹر پریکٹس نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا شہر گئے بغیر چارہ نہیں تھا، اور وہ یہاں سے کئی میل کے فاصلے پر تھا، خوش قسمتی سے ڈاکٹر صاحب گھر پر مل گئے احسان نے انہیں سارا واقعہ بتایا، آدمی شریف اور معقول تھے، فوراً اپنا ساز وسامان لے کر ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے، انہوں نے بڑی توجہ اور انہماک سے مریض کا معائنہ کیا، زخم دھوئے، مرہم پٹی کی انجکشن لگائے، کتے کے متعلق تفتیش کی کہ پاگل تو نہیں تھا؟ اس طرف سے مطمئن ہو کر انہوں نے کہا۔

خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے زخم بے شک گہرے ہیں لیکن دس پندرہ روز میں مندمل ہو جائیں گے ایک زخم تو بالکل ایڑی میں آیا تھا جس نے صرف نقل وحرکت بلکہ جنبش تک میں دشواری پیدا کر دی تھی۔ ڈاکٹر نعیم نے چلتے وقت ہر روز آنے، انجکشن لگانے اور دیکھ بھال کرنے

کا وعدہ کیا اور تاکید کر دی کہ پانچ سات روز تک مریض کو بستر سے بالکل نہ اُترنے دیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد احسان نے سوچا اب جمال کو خبر کر دینی چاہیے وہ سیدھا اس کے پاس پہنچا، ہما برآمدہ میں بیٹھی کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔ احسان کو آتا دیکھ کر مسکرائی اور کہنے لگی۔

آج آپ کہاں کا راستہ بھول پڑے؟

احسان نے ساری سرگذشت سنائی اور کہا، میں اس لئے آیا تھا کہ آپ اور جمال صاحب چل کر انہیں دیکھ لیں۔ ویسے ڈاکٹر نے چند روز تک نقل و حرکت کی ممانعت کر دی ہے اور مکمل آرام کی ہدایت کی ہے کچھ اس لئے کہ زخم ایڑی میں ہے ذراسی بے احتیاطی سے کھل جائے گا اور زیادہ تر اس لئے کہ اس حادثہ کا شاک ایسا لگا ہے کہ ان کے دل و دماغ پر بھی گہرا اثر پڑا ہے۔

ہما ہنسنے لگی، ڈاکٹر تو پاگل ہے، یہ کون سا ایسا حادثہ ہے جس پر اتنی لمبی چوڑی ہدایتیں دی جا رہی ہیں، کتنے ہی نے کاٹا ہے کوئی شیر نے تو نہیں جھنجھوڑ ڈالا ہے چائے سے شوق کیجئے گا؟

ہما کی اس بے پروائی اور سنگ دلی پر احسان کو سخت حیرت ہوئی وہ سوچنے لگا، یہ عورت آخر صفیہ سے کیوں جلتی ہے اور جلتی بھی ہے تو اتنا کہ اتنے سخت حادثہ کو ذرا اہمیت نہیں دیتی؟ لیکن یہ ان دونوں کا نجی معاملہ تھا، انہیں دخل دینے کی اسے ضرورت نہ تھی! البتہ اس موقع پر چائے کے ذکر سے اسے ضرور کوفت ہوئی اس نے کہا۔

"نہیں چائے تو نہیں پیوں گا!"

ہما نے اصرار بھی نہیں کیا، پھر کچھ سوچتے ہوئے احسان نے کہا۔

آپ اگر چاہیں تو مس صفیہ کو یہاں لے آئیں، لیکن شاید اس حالت میں انہیں یہ تکلیف دینا مناسب نہ ہو، زہرہ ان کی بہت اچھی طرح تیمارداری کرے گی پھر جب وہ ٹھیک ہو جائیں گی تو آ جائیں گی۔

ہما ہنسنے لگی ، اور گویا ہوئی ’’ٹھیک ہے وہیں سہی ، جب ڈاکٹر نے بھی نقل و حرکت کی اجازت نہیں دی ہے اور زخم بھی ایسا ہے کہ اسے تکلیف دینا مناسب نہیں تو چند روز وہیں رہ جائے گی ، تو کیا ہو جائے گا اور — اگر زندگی بھر وہیں رہے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہو گی ؟

یہ چبھتے ہوئے الفاظ سن کر احسان کچھ جھینپا بھی ، لیکن موقعہ بحث کرنے یا الجھنے کا نہیں تھا ، چپ ہو رہا ، لیکن ہما نے ایک چٹکی اور لی -

احسان صاحب صفیہ سے آپ کی ہمدردی کا نظارہ دیکھ کر میں بہت متاثر ہوئی اور اگر وہ شریف ہے تو شاید زندگی بھر آپ کے اس احسان کو فراموش نہیں کر سکے گی - لیکن احسان صاحب ایک بات تو بتائیے ، کیوں ہے اتنی ہمدردی آپ کو اس سے ؟

احسان تنک گیا اس نے کہا ’’اس طرح زخمی ہو کر دیکھ لیجیے ، آپ سے بھی اتنی ہی اور ایسی ہی ہمدردی کروں گا ، اس چیز کا تعلق تو انسانیت سے ہے !‘‘

وہ تو میں مانتی ہوں آپ انسان ہیں ، اور بڑے اچھے انسان ہیں لیکن ہر انسان کا رویہ دوسرے انسان کے ساتھ مختلف ہوتا ہے آپ صفیہ کے لئے جتنے اچھے انسان ہیں میرے لئے نہیں ہو سکتے ، صفیہ محمود کے لئے جتنی اچھی انسان ہے شاید آپ کے لئے نہیں ہو سکتی !‘‘

محمود کا نام سن کر احسان چونک پڑا ، کچھ انجانے سے خیالات اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے کچھ مبہم سی باتیں اس کے پردۂ دماغ سے ٹکرانے لگیں ، کچھ دوسروں سے سنی ہوئی باتیں جن پر کبھی نہ اس نے غور کیا تھا نہ توجہ کی تھی اسے مکمل طور پر یاد آنے لگیں اور خود محمود بھی اس کی چشم تصور میں آ کر بس گیا ، وہ ہٹا کٹا ، خوبصورت ، تنومند جوان رعنا ، جس سے وہ ایک مرتبہ مل بھی چکا تھا جس کے بارے میں صفیہ نے شاید پہلی ملاقات کے موقع پر کچھ اس طرح کے الفاظ کہے تھے ، یہ ہمارے رکن خاندان ہیں جسے جمال نے بہت زیادہ ذلیل کیا تھا ؟

وہ سوچنے لگا، صفیہ نے اتنی اہمیت کیوں دی تھی — ؟

جمال نے اسے برسرِ عام ذلیل کیوں کیا تھا؟

اور جب جمال نے اسے ذلیل کیا تھا، تو صفیہ کا چہرہ کیوں اُتر گیا تھا وہ ملول افسردگی کیوں ہو گئی تھی؟ وہ دل گرفتہ اور پریشان کیوں نظر آنے لگی تھی؟

اور ہما نے اس وقت ایسے انداز میں، جس میں طنز بھی ہے تمسخر بھی اس کا ذکر کیوں کیا۔

آخر یہ محمود کون ہے؟ صفیہ کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

یہ ساری باتیں بڑی تیزی سے اس کے دماغ میں آئیں آخر وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا، اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"محمود — ؟ یہ کون شخص ہے؟"

ہما مسکراتی ہوئی بولی۔

"ہے ایک شخص، لیکن نہ جانے کون؟ نہ ذات معلوم، نہ خاندان جاہل کا لٹھ صفیہ کے والد رحم کھا کر اسے کہیں سے لاوارث حالت میں لے آئے تھے۔ امانی خانم تو کہتی تھیں بھیک مانگا کرتا تھا —"

احسان نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، خیر غریب ہونا، یا بھیک مانگنا کوئی جرم نہیں ہے لیکن اس گھر سے اس کا کیا تعلق ہے؟

ہما نے رسالہ ایک طرف پھینکتے ہوئے جواب دیا۔

"گھر سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، نہ ہوگا، نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اب اسے یہاں سے نکال بھی دیا گیا ہے لیکن —

پھر وہ شوخ آنکھوں سے دیکھتی ہوئی مسکرانے لگی اور بولی۔

"لیکن صفیہ کو اس سے بڑی ہمدردی ہے، بہت زیادہ، دراصل اب تک صفیہ ہی کی وجہ سے یہاں پڑا تھا، لیکن جب سر سے پانی اونچا ہو گیا تو نکالنا پڑا —

"ایک نئی بات معلوم ہوئی، سر سے پانی اونچا ہو گیا

وہ بولی نہ جانے ان دونوں میں کیوں اتنا ربط ضبط ہے؟ میرا مطلب ہے صفیہ اور محمود میں لاکھ لاکھ روکا، مگر کیا مجال ہے جو کوئی اثر ہوا ہو، اماں خانم سے برابر اطلاع ملتی رہی کہ صفیہ اس کے کمرے میں جاتی ہے اور گھنٹوں میٹھی باتیں کرتی رہتی ہے وہ رہتا ہے سرونٹ کوارٹر میں اُسے یہاں کوٹھی میں آنے کی اجازت ہے نہیں، وہاں صفیہ کا جانا مجھے بھی ناگوار تھا اور انہیں (جمال) کو بھی آخری علاج یہی نظر آیا کہ اسے چلتا کر دیا گیا۔؟ دونوں ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں، بچپن کے ساتھی! اور یہ رشتہ بڑا گہرا، بڑا مضبوط اور بڑا اٹوٹ ہوتا ہے ایسے میں یہ نہیں کہتی کہ دونوں میں خدا نہ کرے کوئی بات تھی، لیکن لوگوں کی چہ میگوئیوں سے بھی تو بچنا چاہیئے!

چہ میگوئیاں؟ — احسان نے سوال کیا۔

ہما بولی "ہاں، لوگوں کو تو بات کا بتنگڑ بنانے میں لطف آتا ہے بھلا غور کیجئے، کہاں صفیہ، کہاں محمود، کوئی نسبت ہے دونوں میں؟ دہی مخمل اور ٹاٹ کا پیوند، لیکن لوگوں کو تو کہنے کے لئے کچھ چاہیئے۔ خیر بتایئے کیسی طبیعت ہے اس کی؟ خدانخواستہ حالت خراب یا تشویش انگیز تو نہیں ہے؟

احسان نے جواب دیا۔ ڈاکٹر نے اطمینان دلایا ہے کوئی فکر کی بات نہیں البتہ کامل آرام اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ چلئے دیکھ لیجئے چل کر؟

ہما کو یہ تجویز پسند نہیں آئی، اس نے کہا۔

" چلتی تو، میرا دل خود پریشان ہو رہا ہے یہ خبر سن کر، لیکن وہ (جمال) یہاں ہیں نہیں، آلیں، تو پھر ہم دونوں ساتھ آئیں گے۔ ویسے کسی چیز کی بھی ضرورت ہو فوراً منگوا لیجئے (پرس کھولتے ہوئے)، ہاں ڈاکٹر کی فیس بھی تو دی ہو گی آپ نے؟"

" احسان کا چہرہ سُرخ ہو گیا، ایسی باتیں نہ کیجئے، میں اتنا حقیر و ذلیل نہیں ہوں!"

ہما نے پرس بند کر لیا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

ارے آپ خفا ہو گئے (بند کر کے)، چلئے اب تو ہوئے خوش۔

احسان جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"شکریہ۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔"

ہما نے گویا اجازت دے دی اور وہ اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا، لیکن راستہ بھر عجب طرح کے خیالات چھائے رہے بار بار خیالات پریشاں کے اس حلقہ سے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن ایک جال سے پیچھا چھڑاتا تھا، دوسرا آموجود ہوتا۔

(۶)

کئی دن بعد

ہما کی باتیں سن کر احسان ایک قسم کے ذہنی خلجان میں مبتلا ہوگیا اس سے رخصت ہو کر جب وہ اپنی کوٹھی کی طرف چلا تو یہی خیالات اس کے دل و دماغ پر مسلّط تھے، بار بار ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن ان کی یلغار میں اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا کئی دن اسی طرح گذر گئے۔ وہ کچھ کھویا کھویا سا خاموش رہنے لگا۔

صفیہ کے کمرہ میں بھی صرف ڈاکٹر کے ساتھ جاتا۔ لیکن جب صفیہ پر نظر پڑتی، تو سب کچھ بھول جاتا، ایک دن وہ بستر پر لیٹی چھت کی طرف تک رہی تھی۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو، جیسے کسی خیال میں گم ہو احسان کی چاپ سن کر وہ اُٹھ بیٹھی، احسان نے لپک کر اُسے پھر لٹا دیا اور کہا۔

"یہ حوصلہ مندیاں آپ کو اچھا نہیں ہونے دیں گی، آرام کیجئے، لیٹی رہیے جنبش بالکل نہ کیجئے!"

وہ کچھ تھکے ہوئے انداز میں بولی، آرام کرتے کرتے اور لیٹے لیٹے تکان سی محسوس کرنے لگی۔

احسان نے پوچھا، یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو؟

وہ مسکرائی پھر گویا ہوئی۔

کیا اپنے گھر میں بھی تکلیف ہو سکتی ہے، یہ سوال کر کے البتہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

احسان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اس پر نشاط اور سرخوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس گھر کو وہ اپنا گھر سمجھتی ہے، یہ اپنایت، یہ تعلق یہ لگاؤ۔ اس نے رکتے رکتے سوال کیا۔

"واقعی اس گھر کو اپنا سمجھتی ہیں آپ؟"

"ہنسنے لگی:" تو کیا آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں؟"

احسان کچھ جھینپ سا گیا۔ یہ اتنا ٹیڑھا سوال تھا کہ فوراً جواب بن نہ آیا بات منہ سے نکلی تو بے ڈھنگی سی کہنے لگا۔

شاید یونہی تکلف میں کہہ رہی ہوں آپ، دل رکھنا بھی تو شیوۂ انسانیت ہے۔

صفیہ کو پھر ہنسی آ گئی، وہ بولی، دل رکھنے کے لئے جھوٹ بولنا شیوۂ انسانیت کیسے ہو سکتا ہے احسان صاحب؟ کون سا سکھ ہے جو مجھے یہاں حاصل نہیں ہے؟ زہرہ بیچاری اتنی خدمت کرتی ہے کہ کیا سگی بہن کرے گی، آپ کا برتاؤ دیکھتی ہوں، تو حیران ہو ہو کر سوچتی ہوں، کیا سگی بہن کرے گی، آپ کا برتاؤ دیکھتی ہوں، تو حیران ہو ہو کر سوچتی ہوں کیا دنیا میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں؟

یہ الفاظ کچھ عجیب ناز کے عالم میں صفیہ کے منہ سے نکلے، احسان بہت متاثر ہوا۔

اس نے کہا۔

آپ میں خوبیاں اتنی ہیں کہ آپ کی خدمت کرتے کرتے ایک طرح خوشی محسوس ہوتی ہے آپ کو تکلیف میں دیکھ دل کڑھنے لگتا ہے آپ کو خوش دیکھ کر دل خود بخود نشاط و انبساط کی کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔

صفیہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، آپ، ٹھیک کہتے ہیں، ہرگز میں آپ کے الفاظ نہیں دوہراؤں گی۔ یعنی یہ نہیں کہوں گی کہ دل رکھنے کے لئے یا ازراہ تکلف یہ الفاظ منہ سے نکلے ہیں۔ انسان کا چہرہ اس کے جذبات و تاثرات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ شروع کے دو روز جتنی بے کلی سے گذرے ہیں، میں جانتی ہوں، یا میرا خدا ان دنوں میں آپ کی اور زہرہ کی پریشانی میری نظروں سے چھپی نہیں رہی، پھر جب طبیعت سنبھلی تو ایسا محسوس ہونے لگا، جیسے آپ دونوں کتنی مصیبت میں مبتلا تھے وہ دور ہو گئی، تو خوش ہو گئے، لیکن —

لیکن اس کے بعد صفیہ نے کچھ نہ کہا، وہ پھر چھت کی طرف تکنے لگی پھر کچھ سوچنے لگی، کسی خیال میں گم ہو گئی، احسان کو ان باتوں میں لطف آنے لگا تھا، اس نے ٹوکا

کچھ کہہ رہی تھیں آپ پھر خاموش کیوں ہو گئیں، آپکی اور زہرہ کی تو یہ کیفیت ہے۔ لیکن ہما جو میری دوست ہے، جس سے میرے بڑے گہرے تعلقات تھے، جو اپنی امیدواری کے زمانہ میں میرا منہ تکا کرتی تھی، جسے میرے بغیر قرار نہیں آتا تھا، جو ہر وقت مجھے خوش رکھنے اور ہنسانے کی کوشش کیا کرتی تھی جو میرے بھائی کی بیوی ہے، اس مدت میں ایک دفعہ بھی آئی؟ اس نے پلٹ کر پوچھا نہیں کہ صفیہ اب کیسی ہو؟ ہما کو چھوڑیئے جمال میرے بھائی ہیں، میرے باپ کے فرزند ارجمند اور میری ماں کے لخت جگر اور میرے برادر عزیز از جان، کیا انہوں نے تکلیف کی کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ آتے اور مجھے کاندھے پر رکھ کر لے جاتے، میری پٹی سے لگے بیٹھے رہتے جس گھر میں وہ رہ رہے ہیں۔ وہ تنہا ان کا نہیں ہے میرا بھی ہے جو روپیہ دھڑلے سے صرف کر رہے ہیں! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، صرف وہی اس کے مالک نہیں ہیں، میں بھی ہوں جو جائداد و املاک ان کے قبضہ اور تصرف میں ہے وہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے میں بھی شریک ہوں، لیکن ان سب باتوں کو بھول کر وہ مجھے بھی بھول چکے ہیں۔ شاید وہ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں شاید انہوں نے سمجھ لیا

ہے کہ میں مر گئی۔ شاید میرا وجدان کے لئے ناگوار اور اور ناقابل برداشت ہے۔

بھائی اور بھابی کے اس سلوک کے مقابلہ میں زہرہ کو دیکھتی ہوں، آپ کو دیکھتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان سے کوئی فرشتہ اُتر آیا ہے جس کی خاطر داری اس شفقت اور انہماک سے ہو رہی ہے سچ میں نے ایسے لوگ نہیں دیکھے، آپ کی انسانیت کو جو خراج تحسین میں نے پیش کیا ہے وہ رسمی نہیں، حقیقی ہے میرے دل کی آواز ہے۔ صفیہ کی یہ باتیں سچائی پر مبنی تھیں، احسان غور سے سنتا رہا، پھر گویا ہوا۔

واقعی مجھے بھی حیرت ہے جمال صاحب، اور ہما بیگم نے یہ وطیرہ کیوں اختیار کر رکھا ہے، ویسے کل امانی خانم آئی تھیں آپ کی خیریت پوچھنے کو وہ بتا رہی تھیں ہما میکہ گئی ہوئی ہیں اور جمال بھی ان کے ساتھ گئے ہیں شکار کا پروگرام ہے کر غالباً ہفتہ عشرہ میں واپس آئیں گے، امانی خانم یہ بھی پوچھ رہی تھیں، چھوٹی سرکار، یعنی آپ کب تک اس قابل ہو سکیں گی کہ حویلی منتقل ہو سکیں گی۔

صفیہ نے پوچھا، پھر آپ نے کیا جواب دیا۔

احسان نے بتایا: میں نے کہا، ہفتہ عشرہ تو لگ ہی جائے گی۔

"پھر وہ کیا بولیں؟"

کچھ نہیں۔ کچھ دیر بیٹھی رہیں پھر چلی گئیں!" — لیکن مس صفیہ آپ بھی کافی زود حس واقع ہوئی ہیں، ہما اور جمال کا برتاؤ کچھ ہو آپ جو کچھ ہیں وہ پھر اسکا اتنا زیادہ اثر لینے کی کیا ضرورت ہے؟"

صفیہ کے چہرے پر ایک زخمی سی مسکراہٹ پھیلنے لگی گویا اس فلسفہ کا وہ مذاق اڑا رہی تھی، گویا وہ کہہ رہی تھی، جس پر پڑتی ہے وہی جانتا ہے آپ کیا جانیں، مجھ پر کیا کیا گزر رہی ہے؟

احسان سوچ رہا تھا کہ مزید گفتگو کس طرح جاری رکھے، اتنے میں زہرہ آگئی، ایک بڑی ٹوکری لئے ملازمہ بھی موجود تھی، احسان نے پوچھا" کہاں

سے لدی پھندی آ رہی ہو۔
وہ کہنے لگی، ذرا شہر تک گئی تھی، اپنی صفیہ کے لئے کچھ پھل لیتی آئی ہوں کھانا تو یہ سونگھ کر چھوڑ دیتی ہیں، شاید پھل ہی اپنی طرف ان کا دامن توجہ کھینچ سکیں۔
احسان نے اشتیاق کے ساتھ سوال کیا۔
" کیا کیا لے آئیں ؟"
" وہ بولی، لائی کیا سیب، انجیر، انگور، خوبانی، خربوزے، بس یہی چیزیں ہیں !"
احسان نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ پھر چکھاؤ، خالی خولی اعلان سے کیا حاصل۔"
زہرہ ہنسنے لگی، جی معاف کیجئے، یہ چیزیں صفیہ کے لئے ہیں، میں خود ہاتھ نہیں ڈالوں گی ان پر، پھر آپ کا کیا۔"
صفیہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، بھئی جھگڑے سے کیا فائدہ ؟ جو کچھ لائی ہو، ایک پلیٹ میں تھوڑا تھوڑا سب ہی لے آؤ، ہم سب ہی چکھ لیں گے۔!
زہرہ آمادہ ہو گئی، ہاں یہ ہو سکتا ہے ۔"
اور پھر ذرا دیر میں یہ ساری چیزیں سلیقہ سے ایک پلیٹ میں رکھ کر لے آئی، سب سے پہلے صفیہ نے ہاتھ بڑھایا اور ایک تازہ پھل اپنے منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔
اللہ میاں نے خوب چیز بنائی ہے یہ بھی ؟"
احسان نے انگور کا ایک خوشہ ہاتھ میں لیا اور چند دانے منہ میں ڈال کر خوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا " اور یہ ؟ "
صفیہ نے جواب دیا، یہ بھی بہت عمدہ چیز ہے، کیا کہنا ہے اس کا!
زہرہ نے خربوزے کی قاش کاٹی اور بولی " اس کے سامنے سب ہیچ ہے۔

احسان نے بھولے پن کے ساتھ کہا۔" یہ تو شاید کھٹ مٹھا ہوتا ہے؟"
وہ ہنستی ہوئی بولی۔
"بھائی جان اتنے بھولے بھی نہ بنئے، اسے خربوزہ کہتے ہیں، یہ میٹھا ہوتا ہے اور خاص طور پر قاش جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے یہ تو شہد کی بنی ہوئی ہے۔"

احسان انجان بنا حیرت سے اس اس کی باتیں سنتا رہا، گویا ناقابل یقین بات تھی، پھر کہا اگر سچ ہے تو چکھاؤ۔
صفیہ نے ایک قاش اپنے دستِ نازک سے احسان کی طرف بڑھادی "لیجئے"
احسان نے خربوزہ چکھا اور کہا، واقعی، اس جھوٹی لڑکی نے آج تو سچ کا ریکارڈ قائم کر دیا، لو بھئی، انگور تم کھاؤ، خربوزہ ہم کھائیں گے۔
زہرہ خربوزہ لے کر پیچھے ہٹ گئی۔" جی معاف کیجئے، آپ کو آپ کے انگور مبارک۔"

" میں اپنے خربوزہ سے کسی چیز کا تبادلہ نہیں کرتی!"
صفیہ نے مداخلت کرتی ہوئی بولی" توبہ زہرہ کتنی بدنیت ہو، خربوزہ نہ ہوا من و سلویٰ ہو گیا۔ دے دو گی تھوڑا سا تو کیا ستم ہو جائے گا؟
وہ بولی" ستم یہ ہوگا کہ وہ میرے پیٹ کی بجائے یہ خربوزہ بھائی جان کے پیٹ میں چلا جائے گا۔ اور مجھے یہ منظور نہیں۔ ہاں تمہارے لئے ایثار کر سکتی ہوں، تم چاہو تو مل سکتا ہے تمہیں — واقعی کھاؤ گی؟
وہ بولیں، لائی میرے لئے ہو اور پوچھ اس طرح رہی ہو جیسے کسی کو خیرات دیتے ہیں!"
احسان کو موقع مل گیا زہرہ پر فقرہ چست کرنے کا" سبحان اللہ کیا شانِ مہمان نوازی ہے، حد ہو گئی ہے شکم پرستی کی!"
زہرہ نے کئی قاشیں کاٹ کر صفیہ کی طرف بڑھادیں اور احسان سے کہا آپ چاہے جتنا تلملائیں بس اپنے انگور سے شغل کیجئے، خربوزہ کا دروازہ آپ کے لئے بند ہے!"

صفیہ ہنسنے لگی، بات کرنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا بیگلی کو!

پھر اس نے دو قاشیں جو زہرہ نے اس کے لیئے کاٹی تھیں اپنی طرف بڑھا لیں ایک کا مزہ لیتے ہوئے کہا۔ واقعی اتنا شیریں خربوزہ شاید آج تک کھانے میں آیا ہو — لیجئے احسان صاحب!

احسان نے ایک قاش کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر زہرہ نے لپک لی نہیں بھائی جان یہ نہیں ہو سکتا اور قبل اس کے کہ احسان چھین سکیں وہ ہڑپ کر گئی اور چھانٹ کر ایک دوسرا خربوزہ نکالا اور اسے کاٹنے لگی۔

احسان نے کہا" کوئی حرج نہیں، قاشیں کرو اس کی، مگر کھانا مت؟"

وہ چاقو ہاتھ میں لئے لئے بولی۔" یہ کیوں بھائی جان؟

احسان نے حکم کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا، ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ خربوزہ ایسا پھل ہے جو عورتوں کے لئے مضر ہے وہ انگور، انجیر اور دوسرے تمام پھل کھا سکتی ہیں مگر خربوزہ نہیں!"

اپنے شغل کا سلسلہ جاری رکھتی ہوئی وہ بولی" کن ڈاکٹروں کی یہ تھیوری ہے؟

احسان نے عالمانہ انداز میں کہا" دنیا کے تمام ڈاکٹر اور حکیم اس تھیوری پر متفق ہیں۔

زہرہ نے آنکھیں نکال کر سراپا حیرت بن کر پوچھا۔

" سچ بھائی جان؟"

اسی سنجیدگی کے ساتھ احسان نے جواب دیا، ہاں بھئی بالکل سچ اسی لئے منع کر رہے ہیں۔ انجیر اور انگور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے، لو یہ کھاؤ جی بھر کے؟"

زہرہ نے جواب دیا" تو بیچاری صفیہ بھی گئیں، اتنے دنوں کے بعد ایک پھل تو اللہ، اللہ کر کے پسند آیا تھا غریب کو، مگر وہ بھی چھن گیا۔

احسان نے پلٹا کھاتے ہوئے کہا" یہ تو کھا سکتی ہیں؟"

صفیہ مسکرانے لگی، زہرہ نے سوال کیا۔

ان میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں، یہ کھا سکتی ہیں تو میں کیوں

نہیں کھا سکتی؟

، جو یہ سو ہیں، جو میں سو یہ !"

احسان نے اس بڑھتے ہوئے سلسلۂ بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا یہ بیمار بھی تو ہیں، اور بیماروں کے ساتھ خاص رعایت کی جاتی ہے تم تو ہٹی کٹی، تندرست و توانا بیٹھی ہو، تمہارا ان کا کیا مقابلہ!

وہ بیماروں کا سا منہ بنا کر بولی، ایسا نہ کہیئے بھائی جان میں بھی بیمار ہوں اور جب تک خربوزہ کی فصل ختم نہیں ہو جاتی بیمار ہی رہوں گی، تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ یہی ہے!"

یہ کہہ کر جتنی قاشیں کاٹی تھیں، سب اپنی طرف بڑھا لیں، صفیہ اب شکایت آمیز لہجہ میں بولی"۔

تو کیا ہم بیمار نہیں ہیں؟"

چند قاشیں زہرہ نے اس کی طرف بڑھا دیں اور بولی" اگر زیادہ بیمار پڑیں تو اور دوں گی، ورنہ فی الحال اسی پر اکتفا کرو"

صفیہ نے پوری پلیٹ زہرہ کے سامنے سے ہٹا لی، جس میں کئی سفید سفید قاشیں برف کے ٹکڑوں کی طرح رکھی تھیں اور بولی" ہماری بیماری کا اور تمہاری بیماری کا کیا مقابلہ؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک — آیئے احسان صاحب!"

زہرہ منہ دیکھتی رہ گئی، صفیہ اور احسان نے ساری قاشیں آن کی آن میں ختم کر دیں، وہ برہمی کے عالم میں بولی!"

کان پکڑ لیئے اب کبھی جو لاؤں!

" احسان نے کہا، تم نہیں لاؤ گی، ہم خود دے آئیں گے کسی اور سے منگا لیں گے۔ عہد کرو، اب کبھی جو کھاؤں!"

اسی طرح لڑتے جھگڑتے جتنے پھل سامنے آئے تھے۔ ان لوگوں نے ختم کر دیئے، احسان برابر زہرہ کو چھیڑے جا رہا تھا اور صفیہ بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی، تھوڑی دیر تک تو وہ ہنس ہنس کر ان دو طرفہ

حملوں کا جواب دیتی رہی ، پھر صفیہ سے کہنے لگی۔

آج ہو کیا گیا ہے تم کو؟ معلوم ہوتا ہے بھائی جان نے کچھ گھول کر پلا دیا ہے ، ہر بات میں انہی کا سا تھد دے رہی ہو۔ کہیں کچھ دال میں کالا تو نہیں ہے اس فقرے پر صفیہ بھی جھینپ گئی اور احسان بھی سٹ پٹا گیا اس نے فاتحانہ نظروں سے دونوں کو دیکھا ، اور پھر سامان اٹھا کر جاتی ہوئی بولی چپ کیوں لگ گئی ؟ کیا میرے منہ سے اتفاقاً سچی بات نکل گئی ؟

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا " تم اور سچ ؟ ایسی ہونی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا —

زہرہ جواب میں پھر کوئی جلتا ہوا فقرہ کہنے والی تھی کہ چمپا آ گئی اسے دیکھ کر صفیہ خوش ہو گئی ، لیکن شکایت آمیز لہجہ میں بولی۔

" کدھر کا راستہ بھول پڑیں آج ؟ میں تو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ بالکل ہی بھول گئیں !"

چمپا نے کوئی جواب نہیں دیا ، شرمندہ ہو کر پاس بیٹھ گئی ، زہرہ جا چکی تھی احسان نے بھی سمجھا کہ ٹل جائے ، تا کہ یہ دونوں اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ آپس باتیں کر سکیں۔

(۷)

یک نہ شد دو شد

صفیہ اپنے گھر واپس آئی تو ایسا معلوم ہوا، جیسے گھر سے نکل کر قید خانے میں آگئی ہے ہما کچھ اکھڑی سی، جمال بے پروا، امانی خانم گویا اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا، ملازم ادب سے پیش آتے تھے، لیکن صاف ظاہر تھا اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔

اتنی بے بسی اس نے کبھی یوں محسوس نہیں کی تھی!

احسان کے گھر میں جو غیر کا گھر تھا اس کی اتنی خاطر ہوتی تھی، کتنا مان رکھا جاتا تھا۔ ملازم اشارہ پر کام کرتے تھے زہرہ لونڈی کی طرح خدمت میں لگی رہتی تھی۔ خود احسان اس طرح احکام کا منتظر رہتا تھا جیسے ایک انتہائی وفادار اور اطاعت شعار خادم اور یہاں جو اپنے باپ کا گھر تھا۔ اپنے بھائی کا گھر تھا، کوئی بات کرنے والا بھی نہ تھا۔

وہ چمپا کے کمرے میں پہنچی، چمپا نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا "بیٹی خود کیوں آگئیں۔ مجھے بلالیا ہوتا۔ ابھی بیٹھک سے چلا بھی نہیں جاتا!"

صفیہ کا موڈ اس وقت بگڑا ہوا تھا، صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں، تم بھی گھبرانے لگی ہو مجھ سے۔ لو چلی جاتی ہوں!"

حملوں کا جواب دیتی رہی، پھر صفیہ سے کہنے لگی۔

آج ہو کیا گیا ہے تم کو؟ معلوم ہوتا ہے بھائی جان نے کچھ گھول کر پلا دیا ہے، ہر بات میں انہی کا ساتھ دے رہی ہو۔ کہیں کچھ دال میں کالا تو نہیں ہے

اس فقرے پر صفیہ بھی جھینپ گئی اور احسان بھی سٹ پٹا گیا اس نے فاتحانہ نظروں سے دونوں کو دیکھا، اور پھر سامان اٹھا کر جاتی ہوئی بولی چپ کیوں لگ گئی؟ کیا میرے منہ سے اتفاقاً سچی بات نکل گئی؟

صفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا " تم اور سچ؟ ایسی ہونی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

زہرہ جواب میں پھر کوئی چلتا ہوا فقرہ کہنے والی تھی کہ چمپا آ گئی اسے دیکھ کر صفیہ خوش ہو گئی، لیکن شکایت آمیز لہجہ " میں بولی۔

" کدھر کا راستہ بھول پڑیں آج؟ میں تو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ بالکل ہی بھول گئیں!"

چمپا نے کوئی جواب نہیں دیا، شرمندہ ہو کر پاس بیٹھ گئی، زہرہ جا چکی تھی احسان نے بھی سمجھا کہ ٹل جائے، تاکہ یہ دونوں اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ آپس باتیں کر سکیں۔

(۷)

یک نہ شد دو شد

صفیہ اپنے گھر واپس آئی تو ایسا معلوم ہوا، جیسے گھر سے نکل کر قید خانے میں آگئی ہے ہما کچھ اکھڑی سی، جمال بے پروا، امانی خانم گویا اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا، ملازم ادب سے پیش آتے تھے، لیکن صاف ظاہر تھا اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔

اتنی بے بسی اس نے کبھی یوں محسوس نہیں کی تھی!

احسان کے گھر میں جو غیر کا گھر تھا اس کی اتنی خاطر ہوتی تھی، کتنا مان رکھا جاتا تھا۔ ملازم اشارہ پر کام کرتے تھے زہرہ لونڈی کی طرح خدمت میں لگی رہتی تھی۔ خود احسان اس طرح احکام کا منتظر رہتا تھا جیسے ایک انتہائی وفادار اور اطاعت شعار خادم اور یہاں جو اپنے باپ کا گھر تھا۔ اپنے بھائی کا گھر تھا، کوئی بات کرنے والا بھی نہ تھا۔

وہ چمپا کے کمرے میں پہنچی، چمپا نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا "بیٹی خود کیوں آگئیں۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔ ابھی ٹھیک سے چلا بھی نہیں جاتا!"

صفیہ کا موڈ اس وقت بگڑا ہوا تھا، صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں، تم بھی گھبرانے لگی ہو مجھ سے - لو چلی جاتی ہوں!"

چمپانے لپک کر اسے پکڑا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتی ہوئی بولی۔
"میری بچی، میں گھبراؤں کی تجھ سے؟ خدا اس دن کے لئے مجھے زندہ نہ رکھے؟"
صفیہ کا دل صاف ہو گیا۔ وہ بیٹھ گئی، اس نے پوچھا۔
"محمود کی خبر ہے کچھ!
چمپا نے غم انگیز لہجہ میں کہا، بیٹی اب اس کا خیال چھوڑ دو،
صفیہ کا دل دھڑکنے لگا، اس نے کہا "کیوں؟"
وہ بولی، محمود سے مایوس ہی ہو جانا چاہیئے ویسے تو وہ چلا ہی گیا تھا لیکن جب تم وہاں، احسان میاں کے ہاں تھیں تو ایک دفعہ آیا تھا، کہنے لگا میں سب کچھ جانتا ہوں، بچہ نہیں ہوں، صفیہ سے کہہ دینا، میں اب اس سے نفرت کرتا ہوں، اس کے گھر سے نفرت کرتا ہوں۔ اس کے دیہات سے نفرت کرتا ہوں، ہر اس چیز سے نفرت کرتا ہوں جس سے صفیہ کا ذرا بھی تعلق ہے اسے بتا دینا کہ محمود کی محبت جتنی شدید تھی۔ اس کی نفرت بھی اتنی ہی سخت ہے، وہ محبت کر کے اگر اُسے سر پر بٹھا سکتا تھا، تو نفرت کر کے اس کا گلا بھی گھونٹ سکتا ہے، تم سب زر کے بندے ہو، زر پرست لوگ کسی کے نہیں ہوتے ــ
میں نے ٹوکا، لڑکے کیا بکواس لگا رکھی ہے تو نے؟
وہ اور زیادہ خفا ہو گیا، کہنے لگا۔
بس زیادہ زبان نہ کھلواؤ مجھے اچھی طرح معلوم ہے صفیہ نے احسان سے شادی کر لی ــ
میں نے کہا پگلے نہیں کی!"
" وہ بولا " نہیں کی تو کرے گی، مجھے اب اس پر اعتماد نہیں ہے وہ اب میرے قابل نہیں رہی۔

صفیہ کو بھی غصہ آگیا وہ بولی " اگر وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے تو میں بھی کیوں محبت کروں اس سے؟ میں بھی اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی میں نے جب کوشش کی کہ وہ آدمی بن جائے، بڈھو کردوں سے سبق سے

لیکن اس نے آدمی نہ بننے کی قسم کھالی ہے، پڑھنے لکھنے سے اسے نفرت، تجارت اور کاروبار سے اسے دلچسپی نہیں، سارا روپیہ پھونک دیا تہذیب سے نا آشنا، تنگ دل اتنا کہ لاکھ سمجھایا، مگر وہ ایک ہی رٹ لگائے ہوئے چمپا اب میرے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا۔

وہ کہنے لگی، کیا کروں گی ذکر کر کے ویسے اب وہ یہاں ہے بھی کہاں "

" صفیہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی، کہاں چلا گیا ۔؟

وہ بولی " کیا کہا جائے، بہر حال اب یہاں بہت دنوں سے نہیں ہے میرے خیال میں جس دن آیا تھا، اسی دن چلا گیا کہیں اور رہ کر کرتا بھی کیا؟ یہاں نہ نوکری مل سکتی ہے نہ کام، روپیہ تھا نہیں، جو پھر سے تجارت کرتا اور اگر میری سنو تو اب اس کا خیال بالکل نکال دو دل سے اس مزاج کے آدمی سے تم جیسی لڑکی کا کبھی گزارا نہیں ہو سکتا!

صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا، چمپا نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا " ویسے کبھی تمہاری شادی کا سارا معاملہ پکا ہو چکا ہے؟

وہ چونک پڑی، " شادی؟ میری شادی؟ چمپا یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟

وہ بولی، کچھ جھوٹ تو نہیں کہتی بیٹی، دلہن رہما، اڑی ہوئی ہیں کہ ان کے ماموں زاد بھائی سے شادی کر دی جائے تمہاری، سنا ہے، وہ بھی دوسرا محمود ہے، لچا، لفنگا، آوارہ۔

صفیہ نے غصہ کے عالم میں کہا لیکن بھا کو میرے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟" بغیر میری مرضی کے میری شادی کا فیصلہ کرنے والی کون ہے؟

چمپا نے ۔ سمجھاتے ہوئے کہا ۔ یہ نہ کہو بیٹی اس وقت تو وہی سب کچھ ہیں۔ کیا نہیں کر سکتیں؟ شوہر ان کی مٹھی میں ہیں!"

اور وہ زیادہ برہمی کے عالم میں بولی ذرا سے کر کے تو دیکھیں وہ مزا چکھاؤں گی کہ یاد کریں گی زندگی بھر۔

" چمپا نے نصیحت آمیز لہجہ میں کہا " نہیں بیٹی، تم کچھ نہیں کر سکتیں کیا کر

سکو گی ؟"

بھلا ایک لڑکی کیا کر سکتی ہے ؟ ساری برادری ان کے ساتھ ہے سارا گھر ان کے ساتھ، ساری دنیا ان کے ساتھ ہے، لڑکا ہوتیں تو کہیں بھاگ جاتیں، نوکری کر لیتیں، مزدوری کر لیتیں، لیکن لڑکی ہو کہاں جا سکتی ہو سر جھانا ہی پڑے گا تم کو، میری بچی -

صفیہ خاموشی سے باتیں بھی سنتی رہی اور دل ہی دل میں کڑھتی رہی اس سنگین حقیقت کو پہلی مرتبہ پوری شدت اور صداقت کے ساتھ اس نے محسوس کیا کہ لڑکی ہوتا بھی کتنی بڑی بے بسی ہے واقعی چمپا سچ تو کہتی ہے میں کیا کر سکتی ہوں ؟ کہاں جا سکتی ہوں ؟ سرتابی کروں تو کون میرا ساتھ دے گا -

اور اس سنگین حقیقت کو محسوس کرتے ہی اسکے دلمیں ایک سوال اور پیدا ہوا کیا واقعی میں اتنی بے بس ہوں کہ کچھ نہیں کر سکتی ؟ میری قسمت پھوڑ دی جائے گی اور خاموش رہوں گی ؟

یہ سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، لیکن اس راز سے اس نے چمپا کو باخبر نہیں ہونے دیا - جلدی سے خود ہی پونچھ لیا انہیں وہ گم سُم بیٹھی تھی، رہ رہ کر یہی خیال دل میں آرہا تھا کہ اب کیا ہوگا ؟ یہ ناؤ کس طرح پار لگے گی ؟ لگ بھی سکے گی یا نہیں ؟

وہ چمپا کے پاس سے اُٹھ کر خانہ باغ میں آگئی اور ٹہلنے لگی، بس یہی فکر دامن گیر تھی یہاں آکر اس کی پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی یہاں کی فضا نے یہاں کے کنج نے یہاں کے درختوں نے، تالاب نے جھاڑیوں نے پھولوں نے، پھلوں نے، ماضی کے اوراق الٹنے شروع کر دیئے — ماضی جو حال سے ہمیشہ عزیز ہوتا ہے ؛

اور اس ماضی سے بہت سی خوش گوار اور نہ بھولنے والی یادیں وابستہ تھیں، اس نے اپنے دماغ سے یہ خیالات نکالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی، اتنے میں دیکھتی کیا ہے کہ زہرہ چلی آرہی ہے ؟

زہرہ کو آتا دیکھ کر وہ باغ باغ ہو گئی، ایسا معلوم ہوا جیسے خضرِ طریقت آگیا اس سے اچھا مشیر اس سے اچھا دوست، اس سے اچھا ساتھی کون ہو سکتا تھا۔

زہرہ جب قریب گئی تو صفیہ نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور کہا۔

" ارے تم ؟" یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں یا حقیقت ہے ؟ ہاتھ بڑھاتے ہوئے، ذرا کاٹنا تو سہی ۔

زہرہ ہنسنے لگی" جی معاف کیجئے گا، میرے دانت اتنے مضبوط نہیں ہیں، ٹوٹ گئے تو کیا کروں گی ؟۔

" لیکن کیوں کاٹوں ؟

تصدیق کرنا چاہتی ہوں کہ یہ عالمِ خواب ہے یا عالمِ بیداری ؟

" آخر میرا آنا، اتنا خلاف توقع کیوں نظر آ رہا ہے ؟"

اس لئے کہ بظاہر اس وقت کوئی موقع نہیں تھا تمہارے دیدار کا !"

کیا کروں صفیہ ۔ میں خود آئی نہیں بھیجی گئی ہوں ۔

صفیہ ہنسنے لگی، کس نے بھیجا ہے ؟ اور کیوں ؟

زہرہ بھی ہنستی ہوئی بولی"۔ نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے تم نے بھائی جان پر، ہر وقت تمہارا ذکر، ہر وقت تمہاری یاد، اچھی بھلی بیٹھی تھی، یکایک، حکم ملا، جاؤ دیکھ آؤ صفیہ کی طبیعت کیسی ہے ؟

میں نے کہا بہت اچھی ہے بگڑ گئے، جاتی ہو یا نہیں ؟ میں نے جھلا کر کتاب ایک طرف پٹخی اور چلی آئی تمہاری خیریت دریافت کرنے کہو کیسی ہو، بھئی، سب طرح خیریت ہے نا ؟"

" صفیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی" ہاں بھئی اچھی ہوں ؟ "بہت اچھی ہوں!"

زہرہ نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر بولی ۔ یا اللہ تیرا ہزار ہزار شکر ہے ۔ یہ خوش خبری ابھی پہنچا دوں گی، خدا کرے یقین کر لیں، ورنہ پھر تھوڑی دیر کے بعد اسی کام پر مامور کر دی جاؤں گی اور آنا پڑے گا سر کے بل تمہارے سنگ آستاں پر کیوں ؟"

وہ بولی "اور کیا تم بھی شاعر کی بت بے پیر ہو!"
صفیہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا "سنگِ آستاں کیوں؟
" صفیہ نے کہا: اور آپ خیر سے شاعر ہیں؟"
زہرہ نے اس بات کا جواب نہ دیتے ہوئے کہا۔
بھئی یقین کرو یا نہ کرو، مانو یا نہ مانو، حقیقت یہ ہے کہ بھائی جان تم سے بے پناہ محبت کرنے لگے ہیں، اگرچہ انہوں نے اقرار مجھ سے بھی نہیں کیا ہے، لیکن — تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں، میں سب جانتی ہوں۔

لیکن اول درجہ کے بزدل ہیں، مر جائیں گے، مگر حرفِ محبت زبان پر آجائے۔ اظہارِ مدعا کر سکیں — نا ممکن، لہٰذا کیوں نہ تم خود پہل کرو اور عشق شروع کر دو ان سے ساری مشکل چٹکی بجانے میں آسان ہو جائے گی یاد رکھو لاکھ چراغِ رُخِ زیبا لے کر ڈھونڈو، ان جیسا آدمی نہیں ملے گا تمہیں —

کوئی اور وقت ہوتا تو شاید اس طرح باتیں سن کر صفیہ بگڑ جاتی لیکن لیکن اس وقت خاموشی سے سنتی رہی سب کچھ، پھر محبت بھرے لہجہ میں بولی —

" آؤ چلیں، کمرے میں چل کر باتیں ہوں گی اطمینان سے۔"

(۸)

دو سہیلیاں

"زہرہ کو لے کر صفیہ اپنے کمرے میں آئی اور مسکراتی ہوئی پوچھنے لگی ٹھنڈا یا گرم ؟"

زہرہ نے کہا "دونوں ! — پہلے شربت روح افزا کا ایک گلاس ، پھر بھاپ اٹھتی ہوئی گرم گرم چائے ، اس کے بعد آئس کریم اور فوراً بعد اعلیٰ درجہ کی کافی کا ایک پیالہ — لیکن آج نہیں —

" صفیہ ہنسنے لگی " بڑی شریر ہو !"

زہرہ نے سنجیدگی کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا ۔ ہاں لوگوں کا خیال تو ایسا ہی ہے لیکن مجھے اس سے سخت اختلاف ہے !"

" صفیہ نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا " آج تک اتفاق بھی ہوا ہے تمہیں کسی بات سے ؟"

زہرہ کو جیسے بات چھیڑنے کا موقع مل گیا ۔

صرف ایک بات سے — لیکن اس سے تمہیں اختلاف ہے "

صفیہ بولی ، جھوٹی کہیں کی " مجھے کیوں اختلاف ہوتا ؟

زہرہ نے بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا " تو آؤ پھر سمجھوتہ کرلیں ، ہم

تمہاری نند، تم ہماری بھابی — ہائے کتنا پیارا لفظ ہے یہ بھی کیوں بھابی۔

صفیہ ہنسنے لگی، "تمہارا تو دماغ چل گیا ہے، نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ بکا کرتی ہو!"

زہرہ روٹھتے ہوئے بولی اور وہی ہوا نا جس کا اندیشہ تھا، تم نے ٹھکرا دی میری بات اچھی صفیہ بس صرف یہ بات مان لو، پھر کبھی بات ماننے پر اصرار نہیں کروں گی!"

صفیہ نے پریشانی اور اضطراب کے ساتھ ادھر اُدھر دیکھا" پھر بولی "تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں یہاں ہم بیزار بیٹھے ہیں!" تم نہیں جانتیں میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں، کیا گزر رہی ہے میرے قلب ناشکیب پر!"

بتاؤ گی تو جانوں گی، بغیر بتائے کیسے جان سکتی ہوں۔ بھابی کی بات ہو گی کوئی؟"

میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر عورت مختلف رشتوں کے ساتھ ساتھ بدلتی کیسی رہتی ہے۔ وہی عورت جو ماں کی حیثیت سے اپنا جواب نہیں رکھتی ساس کی حیثیت سے ظالم بن جاتی ہے جو بہن بن کر ایثار کا درس دیتی ہے بھاوج بن کر زہر ہلاہل کا روپ اختیار کر لیتی ہے، لڑکی بن کر خدمت، اطاعت اور محبت کا پیکر نظر آتی ہے، بہو بن کر — تنگ نظر اور تنگ دل بنتے ذرا دیر نہیں لگتی!"

یہی تو میں بھی سوچا کرتی ہوں اکثر! بھی بھابی جب تک اس گھر میں نہیں آئی تھی، میری عاشق تھی، آج دشمن جاں ہے پہلے مجھے دیکھ کر جیتی تھی اب میرے غم میں مری جاتی ہے، یہ تک نہیں برداشت کر سکتی کہ اس گھر میں رہوں، اپنا کوئی حق جتاؤں۔

"سچ کہتی ہو وہ ایسی ہی ہے، نہ جانے جمال بھائی نے کیا سمجھ کر اس سے عشق لڑایا، صورت بھی تو کوئی خاص نہیں اور سیرت تو اتنی مکروہ اور گھناؤنی ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو!"

تم تو اس طرح باتیں کر رہی ہو جیسے اس کی سات پشتوں سے واقف ہو!"

نہیں یہ بات تو نہیں، لیکن بھائی جان نے جو کچھ بتایا، اس کی بنا پر میری اور ان کی رائے ہے کہ واقعی یہ عورت بس کی پڑیا ہے !"

پھر زہرہ نے وہ تمام باتیں سنائیں، جو احسان نے اُسے سنائی تھیں جب وہ اُسے اور جمال کو صفیہ کے حادثہ کی خبر دینے گیا تھا، یہ باتیں سن کر وہ بولی۔

بھائی جان کہہ رہے تھے میں نے تو ایسا محسوس کیا جیسے وہ صفیہ سے نفرت کرتی ہے۔ گویا اس حادثہ کی خبر سن کر اسے تکلیف نہیں خوشی ہوئی !"

کچھ سوچتی ہوئی صفیہ بولی" ان کا خیال صحیح ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس جنجال سے نکلوں کیوں کر۔ اور تم سے کیا چھپاؤں، اس نے گویا جان لینے کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔

زہرہ نے حیران و پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا، پھر سوال کیا" یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ جان لینے کا منصوبہ؟ — نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب ایسا اندھیر بھی کیا ہو گا؟"

صفیہ نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا" تمہیں یقین نہیں آتا؟ اور پھر چمپا نے ہما کی سازش اور شرارت کے جو واقعات بیان کئے تھے وہ سب دوہرا دیئے اور بولی۔

کیا اب بھی کہو گی ایسا اندھیر کیسے ہو سکتا ہے؟ — لیکن میں بھی صفیہ ہوں ہرگز یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا —

زہرہ نے پُر خیال انداز میں کہا" یہ منصوبہ ہرگز کامیاب نہیں ہونا چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کرو گی تم؟"

وہ بولی" میں قاضی کے سامنے انکار کر دوں گی میں —

اور پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی رونے لگی، زہرہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اور گویا ہوئی۔

نہیں صفیہ روتے نہیں رونے سے کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اس مصیبت سے چھٹکارا کس طرح مل سکے گا۔

" یہی تو سوچ رہی ہوں اتنی دیر سے ! ۔ لیکن دماغ کام نہیں کر رہا ہے کچھ !"

فیصلہ کن انداز میں زہرہ بولی " دیکھو بھئی مذاق برطرف جو کچھ میں کہہ رہی ہوں سنجیدگی سے اس پر غور کرو ۔

" لیکن کچھ کہو بھی تو !"

ہما کے فتنہ سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے ۔ شادی کر لو !"

صفیہ بگڑ گئی ۔ بڑا اچھا مشورہ دیا ، شادی کر لوں جسے میں جانتی نہیں جسے میں نے دیکھا نہیں جو جاہل ہے کندہ ناتراش ہے آوارہ ہے بدمعاش ہے ، اس سے شادی کر کے اپنی زندگی جہنم بنا لوں ، اگر ایسا ہی ہے تو زہر کیوں نہ کھا لوں ؟ گلا کیوں نہ گھونٹ لوں خود اپنے ہاتھوں ؟ خانہ باغ کے تالاب میں چھلانگ کیوں نہ لگا دوں ۔

زہرہ یہ سب باتیں میرے لئے آسان ہیں ، لیکن میں شادی نہیں کر سکتی تم میری دوست ہو ، ہمدرد ہو ، غم خوار ہو ، تم سے محبت ہو گئی ہے مجھے ، تم نے جس طرح میری تیمارداری کی ، میرا خیال رکھا ، میری نگہداشت کی اسے دیکھ کر تمہارے بارے میں میرا خیال تھا کہ محبت کرتی ہو مجھ سے !"

صفیہ کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے ، زہرہ نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ۔

" پگلی ۔۔ پوری بات تو سنی نہیں ، تقریر جھاڑنے لگیں بیٹھ کر ! میرا مطلب یہ ہے کہ کہیں اور شادی کر لو ۔۔

صدمے اور پریشانی کے باوجود صفیہ کو ہنسی آ گئی " واہ کیا بات کی ہے کیا بازار میں دولہا بکتے ہیں جو خرید لاؤں ، راستے گلی میں جو آدمی مل جائے اس کا ہاتھ پکڑ لوں ، کہاں چلے بھئی ، ہمیں شادی کرنی ہے تم سے ؟ ۔ آج ہو کیا گیا ہے تمہیں ؟"

زہرہ جھلاتی ہوئی گویا ہوئی ، مجھے کچھ نہیں ہوا ہے تم پاگل ہو گئی ہو ایک لفظ سنا اور لے اڑیں ۔۔ لو مختصر اور صاف صاف الفاظ میں پوری سنجیدگی اور سچائی کے ساتھ کہتی ہوں ، بھائی جان سے شادی کر لو ۔

صفیہ نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، لیکن زہرہ کی تقریر جاری تھی اس لے کہا۔

ذرا بات کو اچھی طرح سوچو اور پرکھو، اگر جمال بھائی اور ہما خانم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی پسند کے آدمی سے تمہاری شادی کر دیں تو دنیا کوئی طاقت اس کے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے سے نہیں روک سکتی، وہ یہاں ایک بہت بڑے بااقتدار رئیس ہیں پولیس بہت دور اور شہر میں ہے۔ وہاں تک تم پہنچ نہیں سکتی اور پہنچ بھی جاؤ تو ان کے سامنے تمہاری ایک نہیں چلے گی پولیس بھی ان کا ساتھ دے گی اور وہ من مانی کارروائی کر کے رہیں گے، تم روتی چیختی آخر کو دلہن بنا کر رخصت کر دی جاؤ گی اس گھر سے" لیکن اگر میری تدبیر پر عمل کرو تو کچھ نہیں ہو گا!"

کیسے ہو گا؟ پھر کیا ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا؟"

نہیں — لیکن انہیں ایک اور اقتدار سے ٹکر لینی پڑے گی اور ایسا وہ نہیں کر سکیں گے۔

" وہی تو پوچھتی ہوں کیوں نہیں کر سکیں گے؟"

اس لئے کہ بھائی جان ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں، وہ اپنی بیوی کو بچانے کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں اور بات اگر آگے بڑھے، پولیس تک جائے عدالت جائے تو تمہارا ایک مختصر سا بیان آخری فیصلہ کر دے گا؟

میرا بیان؟ مجھے کیا بیان دینا پڑے گا؟"

" یہ کہ میری شادی احسان سے ہو چکی ہے، یہ شادی میری رضامندی سے ہوئی ہے۔"

اچھا ایک منٹ کے لئے فرض کیا تمہاری رائے درست ہے یہ بھی بتاؤ۔ اسے عمل میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟"

" یہ کیا بات ہوئی؟ میں سمجھی نہیں اس سوال کا مطلب؟

مطلب یہ کہ شادی خط و کتابت کے ذریعے سے تو نہیں ہو سکتی اشاروں اشاروں میں نہیں ہو سکتی اس کے لئے قاضی صاحب کی ضرورت ہے۔

گواہوں کی ضرورت ہے، یہ تماشہ اس گھر میں کیسے ہو سکے گا۔ کیا بھائی جان گوارا کر لیں گے؟ کیا ہما خانم برداشت کر لیں گی۔

زہرہ ہنسنے لگی، بڑی بھولی ہو۔ بھئی یہ تماشا یہاں کیوں ہونے لگا ہمارے گھر ہیں ہوگا!"

"وہ کس طرح؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟"

کل ہی میں بیمار پڑ جاتی ہوں، آدمی بھیج کر تمہیں اطلاع دوں گی، مجھ سے ملنے میری عیادت کرنے آجانا، پھر آسانی سے سارے مرحلے وہیں طے ہو جائیں گے، پھر واپس نہ جانا، ہما خانم آئیں تو ایسی سناؤں گی کہ یاد کریں گی، جمال بھائی نے کچھ کہا تو بھائی جان جواب دے لیں گے اچھی طرح

اگر مقابلہ ہوا تو ہم بھی کسی سے ہیٹے نہیں ہیں، تلوار کا تلوار سے بندوق کا بندوق ہے، توپ کا توپ سے مقابلہ کر سکتے ہیں! یہ مجال ہے کس کی کہ پھر تمہاری طرف انگلی بھی اٹھا سکے؟ تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھ سکے اس کی آنکھیں نکال لی جائیں گی، اس کی انگلیاں کاٹ دی جائیں گی، اس کی گردن قلم کر دی جائے گی!"

صفیہ ہنسنے لگی " اتنی تیز اور طرار لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی جیسی تم ہو!"

" زہرہ نے سنجیدہ بن کر کہا، لیکن کہیں میری اس تیزی اور طراری کا جنازہ نہ نکال دینا!"

صفیہ نے اسے چپ کراتے ہوئے کہا " پھر وہی بہکی بہکی باتیں؟"

وہ بولی " ڈر لگتا ہے بھابیوں سے۔ ہما آخر تمہاری بھابی ہی تو ہے اور مجھ سے بھی تمہارا یہی رشتہ قائم ہونے والا ہے جب تک جمال بھائی اور ہما کی شادی نہیں ہوئی تھی، کتنا مانتی تھی تمہیں، پھر دشمن بن گئی، ادھر شادی ہوئی ادھر وہ بھول گئی، ایسا ہی اگر تم نے بھی کیا؟ اس وقت تو بڑی اچھی بہن، بڑی اچھی خاتون ہو، لیکن بھابی بننے کے بعد بھی یہی لچھن رہیں تب کی بات

" صفیہ نے تیوری چڑھا کر کہا" دیکھو مجھے غصہ آجائے گا پھر اگر ایسی باتیں کی ہوں گی !"

وہ کان پکڑتی ہوئی بولی "میری توبہ، معاف کردو، اب ایسی غلطی نہیں ہو گی !"

پھر ذرا رک کر بولی "تم میری بھابی بن جاؤ، پھر میں سب کچھ سہہ لوں گی، اگر تم نے ظلم بھی کیا۔ تو کوئی شکایت نہیں کروں گی، تم نہیں جانتیں مجھے تم سے کتنی محبت ہے !"

صفیہ بولی "نہ جانتی ہوتی تو اس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں بنا سکتی تھیں میرے سامنے جو منہ میں آیا بک دیا !"

" زہرہ نے اکسایا تو بتاؤ کیا کہتی ہو پھر ؟"

وہ بولی ایسی باتوں کا فیصلہ جٹاپٹ تو نہیں ہوتا، تم نے صرف اپنی کہی ہے مجھے بھی تو کچھ کہنے کا موقع دو !"

" دفعتہً سرگوشی کے انداز میں صفیہ بولی" وہ آرہی ہیں تمہاری ہماخانم !"

زہرہ خاموش ہو گئی۔

(۹)

قسمت کا فیصلہ

چار دن کے بعد زہرہ پھر آئی اور بڑی دیر تک بیٹھی جب جانے لگی تو صفیہ اسے خانہ باغ کے دروازے تک پہنچانے آئی، اسے رخصت کر کے واپس آ رہی تھی کہ چمپا نظر آئی، وہ کوٹھڑی کی چوکھٹ پر بیٹھی کچھ سی اداس تھی، نظریں ملیں تو اس نے اشارہ سے اپنی طرف بلایا اور خود کوٹھڑی میں ہو رہی۔ صفیہ اندر پہنچی تو اس نے دیکھا چمپا کافی پریشان نظر آ رہی ہے صفیہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی، پوچھا۔

"کیا بات ہے چمپا، اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہو؟"

چمپا نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"ہائے کیا معلوم تھا۔ میاں اور بیگم صاحبہ کے مرنے کے بعد میری بچی کا یوں سودا کیا جائے گا!"

یہ کہہ کر وہ رونے لگی، صفیہ کے کان کھڑے ہوئے اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی، کچھ دیر کے بعد اپنے اوپر قابو

پاتے ہوئے بولی۔

سودا کیسا؟ کون کر رہا ہے میرا سودا؟ کسے حق ہے اس کا؟ صاف صاف کہو، ماجرا کیا ہے؟

چمپا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا" ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہاری شادی زبردستی کر دیں گے، اب تم گھر سے باہر نہیں جا سکتیں، چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھ سکتیں۔

صفیہ کا خون کھولنے لگا، وہ بولی" کیا میں قید ہوں؟"

چمپا نے جواب دیا، ہاں بیٹی تو اپنے گھر میں قید ہے، تیرے بھائی نے تجھے قید کیا ہے۔ تیری بھابی نے تجھے قید کرایا ہے تیری نمک خوار امانی خانم نے سارا نقشہ بنایا ہے۔ تیرے نوکر تیری نگرانی پر مامور ہیں، تیرے لئے فیصلہ صادر کر دیا گیا ہے کہ گھر سے قدم باہر نہیں نکال سکتی اگر نکالے گی تو وہ راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔ امانی خانم اور ہما خانم تجھے پکڑ لے جائیں گی اور پھر تو اپنے کمرے میں بند کر دی جائے گی، باہر سے تالا لگا دیا جائے گا اگر تو چیخی چلائی، تو تجھے بیہوش کر دیا جائے گا، اس اثناء میں ہما کا وہ لچا اور لفنگا رشتہ دار آ جائے گا۔ قاضی صاحب بلائے جائیں گے اور امانی خانم پردے میں بیٹھ کر قاضی صاحب کہے گا" قبول کیا؟ تو کہہ دیں گی، ہاں قبول کیا وہ رجسٹر میں لکھ لے گا، نذرانہ، انعام اور مٹھائی لے کر چلا جائے گا۔ تو اس حالت میں فرید پور اپنی سسرال بھیج دی جائے گی، وہاں ہوش میں آنے کے بعد لاکھ چیخے چلائے روئے پیٹے، مگر اس حویلی کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ کوئی تیری فریاد نہیں سنے گا، تجھے اس حویلی میں دلہن بن کر رہنا پڑے گا، چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے!"

سکتے کے عالم میں صفیہ یہ باتیں سن رہی تھی، بڑی مشکل سے تاب گویائی پیدا کر کے اس نے کہا۔

لیکن یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

چمپا کہنے لگی، میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ امانی خانم اور ہما میں

باتیں ہو رہی تھیں، جمال پاس کھڑا تھا اور ہر بات پر آمنا، صدقنا کہہ رہا تھا یہ طے ہو چکا ہے آج کے چوتھے پانچویں دن نکاح ہو جائے گا۔

صفیہ نے برہمی کے ساتھ پوچھا۔

"کس سے ؟ کیا میری لاش سے ؟" "نہیں چمپا ایسا نہیں ہو سکتا، میں اپنے آپ کو بکنے نہ دوں گی، میرا سودا کوئی نہیں کر سکتا، میں کسی سے شادی نہیں کروں گی، اس گھر پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا بھائی جان کا، کون نکال سکتا ہے مجھے ؟"

چمپا نے عارفانہ طور پر گردن ہلاتے ہوئے کہا "میری بچی ان باتوں سے کام نہیں چلے گا، ان لوگوں سے تیرا بس نہیں چل سکتا، نہیں ہاتھی سے گنے کھانا آسان نہیں ہے ان کے ساتھ ساری دنیا ہے تیرے ساتھ چمپا کے سوا کوئی نہیں۔ تجھے ان موذیوں کے پنجہ سے بچانے کے لئے اپنی جان دے دوں گی۔ لیکن تو پھر بھی نہیں بچ سکے گی۔ للہ اپنے بچانے کی کوئی تدبیر کر۔

صفیہ نے بڑی بے لبسی کے ساتھ کہا۔

لیکن کیا تدبیر ہو سکتی ہے یہ بھی تو بتاؤ۔

بیٹی میں جاہل کیا بتا سکتی ہوں بہ تم ہی سوچو !

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔

یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جانے لگی، جاتے جاتے خیال آیا، ذرا چمپا کی معلومات کا اندازہ تو کرنا چاہیئے، واقعی جو کچھ اس نے کہا سب سچ ہے یا محض اس کی قیاس آرائی ہے ؟

یہ سوچ کر وہ جاتے جاتے مڑی، خانہ باغ میں پہنچی، ذرا دیر وہاں ٹہلتی رہی اپنے لگائے ہوئے پھولوں اور پودوں کا معائنہ کرتی رہی، پھر پھاٹک تک آئی اور چپ چاپ کھڑی ہو کر سامنے کا نظارہ دیکھنے لگی، ابھی تھوڑی دیر ہوئی زہرہ کو رخصت کرنے یہاں آئی تھی اور کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا ہاں یہ ضرور ہے کہ دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔

دفعتہ اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اور کسی کو موجود نہ پا کر زہرہ کے ہاں

جانے کا فیصلہ کر لیا۔

مشکل سے تیس چالیس قدم گئی ہوگی کہ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سیٹی بجا رہا ہے یہ ویسی ہی سیٹی تھی، جیسے پولیس کے سپاہی کسی خطرہ کے موقع پر بجاتے ہیں۔ سیٹی کی آواز سن کر صفیہ گھبرا گئی، چمپا نے جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق ہوگئی۔ وہ جلدی جلدی قدم اٹھانے لگی، زیادہ سے زیادہ دس پندرہ قدم چلی ہوگی کہ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آرہا ہے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، رفتار اور تیز کر دی اتنے میں حسنو — جمال کا خاص خدمت گار — بالکل قریب آگیا۔

صفیہ نے مڑ کر اسے دیکھا، کھڑی ہوگئی اور جھلاتے ہوئے لہجہ میں پوچھا "کیا بات ہے؟ ہانپ کیوں رہے ہو؟ کیا تم ہی دوڑ رہے تھے۔

حسنو نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا "آپ کو صاحب نے بلایا ہے!"

صفیہ نے جو سوال کیا تھا اس کا جواب نہیں ملا، ایک نئی بات معلوم ہوگئی، وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی ۔

" کہہ دینا ابھی آتی ہوں ایک ضروری کام سے زہرہ کے ہاں جا رہی ہوں"

"حسنو نے ادب لیکن اصرار کے ساتھ عرض کیا۔ انہوں نے کہیں بھی جانے سے آپ منع کیا ہے اور فوراً بلایا ہے"

صفیہ کی رگیں پھٹنے لگیں غصہ کے باعث، اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو حسنو کو شوٹ کر دیتی، یا خودکشی کر لیتی، ایسی توہین ایسی تذلیل اس کی کبھی نہیں ہوئی تھی وہ کانپنے لگی، اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

" کہہ تو رہی ہوں، ابھی نہیں چلوں گی، زہرہ کے ہاں جانا ہے مجھے اور جا کر رہوں گی!"

حسنو نے پھر وہی الفاظ دوہرا دیے "لیکن صاحب نے منع کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہیں بھی نہیں جا سکتیں، انہوں نے ابھی اور اسی وقت بلایا ہے آپکو"

صفیہ نے پرخرخشں لہجے میں پوچھا "کیا تم زبردستی مجھے واپس لے چلو گے۔ کیا تم میں اتنی ہمت ہے؟ کیا تمہیں اس بدتمیزی اور گستاخی کی اجازت دے

دی گئی ہے ۔۔۔؟

حسنو نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ امانی خانم پہنچ گئیں کہنے لگی "کیا بات ہے؟ یہ راستے پر جھگڑا کیسا ہو رہا ہے؟ کوئی دیکھے گا؟ کیا خیال کرے گا؟" شریف گھروں کی بہو بیٹیاں ایسا نہیں کرتی، وہ لاکھ آزاد ہوں لیکن رکھ رکھاؤ کا خیال تو رکھتی ہیں۔ "تمہیں بھیا (رجال) نے بلایا ہے کہیں بھی جانے سے منع کیا ہے حسنو تو پیغامبر ہے اس پر خفا ہونے سے کیا حاصل؟ میں بھی پیغامبر ہوں ۔۔۔۔۔۔۔ یہی پیغام میں بھی لائی ہوں چلی چلو، تم آگے قدم نہیں بڑھا سکتیں!"

تیکھے لہجہ میں صفیہ نے پوچھا: "اور اگر بڑھاؤں آگے قدم تو کیا ہوگا؟"

امانی نے زہر خند کرتے ہوئے "ہوگا، میری گودوں کی کھلائی ہوئی ہو پھر تمہیں گود میں اٹھا لوں گی۔ کیا میں ایسا نہیں کر سکتی، ۔۔۔۔۔ ۔۔۔ کیا مجھے اس کا حق نہیں ہے۔"

کتنے میٹھے، کتنے شیریں ۔۔۔۔۔۔ کتنے اپنائیت لئے ہوئے الفاظ تھے، لیکن ان الفاظ میں جو حکم پوشیدہ تھا جو قوت نہاں تھی جو زبردستی چھپی ہوئی تھی، اسے صفیہ نے محسوس کر لیا۔

وہ سوچنے لگی اگر میں نے آگے قدم بڑھایا تو معاملہ بہت نازک صورت اختیار کرے گا امانی مجھے زبردستی واپس لے جائے گی، اگر میں نے مقابلہ کیا تو ہما آجائے گی گھر کی چار ملازمائیں مدد کے لئے طلب کر لی جائیں گی اس ذلت سے بہتر ہے کہ آگے نہ جاؤں واپس چلی چلوں!"

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ امانی خانم نے کہا۔

بیٹی تم تو اس طرح کھڑی سوچ رہی ہو، جیسے کوئی بہت بڑا بے ڈھب اور اہم معاملہ ہے، بھائی نے جو حکم دیا ہے مانو جو کہے سر جھکا کر سنو، تم چھوٹی ہو، وہ بڑا ہے، تم نادان ہو، وہ عقلمند ہے تم ناتجربہ کار ہو، وہ جہاں دیدہ ہے تم گھر کی لڑکی ہو ۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔ ۔۔ وہ گھر کا مالک ہے، بھلا کوئی بھائی کی بھی حکم عدولی کرتا ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ، ضد نہیں کرتے، ہم

تمہارے دشمن نہیں ہیں، دوست ہیں تمہارے پسینہ پر خون بہا سکتے ہیں۔"

صفیہ یہ باتیں سنتی رہی، پھر زہر خندہ کرتی ہوئی بولی، "امانی خانم تمہیں اتنی اچھی تقریر کرنا بھی آتا ہے، یہ آج معلوم ہوا — بہر حال تم سے الجھنا اور باتیں کرنا مناسب نہیں سمجھتی، چلو، جو کچھ کہنا ہے بھائی جان سے کہوں گی!"

۱۰

حکم نادری

پیکرِ قہر و غضب بنی صفیہ امانی اور حسنو کے ساتھ واپس چلی پھاٹک پر پہنچ کر حسنو نے ساتھ چھوڑ دیا۔ امانی اسے لے کر اس کمرے میں پہنچیں جہاں نما بیٹھی اون بننے کی تیلیوں سے شغل کر رہی تھی اور جمال برہمی کے عالم میں عالم میں ٹہل رہا تھا۔ سفیہ کو دیکھتے ہی وہ برس پڑا۔

کہاں جا رہی تھیں تم؟

صفیہ نے اپنا غصہ ضبط کیا، متین لہجہ میں کہا۔ زہرہ کے ہاں!"

جمال کو اور زیادہ غصہ دکھانے کا موقع مل گیا، پوچھا "کیوں؟ کیا مقصد تھا وہاں جانے کا؟"

وہ بولی" آپ اپنے دوستوں کے ہاں کس مقصد سے جاتے ہیں؟

جمال کو اور زیادہ غصہ آگیا "میں اس طرح کی بکواس سننا نہیں چاہتا جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی تم میری نگرانی سے باہر نہیں جا سکتیں تمہاری عزت، ناموس اور آبرو کا محافظ میں ہوں، مجھ پر ہر طرف سے اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان بہن گھر میں بیٹھا رکھی ہے اس کی شادی کیوں نہیں ہوتی، میرے سامنے میرا مذاق اڑایا جاتا ہے مجھ پر فقرے کسے

جانتے ہیں مجھے ذلیل کیا جاتا ہے !"

صفیہ کو جمال کی ایک ایک بات سچ نظر آرہی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن جمال کی روانیٔ کلام کا مقابلہ نہ کر سکی وہ کہہ رہا تھا۔

بہر حال ایک شریف، دولت مند اور معقول نوجوان سے تمہاری شادی کی بات پختہ ہو چکی ہے آج دوشنبہ ہے، جمعہ کو تمہارا نکاح ہو جائے گا، جہیز لے کر تم زندگی بسر کرنی ہے رخصت ہو جاؤ گی، پھر شوق سے زہرہ سے ملو یا جس کے ہاں جی چاہے آؤ، جاؤ، مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ نہ غالباً تمہارے شوہر کو ہو گا۔

صفیہ کے لیے بھی ضبط کرنا دشوار ہو گیا، وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی، میں عاقل ہوں باشعور ہوں یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی میری مرضی کے خلاف کسی سے میری شادی نہیں ہو سکتی، نہ آپ مجھ پر کسی طرح کی پابندی عائد کرنے کا حق رکھتے ہیں !"

جمال اتنے زور سے چیخا کہ امانی خانم کانپ گئیں اور ہما اچھل پڑی اس نے کہا۔

"خاموش — میں اس طرح کی باتیں نہیں برداشت کر سکتا، تم کچھ نہیں ہو جو کچھ ہوں میں ہوں، میں قانون ہوں، میں حکومت ہوں، میں جج ہوں میں قاضی ہوں، میرے حکم سے سرتابی نہیں کی جا سکتی چپ چاپ مان لو گی تو خیر، ورنہ مجھے اپنا حکم منوانے کے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں !"

پھر وہ امانی خانم سے مخاطب ہوا، امانی خانم —

وہ مصنوعی دہشت سے کانپتی ہوئی بولی "میرے سرکار، میرے آقا —

جمال نے کہا "صفیہ کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔ یوں سمجھ لو اب مانجھے میں بیٹھ گئی ہے، جو لڑکیاں مانجھے میں بیٹھ جاتی ہیں شادی سے پہلے باہر نہیں نکل سکتیں،

امانی نے سرِ اطاعت خم کرتے ہوئے کہا "ہاں میرے شہزادے جانتی ہوں ایسا ہی ہوتا ہے، دنیا کی یہی ریت ہے ؟"

جمال نے اسی طرح گرجتے ہوئے کہا، بس تو اب صفیہ کے ساتھ یہی ہوگا ضروریات کی تمام چیزیں وہیں اسے پہنچا دیا کرو، چمپا سے کہو، رات دن صفیہ کے ساتھ رہے خود تم بھی زیادہ تر نشست برخاست وہیں رکھا کرو۔

بڑی سعادت مندی کے ساتھ بولی ۔

ایسا ہی ہوگا میرے بھیا، بالکل مطمئن رہو، بالکل اطمینان رکھو ۔

جمال کرسی پر بیٹھ گیا اس نے کہا، ہاں ایک اور بات کا خیال رکھنا۔

جمال کرسی پر بیٹھ گیا۔ امانی خانم نے سراپا اشتیاق بن کر پوچھا" کون سی بات ۔

جمال نے بتایا "یہ زہرہ ظاہر میں بڑی سیدھی سادی لڑکی ہے لیکن حرفوں کی بنی ہوئی ہے ۔

ہما نے تائید کی" میں کہتی ہوں ایسی ہوائی دیدہ لڑکی آج تک میری نظر سے گزری نہیں قیامت ہے قیامت، خدا بچائے اس سے!"

امانی خانم نے ہاں میں ہاں ملائی اسے میں جانتی ہوں، ایک حرافہ ہے نجانے کس کس سے آنکھیں لڑا چکی ہے ۔

صفیہ نے چیختے ہوئے کہا" تم جھوٹی ہو۔ وہ تم سب سے اچھی ہے وہ شریف ہے نیک ہے، تم خود جیسی ہو ویسی ہی دوسروں کو سمجھتی ہو!"

امانی خانم بحث پر اتر آئیں" تو بیٹی میں کیسی ہوں، حرافہ ہوں، گناہ گار ہوں ۔ بچپن سے تمہیں سکھا پڑھا رہی ہوں، کیا اس کا یہی انجام ہے ؟

جمال کو پھر غصہ آگیا، اس نے صفیہ کو گھور کر دیکھا اور امانی خانم سے کہا وہ

اچھی ہے یا بری، نیک ہے یا بدمعاش، شریف ہے یا رذیل ہمیں کیا وہ جانے اس کے بھائی صاحب جانیں!

ہما نے پھر گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا" اچھی ہے تو اپنے لئے بری ہے اپنے لئے. لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ ہمارے گھر میں آئے۔

جمال نے بیوی کی تائید کرتے ہوئے کہا. بہرحال اس کا داخلہ ممنوع ہے اگر آئے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا جائے کہ صفیہ اس سے نہیں مل سکتی!"

صفیہ رونے لگی: "بھائی جان ایسا نہ کہیے، وہ بڑی اچھی ہے بڑی نیک ہے میں اس سے ملوں گی، وہ آئے گی اسے کوئی نہیں روک سکتا اس نے میری تیمارداری کی ہے، دن دن بھر بے آرام رہ کر رات رات بھر جاگ کر میری نازبرداریاں کی ہیں، کوئی بہن بھی ہوتی تو ایسا نہیں کر سکتی تھی، اسے کچھ نہ کہیے اس پر کوئی پابندی عائد نہ کیجیے۔ میرا دل پھٹ جائے گا، میں پاگل ہو جاؤں گی، میں مر جاؤں گی!"

یہ کہتے کہتے وہ تیورا کر گری اور بے ہوش ہو گئی، اس کے دانت بیٹھ گئے اور نبض کی رفتار سست ہو گئی، امانی نے فوراً ماتھے پر ہاتھ رکھا، نبض ٹٹولی اور اعلان کر دیا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے غش آگیا ہے ذرا سا ابھی ذرا دیر میں طبیعت راہ پر آجائے گی۔

(۱۱)

فکرِ رہائی

یہ عجیب طرح کی زندگی تھی - قید کی زندگی، بھائی کی قید!

چمپا بھی صفیہ کی شریکِ قفس بنا دی گئی تھی، بظاہر اس لئے کہ صفیہ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، لیکن درحقیقت وہ بھی قید تھی، اگر اسے قید نہ کیا جاتا تو اندیشہ تھا وہ راز کو افشا نہ کر دے، صفیہ کی گلو خلاصی کی تدبیر نہ پیدا کر دے۔ اس کے بارے میں سب کو یقین تھا کہ وہ اول و آخر صفیہ کی وفادار ہے اور ایسی وفادار ہے کہ اس کی بہتری اور سلامتی کے لئے جان کی بازی بھی لگا سکتی ہے صفیہ کو قید اور چمپا کو آزاد رکھنا حماقت تھی لہٰذا وہ بھی قفس میں ڈال دی گئی۔ لیکن اسے اپنی قید کا غم نہ تھا۔ وہ خوش تھی کہ صفیہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی، اسے اپنے دکھ کا کوئی احساس نہ تھا کوئی فکر نہ تھا البتہ صفیہ کے لئے ضرور کڑھ رہی تھی۔

ان دونوں کو ایک کمرے میں محبوس ہوئے دو دن گزر چکے تھے اب تک رہائی کی کوئی صورت نہیں نکلی تھی، چند دن اور اس طرح گزر جانے کے معنی یہ تھے کہ بھائی کی اسکیم کامیاب ہو جائے گی اور کچھ نہ بن پڑے گا۔

صفیہ نے چمپا سے بڑے درد بھرے انداز میں کہا:

اب کیا ہوگا ؟ کیا واقعی میرا سودا ہو جائے گا اور میں کچھ نہ کر سکوں گی
وہ بولی "بیٹے میں نے جو کچھ سنا تھا، سب تمہیں بتا دیا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مقدر کا لکھا پورا ہو کر رہے گا!"

صفیہ بگڑ کر بولی، یہ نہ کہو ۔ مقدر کا بنانا اور بگاڑنا انسان کے خود اپنے بس میں ہے، انسان خود ہی اپنا مقدر بناتا ہے، جب تک میں زندہ ہوں اس ناپاک سازش کے خلاف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جنگ کرتی رہوں گی اور اگر کامیاب نہ ہوئی تو جان دے دوں گی ۔

چمپا کی آنکھوں میں آنسو لہرانے لگے ۔ اس نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا کیوں اس طرح کی باتیں کرتی ہو بیٹی ؟ جان دینے سے کام بن سکے تو کیا میں کسی سے پیچھے رہوں گی ؟"

کچھ سوچتے ہوئے صفیہ بولی، جس طرح ہو، زہرہ تک میرا ایک خط پہنچا دو ۔

اس مصیبت سے وہی بچا سکتی ہے !

چمپا کے دل میں خود بھی کئی مرتبہ خیال آیا تھا کہ زہرہ سب کچھ کر سکتی ہے لیکن یہ سوچ کر رہ گئی کہ ان ہونی بات ہے شاید اتنے اہم معاملہ میں وہ ہاتھ ڈالنا پسند نہ کرے ۔ بھائی بہن کے معاملہ میں غیر دخل ہی کس طرح دے سکتے ہیں ؟ یہی سوچتے ہوئے اس نے کہا ۔

لیکن کیا کرے گی زہرہ ؟

صفیہ نے امیدوار اور اعتماد کے لہجہ میں جواب دیا، سب کچھ نہ سب کچھ کرے گی، وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہے بس خبر ہو جائے کسی طرح میرے حال زار کی" جیسے چمپا کو کچھ یاد آ گیا، کہنے لگی کل آئی تو تھی وہ بیٹی،

صفیہ اس سے زیادہ نہ سن سکی، اس نے بیتابی کے ساتھ دریافت کیا کہا ؟ زہرہ آئی تھی ؟ مگر وہ مجھے ملی کیوں نہیں ؟ مجھ سے ملے بغیر کس طرح چلی گئی ؟ نہیں چمپا تمہیں دھوکا ہوا، غلط فہمی ہوئی ہے ؟

وہ بولی "کل جب میں تمہارے لئے چائے کو کہنے گئی ہوں تو امانی خانم نے

لے لے کر ہما کو بتا رہی تھیں وہ آئی تھی صفیہ کی یار غار بی زہرہ ۔ صورت سے فرشتہ ، سیرت سے شیطان ، بڑی بھولی بن کر پوچھنے لگیں صفیہ ہے؟ میں نے بھی بڑے بھولے پن سے جواب دیا ، وہ تو بعد ات نگر تک گئی ہے اپنے ماموں جان کے ہاں ، یہ سنتے ہی اداس پڑ گئی اس پر کچھ دیر تک تو کھڑی رہی ، پھر پوچھا کب تک آجائے گی ؟ میں نے جواب دیا " آئے تو کل ہی آجائے نہ آئے تو مہینوں نہ آئے ، جب بھی آئے گی میں اطلاع دے دوں گی تمہیں ، بڑی گرمجوشی کے ساتھ بولی ، ضرور اطلاع کر دیجئے گا ، اچھا اب میں جاتی ہوں ، میں نے کہا جاتی کہاں ہو بیٹھو ، چائے پیو ، بیگم صاحبہ سے مل لو ، آخر ہم لوگ بھی کوئی غیر نہیں ، اپنے ہی ہیں ، مگر کیوں بیٹھتی ، جاتی ہوئی بولی ، اب تو اجازت دیجئے پھر آجاؤں گی کسی دن ۔ چلی گئی غریب ، بڑا افسوس ہوا ہے ، بیچاری کی محرومی پر ، یہ سن کر ہما نے زور دار قہقہہ لگایا ، پھر دونوں ہنسنے لگیں ۔ شاید ساری داستان مجھے اور میرے ذریعہ تمہیں چڑانے کے لئے بیان کر ڈالی اس نے ۔

صفیہ بچوں کی طرح مچلتی ہوئی بولی ، " کچھ بھی ، کسی طرح بھی میرا خط پہنچا دو اس کو ۔

چمپا کو خاموش دیکھ کر صفیہ نے پوچھا " تم بھی ہار گئیں ہمت ؟ "

وہ بولی " نہیں ۔ خط لکھو ، میں جاؤں گی اور جواب لے کر آؤں گی چاہے اس راستے میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے ۔ وہ لاکھ عزیز ہو تم سے زیادہ نہیں ہے "

صفیہ اس سے لپٹ گئی " کتنی اچھی ہو تم چمپا ! "

چمپا اتراتی ہوئی بولی " اچھا اب چوچلے رہنے دو ، کام کر دو اپنا ! "

صفیہ نے فوراً ہی خط لکھ کر چمپا کے حوالے کر دیا ، کوئی لمبی چوڑی تحریر نہیں تھی اس نے لکھا تھا ۔

" زہرہ تم آئیں مگر مجھ سے نہ مل سکیں ، میں قید تھی تمہیں بلا نہ سکی ، تم سے ماجرائے دل نہ کہہ سکی ۔ تمہیں نہیں معلوم مجھ پر کیا گزر رہی ہے ؟ تفصیل لکھنے کا موقع نہیں ، مختصر طور پر یوں سمجھ لو ۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

مجھ تک یہ نذرہ بھی اڑ کر نہیں آ سکتا، اس حالت میں تم بھی کیا کر سکو گی؟ یہ سوچ کر دل بیٹھنے لگتا ہے۔ ڈوبنے لگتا ہے یاس پیدا ہو جاتی ہے لیکن دل کا اصرار ہے تمہیں اپنی حالت سے مطلع کر دوں اگر کچھ کر سکتی ہو تو کرو ورنہ میرا آخری اور الوداعی سلام قبول کرو!

چند دن ہوئے جب میں نے تم سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا تھا اور تم نے باتوں باتوں میں مجھے ایک مشورہ بھی دیا تھا۔ شادی کر لینے کا نہ جانے یہ مشورہ تم نے مذاق میں دیا تھا یا سنجیدگی سے، میں نے اس پر کئی مرتبہ غور کیا، اپنے دل کو ٹٹولا، مجھے احسان صاحب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا وہ بے حد نیک ہیں، بے حد شریف ہیں، بے حد مخلص ہیں، تم نے او۔ انہوں نے میری بیماری کے زمانہ میں جس طرح دن رات ایک کر کے میری خدمت کی وہ ایسا نقش ہے جو زندگی بھر نہیں مٹ سکے گا، اگر یہ بلائے ناگہانی مجھ پر نازل نہ ہوئی ہوتی تو میں یہ تجویز قبول کر لیتی اور اب تو میں قبول کرنے پر مجبور ہوں۔

لیکن نہیں زہرہ اس کے باوجود کہ احسان صاحب سے اچھا شوہر مجھے نہیں مل سکتا اور اس کے باوجود کہ ان کی رفیقۂ حیات بننا میرے لئے باعث فخر ہے، میں ایک مرتبہ محبت کا گناہ کر چکی ہوں، میں نے محمود سے محبت کی وہ غریب تھا، جاہل تھا، بد دماغ اور بد زبان تھا، لیکن بچپن سے دونوں ساتھ رہے تھے اور بچپن کا نقش بہت گہرا ہوتا ہے ہماری بے تکلفی، اپنائیت اور اپنایت محبت میں تبدیل ہو گئی، اسکی غربت روک نہ بن سکی، اس کی جہالت رکاوٹ نہ ثابت ہوئی، میں اس سے ضرور زندگی بھر کا رشتہ استوار کر لیتی لیکن اس نے میرا دل توڑ دیا، میری امیدیں خاک میں ملا دیں، مجھے مایوس کر دیا، میں نے چاہا کہ وہ پڑھے اور سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے، لیکن پڑھنے میں اس کا جی نہ لگا، میں نے چاہا وہ کاروبار کرے، اور سرمایہ بھی فراہم کیا تاکہ سوسائٹی میں کوئی مقام حاصل کر لے، لیکن وہ کاروبار بھی

نہ کرسکا، اسے صرف ایک ہی دھن تھی شادی اور میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا، اگر تم میری سطح پر نہیں آ سکتے تو میں بھی تمہاری سطح پر نہیں آ سکتی، میں ایسے شخص کو اپنا رفیق حیات نہیں بنا سکتی، جو دنیا میں رہنے کا گُر نہ جانتا ہو، محبت جو صرف شادی کے لئے ہو کامیاب نہیں ہو سکتی، اس کی کامیابی کی شرط، کردار کی بلندی اور سیرت کی رفعت ہے افسوس محمود یہ چیزیں اپنے اندر پیدا نہ کر سکا اور میں اسے ٹھکرا دینے پر مجبور ہو گئی۔

میں نہیں کہہ سکتی، مجھے اب بھی اس سے محبت ہے یا نہیں؛ میری محبت زندہ ہے یا مر گئی؟ قائم ہے یا دب گئی؟ لیکن میرا اٹل فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان زندگی بھر کا پیمان نہیں استوار ہو سکتا یہ بات میں نے اس پر واضح کر دی تھی۔ وہ چلا گیا اور میں نے اسے نہیں روکا، میں نہیں چاہتی کہ اب وہ آئے اسنے میری محبت کا حق کھو دیا، اور شاید اسے اس پر افسوس بھی نہیں ہے شاید اس کی محبت صرف شادی ہی کے لئے تھی۔

یہ تفصیل میں نے لکھ دی کہ اپنے بارے میں کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی خاص طور پر تم سے؛

ہاں تو یہ ہے میری پوزیشن بتاؤ کیا اس حالت میں بھی تمہاری تجویز مجھے مان لینی چاہیئے؟ کیا یہ تم سے اور احسان صاحب جیسے شریف انسان سے غداری نہیں ہوگی، کیا یہ دھوکہ نہیں ہوگا؟

میں اس پر شرمندہ نہیں ہوں، کہ میں نے محمود سے ناکام محبت کی لیکن اگر احسان صاحب سے شادی کر دوں تو ضرور شرمندگی محسوس کروں گی، خود اپنے آپ سے میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا، اس لئے کہ میں ان سے محبت تو نہیں کرتی ہوں، جو عورت اپنے شوہر سے محبت نہ کرتی ہو، صرف اس کی عزت کرتی ہو، وہ تو یقیناً ساری زندگی پوری شرافت، وفاداری اور خدمت گزاری کے ساتھ نباہ دے گی، لیکن مرد کی اس سے تسکین نہیں ہوتی وہ چاہتا ہے، بیوی محبت بھی کرے اور عزت بھی، کیا میری یہ کمزوری میرا

شوہر معاف کر سکتا ہے ۔

— نہیں معاف کر سکتا، خواہ وہ احسان صاحب جیسا شریف ترین شخص کیوں نہ ہو۔

لہٰذا نہایت صاف الفاظ میں تمہاری تجویز نامنظور

پہنچا تو ہو گا سمع مبارک میں حالِ میر
اس پر بھی دل میں آئے تو جی کو لگایئے

میری یہ ساری کتھا سننے کے بعد اگر کچھ کر سکتی ہو تو کرو، نہ کر سکو یا نہ کرو تو بھی کوئی شکایت نہیں، تمہارے اتنے احسانات ہیں مجھ پر کہ ان کے شکریہ کا حق ادا نہ کر سکی، شکوہ اور شکایت کس منہ سے کروں گی!

ممکن ہے یہ میرا آخری خط ہو! ممکن ہے اب کبھی ملاقات نہ ہو سکے ۔

— کیا تم میری خطاؤں کو معاف کر دو گی ؟

ہمیشہ تمہاری

صفیہ

صفیہ نے خط پر ایک نظر ڈالی اور چمپا کی طرف بڑھایا کہنے لگی " لو یہ ہے خط جس طرح بھی ہو سکے پہنچا دو اسے زہرہ تک ۔

چمپا نے خط لے لیا، اسے موڑ کر اپنے بٹوے میں رکھ لیا پھر نہایت اطمینان اور اعتماد کے ساتھ کہنے لگی ۔

" پہنچ جائے گا!"

صفیہ نے پوچھا: " لیکن کب؟ کہیں ایسا نہ ہو، یہ خط اس وقت پہنچے، جب ہماری تدبیریں کامیاب ہو چکی ہوں!"

چمپا نے کہا، خدا نے چاہا تو نہیں ہوں گی۔ ویسے شاید تین ہی چار دن میں برات آ جائے گی۔ لیکن کتنا مزا آ جائے اگر برات آئے اور خالی ہاتھ واپس جائے!"

صفیہ کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ اکتا گئی، کہنے لگی: " یہ تاؤ

جاؤ گی کب؟"

چمپا نے کہا، جب تم سو جاؤ گی، جب امانی سو جائے گی، جب ممّا سو جائیگی جب جمال سو جائے گا، جب سارا گھر سو جائے گا؟"

صفیہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا "اتنی رات گئے؟"

وہ بولی "تو دن دیہاڑے لوگوں کی آنکھ میں دھول ڈال کر تو نہیں جا سکتی، جاؤں گی تو پکڑی جاؤں گی۔

بات صفیہ کی سمجھ میں آگئی "اچھا بھئی جیسا تمہارا جی چاہے کرو!"

۱۲

رہائی

رات کو جب سارا گھر سو گیا، تو چمپا چپکے سے اُٹھی، صفیہ جاگ رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"بیٹی میں تو چلی — تمہیں خدا کو سونپا!"

صفیہ کا دل انجام کے خیال سے دھڑکنے لگا، دیکھیے کیا ہوتا ہے، چمپا پر کیا گزرتی ہے؟ اور زہرہ کچھ کر سکتی ہے یا نہیں؟ چمپا غسلخانے میں گئی، غسل خانے کی چھت پر آہنی ٹنکی تک جانے کے لئے ایک چھوٹی سی آہنی سیڑھی تھی، غسل خانے کی کھڑکی سے یہ سیڑھی ملی ہوئی تھی۔ آدمی باہمت اور باحوصلہ ہو تو بدن کو سمیٹ کر سیڑھی پر چڑھ سکتا اور نیچے اتر سکتا تھا، چمپا نے ایسا ہی کیا، صفیہ پاس کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی، جب وہ نیچے اُتر کر آگے بڑھی تو اس نے آہستہ سے کھڑکی بھیڑ دی اور بستر پر آ کر لیٹ گئی، لیکن نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا، ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو یہی سمجھتی۔ چمپا پکڑی گئی اور اب ہما کی عدالت میں مجرم کی طرح اس کی پیشی ہو رہی ہوگی۔

امانی جلی کٹی سنا رہی ہوگی۔ جمال نے مار پیٹ شروع کر دی ہوگی اور اب میری باری آئے گی۔

چمپا گھر سے نیچے اتر کر چور کی طرح دبے پاؤں باہر نکلی، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، حویلی کے پھاٹک پر پھر رکاوٹ پیش آئی، لیکن یاد آگیا، خانہ باغ کی دیوار کا ایک حصّہ، عرصہ سے گرا ہوا ہے۔ جمال کی بے پروائی نے صرف ببول کے کانٹے بچھا دینے پر اکتفا کیا ہے، وہ پھاٹک کو چھوڑ کر خانہ باغ میں پہنچ گئی اور کانٹوں کی باڑھ سے پھونک پھونک کر قدم رکھتی باہر نکل گئی، کئی جگہ کانٹے چبھ گئے، خون نکل آیا، لیکن اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوئی۔

حویلی سے باہر نکلنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا، اور پھر احسان کے گھر کی طرف بڑھنے لگی، فاصلہ ہی کتنا تھا ذرا دیر میں پہنچ گئی۔

لیکن منزلِ مقصود تک پہنچنے کے بعد بھی مشکل راستہ روکے کھڑی تھی!

جیسے ہی اس نے احاطہ میں قدم رکھا کتے نے پہلے تو خیر مقدمی نعرے لگائے، پھر ٹانگ لینے کو آگے بڑھا۔ چمپا کی جان نکلتی تھی، کتوں سے کتے کو اپنی طرف شیرانہ بڑھتے دیکھ کر اس نے خود ہی اپنا فاتحہ پڑھ لیا یقین ہو گیا یہ پھاڑ ڈالے گا۔ اب زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

سگِ سفاک آگے بڑھتا، پیچھے ہٹتا پیش قدمی کر رہا تھا کہ کسی نے للکارا۔

"کون ہے۔؟ چمپا کی جان میں جان آئی یہ صادق تھا اس گھر کا پرانا ملازم تھا اور چوکیدار، فوراً جواب دیا۔

"صادق میں ہوں چمپا — ارے یہ کمبخت تو تیر کی طرح بڑھتا چلا آ رہا ہے — روک اپنے باپ کو!"

صادق نے وہیں ڈپٹا۔

"خبردار —"

کتے کے قدم رک گئے، وہ کھڑا ہو کر دم ہلانے بھونکنے اور گھورنے لگا، اتنے میں صادق اپنی کوٹھڑی سے ڈنڈا لے کر نکل آیا، اس نے چمپا کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا۔

"تم ! ۔ خیریت تو ہے ؟"

چمپا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا ۔

"خیریت ہوتی تو اس وقت آتی ؟" بڑے بیوقوف ہو کہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکے ؟"

پھر کہنے لگی ، "مجھے ابھی اور اسی وقت بیٹا (زہرہ) سے ملنا ہے !"

صادق نے جواب دیا "وہ تو سو رہی ہیں ، آج کچھ طبیعت بھی خراب تھی !"

چمپا نے ذرا اکڑ کر کہا ، "کچھ بھی ہو مجھے ان سے ملنا ہے بس اتنا کرو ۔ کمرے کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دو مجھے میں خود ہی جگا لوں گی ۔!"

صادق سمجھ گیا ، ضرور کوئی اہم نازک معاملہ ہے بغیر کسی حیل و حجت کے ساتھ ہو لیا ۔

"۔ آؤ ۔۔ "

وہ تو دروازے تک اسے پہنچا کر واپس آگیا ، چمپا نے وہ زوردار دستک دی کہ زہرہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی ، دروازہ کھول کر آنکھیں ملتی باہر آئی اور اور چمپا کو دیکھ کر وہ بھی ششدر رہ گئی ، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں نہایت اضطراب کے ساتھ پوچھا ۔

صفیہ تو اچھی ہے ؟ خیریت تو ہے ؟

مری ہوئی آواز میں چمپا نے جواب دیا ۔

"بیٹی بہت سی باتیں کرنا ہیں ، اندر چلو تو کہوں ، گٹھیا کی پرانی مریض ہوں جوڑوں میں درد ہو رہا ہے ، ہوا کتنے زور کی چل رہی ہے ۔"

زہرہ نے اسے اندر لے لیا ، وہ سخت پریشان ہوئی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے اگر صفیہ بخیریت ہے ، تندرست ہے ، اچھی ہے تو دو بجے رات کو چمپا یہاں کیوں آئی ہے

بستر پر بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا " جلدی کہو ، کیا بات ہے ؟ میرا تو دل ہولا جا رہا ہے ۔"

چمپا نے کچھ کہنے کے بجائے صفیہ کا خط اس کی طرف بڑھا دیا جلدی

جلدی اس نے لفافہ چاک کیا اور پڑھنے لگی، ابھی پڑھ رہی تھی کہ احسان بھی شب خوابی کے لباس میں ملبوس آگیا، چمپا کو پریشان اور زہرہ کو محویت کے عالم میں خط پڑھتے دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا۔ زہرہ سے تو اس نے کچھ نہ کہا، چمپا سے پوچھا۔

کیا بات ہے، اس وقت تم کیسے آگئیں؟'

وہ روہانسی آواز میں بولی "قسمت لائی ہے بیٹے — یہ دن بھی لکھا تھا دیکھنے کو ہائے۔"

" احسان کا اضطراب اور بڑھ گیا" اس نے پوچھا " صاف صاف بتادو کیا ہوا؟'

" اتنے میں زہرہ نے خط پڑھ لیا" اور پھٹی پھٹی نظروں سے چھت کی طرف تکنے لگی۔ احسان نے سوال کیا۔

" یہ کس کا خط پڑھ رہی تھی تم؟"

وہ افسردہ لہجہ میں بولی " صفیہ کا — بھائی جان اسے بچایئے۔ اسے بچانے کے لئے جو کچھ ہو سکے وہ کر گزریئے، ورنہ وہ مر جائے گی خودکشی کرلے گی —

یہ کہہ کر وہ رونے لگی، اسے روتا دیکھ کر احسان اور زیادہ بیقرار ہو گیا اس نے زہرہ کے ہاتھ سے صفیہ کا خط چھین لیا اور پڑھنے لگا۔ پھر اسے واپس کرتا ہوا بولا۔

" یہ تو غضب ہو گیا — لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

زہرہ اب تک روئے جا رہی تھی، اس نے تلخ لہجہ میں پوچھا۔

" یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ اسے آپ سے محبت ہو یا نہ ہو آپ تو اسے چاہتے ہیں، آپ تو اس سے محبت کرتے ہیں، کیا محبت کرنے والا دل اس طرح کے سوالات کیا کرتا ہے؟ بھائی جان! خدا کے لئے کچھ کیجئے، وقت بہت کم ہے، اگر وہ لوگ اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو کیا ہوگا؟ واقعی پھر صفیہ کی جان کی خیر نہیں، وہ بڑی آن کی لڑکی ہے وہ آن پر جان قربان کر دے گی، ہر قیمت پر، ہر طریقہ اختیار کر کے، ہمیں صفیہ لانا چاہیئے۔ ان ظالموں

کے چنگل سے چھڑالانا چاہیے۔"

احسان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" یہ تو ابھی ہو سکتا ہے۔"

زہرہ کے آنسو تھم گئے وہ خوش ہو گئی، کہنے لگی" بس تو ابھی کیجئے ابھی چھین لایئے اُسے۔"

"لیکن کیا کریں گے آپ؟"

احسان نے جواب دیا" کرنے کو کیا نہیں کر سکتا، اپنے آدمیوں کو لے کر چڑھ دوڑوں گا، حویلی پر، جمال اگر مقابلہ میں آئے گا لڑوں گا، تیر کا تیر سے بندوق کا بندوق سے، پستول کا پستول سے جواب دوں گا، نوکر نوکروں سے نبٹ لیں گے۔ وہ اگر دیہات سے اپنے کاشتکاروں کی گھار جمع کر کے لڑ سکتا ہے، تو میں اس سے دو گنے آدمی جمع کر سکتا ہوں، ان میں سے ناممکن کوئی بات نہیں ہے، لیکن ـ

زہرہ کا اشتیاق پھر پریشانی سے بدل گیا، اس نے پوچھا، لیکن کیا؟"

احسان نے بتایا، اس طرح صفیہ خطرہ میں پڑ جائے گی، سب سے اہم کام یہ ہے کہ اسے خیریت کے ساتھ وہاں سے نکال لیا جائے، پھر سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ وہاں ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا، ہم اسے زبردستی لا سکتے ہیں لیکن پولیس اسے ہم سے چھین لے گی - اور ہمیں جیل بھیج دے گی، ہمیں جیل بھیج دے گی، میں جیل جانے سے نہیں ڈرتا، صفیہ کے لئے جان دینے سے بھی نہیں ڈرتا، لیکن جان دے کر اسے نہیں بچا سکوں گا، بچا صرف اس طرح سکتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے بجائے ہمارے قبضہ میں ہو

لیکن بھیا ـ

مگر احسان نے زہرہ کی اس مداخلت کو جاری نہیں رہنے دیا وہ کہنے لگا۔

صفیہ کی موجودگی میں اگر ہم کوئی قدم اٹھاتے ہیں، یا ہنگامہ کرتے ہیں تو جمال پولیس سے مدد طلب کر سکتا ہے کہہ سکتا ہے یہ لوگ میری بہن کو اغوا کرنا چاہتے ہیں پولیس اس کا ساتھ دے گی، ہماری بات نہیں مانے گی ـ

زہرہ نے کہا" لیکن اس کا یہ خط بھی تو ہم پولیس کی دکھا سکتے ہیں؟"

احسان نے بات بھی رد کر دی، کیوں احمقانہ باتیں کرتی ہو؟ یہ خط دکھایا جا سکتا ہے پولیس کو؟"

زہرہ نے پوچھا "کیوں، کیا ہوا؟ کیوں نہیں دکھایا جا سکتا؟ اس سے بڑھ کر اس کی مظلومیت اور جمال وہما کی شہادت کا اور کیا ثبوت ہوگا؟"

احسان نے کہا، اس خط میں اس نے کئی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا منظر عام پر آنا مناسب نہیں ہے۔ مثلاً محمود کا ذکر، اس سے اپنی محبت کا ذکر، یہ خط پولیس کے ہاتھ میں آگیا تو عدالت میں بھی پیش ہوگا، تو اخبارات میں چھپے گا کتنی بدنامی ہوگی۔ اس غریب کی۔

زہرہ کو جیسے ہوش آگیا، مان گئی " ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں" مگر وہ یہاں آ کس طرح سکتی ہے؟"

احسان نے جواب دیا، آسانی سے آ سکتی ہے اگر تم کچھ ہمت کرو!"

زہرہ آمادہ ہو گئی، مستعدی اور اشتیاق سے پوچھا" بتایئے، مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں سب کچھ کر سکتی ہوں اس کے لئے آگ میں کود سکتی ہوں، اس کی خاطر

احسان مسکرانے لگا، آگ میں کودنے کی تو ضرورت نہیں، ہاں تھوڑی سی زحمت کر کے اس جیل خانے تک یعنی حویلی تک جانا ہوگا!" بغیر تمہارے گئے کام نہیں بن سکتا!

زہرہ کے تیور میں وہی دم خم تھا، کہنے لگی" جاؤں گی، ابھی جاؤں گی!"

احسان نے اسے آزماتے ہوئے کہا" ہاں اگر جانا ہے تو اسی وقت جانا ہوگا۔ ورنہ بیکار ہے — لیکن ایک بات سوچ لو۔

زاہرہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اور خاموش ہو گئی، احسان نے کہا۔

ہو سکتا ہے تم جاؤ اور صفیہ کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم بھی گرفتار ہو جاؤ اور اس کے ساتھ قید کر لی جاؤ۔

مگر زہرہ کا عزم قائم تھا" کوئی پروا نہیں، سب کچھ بھگت لوں گی!"

احسان اٹھ کھڑا ہوا" تو بس تیار ہو جاؤ پھر ایک ایک سکنڈ قیمتی ہے

چمپا اب تک ہق دق ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی، کہنے۔
لیکن بیٹے، اس لڑکی کو کیوں بھیج رہے ہو؟
احسان نے جواب دیا، تاکہ یہ صفیہ کو اپنے ساتھ لے آئے جاکر جس طرح تم یہاں آئی ہو، اسی طرح یہ وہاں جائے گی۔
چمپا نے پھر اعتراض کیا۔
یہ کام تو میں بھی کر سکتی ہوں، جواب لکھ دو، آئیں گی تو لے آؤں گی اپنے ساتھ۔"
احسان ہنسنے لگا۔ نہیں بڑی بی خط سے کام نہیں چلے گا تمہارے کہنے سے وہ نہیں آئیں گی۔ زہرہ کو دیکھ کر ان کا حوصلہ بلند ہو جائے گا وہ ڈریں گی یہ ہمت بندھ جائے گی وہ انکار کریں گی، یہ اصرار کرے گی، وہ نشیب و فراز سوچیں گی یہ ہاتھ پکڑ کر اُٹھا لائے گی، صرف تمہارے جانے سے کام نہیں بن سکتا اور پھر اس خط میں کچھ ایسی باتیں ہیں ایسے شبہات ہیں، جن کا جواب صرف زہرہ ہی دے سکتی ہے اتنا وقت نہیں ہے کہ تفصیل سے جواب لکھا جا سکے اور تمہارے جانے پر تو بھی کچھ نئے سوالات پیدا ہوں گے جن کا وقت کے وقت جواب زہرہ ہی دے سکے گی۔ کیوں زہرہ سمجھ گئیں نا میرا مطلب؟"
وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی" جی سمجھ گئی میں اچھی طرح!"
احسان نے ذرا چڑ کر کہا" پھر اب دیر کیوں کر رہی ہو؟ جاؤ۔
زہرہ باہر نکلتی ہوئی بولی" چمپا آؤ۔
احسان پھر مسکرانے لگا" واقعی جا رہی ہو۔
وہ بولی" تو کیا آپ مذاق سمجھ رہے تھے؟ کیا آپ مذاق اڑا رہے تھے میرا؟
وہ ہنسنے لگا" نہیں امتحان لے رہا تھا، لیکن کیا اکیلی جاؤ گی۔
زہرہ بگڑ گئی تو اور کیا فوج لے کر جاؤں گی اپنے ساتھ!"
احسان نے کہا" میں چلتا ہوں؟"

چمپا لرز گئی "تم ؟ — نہیں بھیا ایسا غضب نہ کرو، تم نہ چلو ؟"
احسان نے اس کی پریشانی سے ذرا لطف لیا، پھر گویا ہوا۔
باہر کھڑا رہوں گا اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو پہنچ جاؤں گا ؟

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی، فوراً صادق دوڑا دوڑا آیا۔

"حکم سرکار!"

یہ احسان کا بہت پرانا اور وفادار اور جاں نثار ملازم تھا احسان نے کہا —

"ہمارے ساتھ چلو!"

پہلے تو اس نے حیرت سے آقا کو دیکھا، پھر مستعدی کے ساتھ کہا۔

"چلئے — کہاں چلنا ہے ؟"

احسان نے بتایا "بس چند قدم ذرا حویلی تک جانا ہے"

پھر اس نے صادق کا ڈنڈا ہاتھ میں لے کر دیکھا اور کہا، خوب مضبوط ہے کسی کا سر توڑنے کے بجائے خود تو نہیں ٹوٹ جائے گا ؟

صادق نے فخر کے ساتھ سر اونچا کر کے کہا، آج تک ایسا ہوا نہیں سرکار — اب بھی نہیں ہوگا!

احسان نے اعتماد کے لہجہ میں کہا۔ ٹھیک کہتے ہو! اچھا تو تم چلو ہم آئے

صادق چلا گیا، احسان اپنے کمرے میں گیا اور پستول لے کر بہت جلد واپس آگیا۔ کارتوس کی پیٹی گلے میں پڑی ہوئی تھی، یہ عظیم الشان جنگی تیاریاں دیکھ کر چمپا کے تو حواس غائب ہو گئے، معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ اس کا وہم و گمان تک نہ تھا، وہ سارے بدن سے تھر تھر کانپنے لگی، پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا قتل کر دو گے ؟"

احسان نے اطمینان دلاتے ہوئے جواب دیا "نہیں میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔ میرا ہاتھ اس پر اٹھ سکتا، میری گولی اس پر چل سکتی ہے جو مجھ پر ہاتھ اٹھائے مجھ پر گولی چلائے۔ لیکن چمپا یہ باتیں تمہارے سوچنے کی نہیں ہیں، وقت ضائع

نہ کرو، آؤ نا۔

لرزتی کانپتی چمپا احسان اور زہرہ کے ساتھ نیچے اتری، وہاں صادق بھی بالکل تیار کھڑا تھا اور وہ خوف ناک شیر۔ کتا۔ بھی موجود تھا، احسان کو دیکھ کر بھاگا بھاگا آیا اور اس کے پاؤں سے لپٹ گیا۔ احسان نے اس کی پیٹھ تھپکی اور پیار بھرے لہجہ میں کہا۔

تم بھی چلو گے ہمارے ساتھ۔ اگر ہم زندہ نہ رہے تو تم بھی زندہ رہ کر کیا کرو گے؟

یہ الفاظ سن کر پھر ایک مرتبہ چمپا کا کلیجہ منہ کو آگیا، خوشامد بھرے لہجہ میں کہنے لگی:

"میرے بیٹے ایسا نہ کہو، خدا چاہے تو خیریت اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ گے ابھی ذرا دیر میں؟"

احسان ہنسنے لگا، اس نے کہا" چمپا تمہارے منہ میں گھی شکر۔ اگر ہم لوگ خیریت سے صفیہ کو لے کر واپس آگئے، تو واقعی بہت خوشی کی بات ہوگی یہ۔

زہرہ خاموشی کے ساتھ یہ باتیں سنتی رہی، آخر اکتا کر بولی۔

"بھائی چلئے بہت دیر ہوگئی؟"

احسان، صادق، چمپا اور زہرہ حویلی کی طرف بڑھنے لگے۔

جس جگہ کانٹوں کی باڑھ تھی، وہیں سے چمپا داخل ہوئی، یہ لوگ بھی ساتھ ساتھ تھے، پھر ٹنکی کی سیڑھی کے نیچے پہنچ گئے، سب سے پہلے چمپا چڑھی، اس کے پیچھے زہرہ، دونوں آہستہ آہستہ کھڑکی تک پہنچ گئیں، وہ بھڑی ہوئی تھی، ایک اشارے میں کھل گئی پہلے سر کے بل وہ داخل ہوئی اس کے بعد زہرہ۔

دم سادھے صادق اور احسان مع اپنے سگ باوفا کے کھڑے رہے دس، پندرہ، بیس، پچیس، تیس منٹ گزر گئے مگر نہ کوئی واپس آتا ہے نہ کسی طرح کی علامت ظاہر ہوتی ہے؟

آخر احسان نے سرگوشی کے لہجہ میں صادق سے کہا۔

"معلوم نہیں کیا بات ہے مجھے جانا چاہئے۔"

صادق نے کہا "سرکار! آپ یہیں کھڑے رہیں میں جاتا ہوں!"
احسان آگے بڑھتا ہوا بولا "نہیں مجھے ہی جانا چاہیے!"
مشکل سے دو سیڑھیاں چڑھا ہوگا کہ ایک سایہ سا کھڑکی سے اُترتا نظر آیا۔

احسان اُلٹے پاؤں آگیا!

"پھر دو سائے نظر آئے پھر تین!"

احسان کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا، اسے دبدھا لگا ہوا تھا کہ صفیہ آتی ہے یا نہیں؟ لیکن یہ تیسرا سایہ دیکھ کر۔ جو نہ معلوم چمپا تھی یا زہرہ اسے یقین آگیا کہ زہرہ کامیاب ہوئی۔

ذرا دیر میں تینوں اتر آئیں، احسان نے زبان سے کچھ نہ کہا، اشارے سے کہا "بس اب چلو۔

یہ لوگ پھر اس طرح دبے پاؤں، خانہ باغ پہنچے، وہاں سے کانٹوں کی باڑ پھلانگ کر باہر آئے اور ذرا دیر میں —

گردش

بھلا گردش زمانے کی کسے دیتی ہے چین انشاؔ

*

کون کہتا ہے تجھے میں نے بھلا رکھا ہے
دل میں ہر راز محبت کا چھپا رکھا ہے
تو نے جو دل کے اندھیرے میں جلایا تھا کبھی
وہ چراغ آج بھی سینے سے لگا رکھا ہے

*

(۱)

سرگزشت

زمانے کو گزرتے اور کروٹ لیتے کچھ دیر نہیں لگتی!

دن کو رات کا لباس پہنتے، اور رات کو دن کی صورت اختیار کرتے خزاں کو آتے اور بہار کو جاتے، خزاں کو رختِ سفر باندھتے اور بہار کو جاتے، خزاں کو رختِ سفر باندھتے اور بہار کو بابزاراں شان رعنائی و برنائی واپس آتے — تین سال کی مُدت گذر گئی۔

تین سال کی مدت — زبان سے کہہ دینا کتنا آسان ہے لیکن اس بظاہر مختصر سی مدت کا بسر کرنا کتنا مشکل؟

اس مدت میں کیسے کیسے انقلابات آئے، بہت سی نئی عمارتیں عالمِ وجود میں آگئیں، بہت پرانی حویلیاں خاک کا ڈھیر ہو گئیں، بہت سی نئی کلیاں پھوٹیں، شگوفے نکلے اور پھول بن گئے، بہت سے پھول روندے گئے پامال ہو گئے، نہ جانے کتنے آدمی گوشۂ قبر میں پہنچ گئے اور نہ جانے کتنی بہت سی لڑکیاں اور لڑکے پردۂ عدم سے عالمِ وجود میں آگئے، جن کے بال کالے تھے سفید ہونے لگے، جوانی جن پر ناز کرتی تھی، ان پر بڑھاپا طاری ہونے لگا جھریاں

نمایاں ہونے لگیں، یوں ہی ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور یوں ہی ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

اور وہ حویلی، وہ اونچی حویلی؟ اس شاندار حویلی کے مکیں! — زمانہ کے تغیرات نے حویلی کو کچھ سے کچھ بنادیا، حویلی کے مکینوں کو کچھ سے کچھ بنادیا۔

صفیہ کی احسان سے شادی ہوگئی، شادی کے دوسرے سال وہ ایک نہایت خوبصورت جیسے آفتاب، جیسے ماہتاب لڑکی — یاسمین — کی ماں بھی بن گئی اور اب وہ بڑی اچھی، بڑی پیاری لڑکی تھی، ماں کی دلاری، باپ کی چہیتی، سارے گھر کی آنکھ کا تارا۔

ہما کا انتقال ہوگیا، پہلا بچہ، اچھا بھلا، چند روز کی بیماری میں چٹ پٹ گیا یہ غم جان کا لاگو بن گیا، اسی غم اور صدمے کی حالت میں زچگی ہوئی، یہ بچہ تو بچ گیا۔ لیکن یہ بچہ بھی کتنا عجیب تھا، مادرزاد لنگڑا، ایک آنکھ ترچھی سی، سر بڑا اور ٹیڑھا، معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہما کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے یہ جمال کا لڑکا ہے۔ دبی زبان سے گھر کے نوکر چاکر کہتے تھے، یہ قدرت کا انتقام ہے یہ ہما کے ظلم کا جو غریبوں اور مظلوموں پر توڑا کرتی تھی قدرت کی طرف سے جواب ہے، لڑکے کی عمر اب ڈھائی سال کی تھی، نوکر اسے گود میں لیتے، کھلاتے اور خدمت کرنے پر مجبور تھے، مگر کوئی بھی محبت نہیں کرتا تھا، خود جمال کی یہ کیفیت تھی کہ اسے دیکھ کر خون کھولنے لگتا تھا، کچھ بیوی کا غم، کچھ قدرت کی یہ ستم ظریفی ان دونوں چیزوں نے مل کر اسے بادہ نوش اور عیاش بنا دیا تھا، ہر وقت شراب خانہ خراب، ہر وقت بوالہوسی اور آوارگی، گھر میں تو اس کا پاؤں ٹکتا ہی نہیں تھا، کئی کئی دن، غائب رہتا، شہر جاتا تو ہفتوں نہ آتا اور جب آتا تو عجب حالت میں پاؤں رکھتا کہیں تھا پڑتے کہیں تھے۔ نہ یہ فکر کہ کسانوں سے رقم کیوں نہیں وصول ہوتی؟ ؟ نہ اس کا ہوش کہ گھر کی قیمتی چیزیں چوری جارہی ہیں، ہر شعبہ میں بے پروائی، بد انتظامی، غبن، اگر شراب ملتی رہے

عیاشی کے لئے روپیہ فراہم ہوتا رہے، تو اس کی ذرا فکر نہ تھی کہ کیا گیا؟ کتنا نقصان ہوا؟ جائداد کا بڑا حصہ رہن ہوگیا۔ لیکن اس نے پروا بھی نہ کی وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ اس کے عیش میں خلل نہ پڑے۔

صفیہ، احسان کی رفیقۂ حیات تھی اسے کوئی تکلیف نہیں تھی، شوہر پر اور گھر پر راج کر رہی تھی، احسان بندۂ بے دام بنا ہوا تھا، زہرہ تو اب اس کی پجارن تھی، گھر کے نوکر چاکر جان دیتے تھے اس پر اور چمپا تو صحیح معنوں میں اسی کی جاں نثار تھی، اس کی ہر ضرورت پوری ہوتی تھی، ہر خواہش کا احترام کیا جاتا تھا اس کے ایک اشارہ پر ادھر کی دنیا ادھر ہو سکتی تھی، اپنی زندگی سے وہ مطمئن تھی، خوش بھی تھی۔ لیکن شاید بہت زیادہ نہیں۔

زہرہ کی اب تک شادی نہیں ہوئی تھی، وہ اب تک خود ہی اپنی رفیق زندگی تھی، صفیہ کی دل جوئی اور خدمت، احسان کی اطاعت اور محبت اور یاسمین سے بے پناہ عشق —— یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا اور یہ مقصد اسے حاصل تھا، وہ خوش تھی، وہ اتنی مسرور تھی، جتنی صفیہ کے آنے سے پہلے، بلکہ اب اور زیادہ، اس لئے کہ صفیہ کو بھی اس نے جیت لیا تھا۔ اب صفیہ اس کی تھی۔ احسان کی کم اس کی زیادہ۔

جمال اور صفیہ کے تعلقات منقطع ہو چکے تھے، شروع شروع میں تو نوبت نفرت تک پہنچ گئی تھی، جمال اس سے بے حد ناخوش تھا، اس کا خیال تھا۔ احسان سے شادی کر کے اور اس کا حکم نہ مان کر اس نے خاندان کو ذلیل کر دیا، وہ صفیہ کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ تھا، اس کا نام تک سننا نہ چاہتا تھا۔ اگر کبھی وہ نظر آجاتی تو منہ پھیر لیتا، اب وہ صورت تو نہ تھی، بعض عزیزوں اور دوستوں کی مداخلت سے میل ملاپ تو ہو گیا لیکن کشیدگی اب تک باقی تھی، کوئی موقعہ ہو، کوئی تقریب ہو مگر احسان کے گھر جمال آجائے، ناممکن، صفیہ خود اگر کبھی آجاتی تو اس سے تو کچھ نہ کہتا مگر خود کسی کام کا بہانہ کر کے رخصت ہو جاتا، رفتہ رفتہ صفیہ نے بھی آنا جانا چھوڑ دیا۔

احسان اور جمال میں جو ان بن پہلے دن قائم ہو گئی تھی وہ اب تک قائم تھی ہر طرح کی کوششیں کی گئیں، مگر جمال اس سے ملنے پر، اسے معاف کرنے پر اور اسے اپنا بہنوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا، احسان نے بھی کچھ پروانہ

کی، اس نے صفیہ پر تو کسی طرح کی پابندی نہیں عائد کی تھی، اسے اجازت تھی کہ جب چاہے، وہاں جائے اس سے ملے لیکن خود وہاں جانے اس سے ملنے کا خیال بھی نہیں کیا!"

ایک روز احسان آیا اور صفیہ کے پاس بیٹھ گیا، اس کے چہرے سے افسردگی اور اضطراب کے آثار نمایاں تھے یہ کیفیت دیکھ کر زہرہ گھبرا گئی اور صفیہ بھی پریشان ہو گئی، زہرہ نے پوچھا۔

" بھائی جان کیا بات ہے آپ اتنے دلگیر کیوں نظر آ رہے ہیں؟ کوئی خاص بات ہے کیا؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا " نہیں کوئی خاص تو نہیں؟"

صفیہ کی اس جواب سے تشفی نہیں ہوئی، اس نے کہا، آپ زہرہ کو تو بچہ ہے بہلا لیجئے، مگر میں ان باتوں میں نہ آؤں گی، آپ کو اپنی خاموشی اور افسردگی کا سبب بتانا پڑے گا۔

زہرہ مداخلت کرتی ہوئی بولی " جی معاف کیجئے، میں بچہ نہیں ہوں نہ بہلائی جا سکتی ہوں، پوچھ کر رہوں گی میں تو — ہاں بھائی جان کیوں فکر مند نظر آ رہے ہیں آپ؟

احسان نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

" جال پر دکھ ہوتا ہے۔ یہ تو بالکل ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے؟"

صفیہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر گویا ہوئی، نہ جانے کیا ہو گیا ہے بھائی جان کو سنا ہے، اب نہ زمینداری کے کام سے دلچسپی لیتے ہیں نہ گھر کا خیال کرتے ہیں، نوکروں کے مزے ہیں۔؟"

زہرہ بولی " وہ تو ہوں گے — لیکن انہیں سمجھائے کون؟"

" صفیہ نے بے چینی کے ساتھ کہا " میری تو وہ صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے؟"

احسان نے کہا " مگر اب تو حالات حد درجہ نازک ہوتے جاتے ہیں اگر یہی لیل و نہار رہے تو بھیک مانگنے لگے گا؟

صفیہ تڑپ گئی۔ اس سے پوچھا "کیوں؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خدا نہ کرے۔؟

احسان نے بتایا، وہ شراب پیتا ہے۔ عیاشی کرتا ہے اور اب اس نے جُوا بھی شروع کر دیا ہے، دونوں ہاتھوں سے روپیہ لُٹا رہا ہے اور اپنے آپ کو تباہ و برباد کرنے پر تل گیا ہے، یہ زندہ رہنے کے لچھن تو نہیں ہیں۔

وہ بولی "ہاں نہیں ہیں، مگر کیا کیا جائے ؟

احسان نے کہا "کم از کم جو تم کر سکتی ہو، وہ یہ کہ جائداد، مکان اور اشیائے منقولہ و غیر منقولہ سے اپنا حصہ لے لو — کم از کم یہی بچ جائے گا

صفیہ کچھ سوچنے لگی، زہرہ نے لقمہ دیا" سوچ کیا رہی ہو؟ کیا تمہارا حصہ ہے نہیں — ہے تو لینے میں کیا عار ؟

صفیہ نے پھر بے خیالی کے انداز میں جواب دیا " عار تو کچھ نہیں ہے لیکن میں ایسا کر نہیں سکتی، میں اس گھر سے چلی تھی تو عہد کر لیا تھا۔ اب اس سے اور یہاں کی کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گی، میں نے چلتے وقت جو رقعہ بھائی جان اور ہما کے نام لکھا تھا، اس میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس گھر سے جاتی ہوں، اس لئے کہ اب یہ میرا گھر نہیں رہا۔ یہاں کی کوئی چیز میری نہیں ہے اور اگر ہے تو میں اس سے دستبردار ہوتی ہوں، پھر بعض عزیزوں اور دوستوں کی سعی و کوشش سے جب ہمارا ملاپ ہوا، تو میں نے ان سے کہہ دیا تھا جو کچھ ہے آپ کو مبارک، خدا نے مجھے اتنی بڑی نعمت دے دی ہے کہ اب میں کسی چیز کی حرص نہیں کر سکتی۔"

زہرہ نے پوچھا، کون سی نعمت دے دی ہے خدا نے تم کو ہمیں بھی تو بتا دو ذرا۔

صفیہ مسکرانے لگی، اس نے فخر کے ساتھ احسان کی طرف انگلی اٹھا دی۔

(۲)

ہوشیار

باتیں کرتے کرتے احسان نے کہا" جانتی ہو جمال کو جوئے کا عادی کس نے بنایا ہے ۔

صفیہ نے بھولے پن کے ساتھ جواب دیا" میں کیا جانوں ؟"

احسان کہنے لگا" وہ ذات شریف محمود صاحب ہیں !"

" محمود "

اس سے زیادہ صفیہ کچھ نہ کہہ سکی ، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اس کا سانس زور سے چلنے لگا ۔ ایک عجب طرح کی بے کلی ، اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ اس پر ذرا دیر کے بعد پہلو بدلتی ہوئی بولی ۔

" سچ کہہ رہے ہیں آپ ؟"

" احسان زہر خندہ کرتا ہوا گویا ہوا ،" سچ کہہ رہا ہوں صفیہ — دیکھ رہا ہوں ، تمہاری کیا حالت ہے ، ہونی ہی چاہیے ، آخر بھائی کا معاملہ ہے خاندان کا معاملہ ہے ، بہت سی الجھنیں وابستہ ہیں ، لیکن نہ میں کچھ کر سکتا ہوں نہ تم کچھ کر سکتی ہو !"

وہ بولی "یہ تو ٹھیک ہے لیکن بھائی جان تو اس سے سخت نفرت کرتے تھے، اس کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے، اسے اجازت نہ تھی کہ ان کے گھر میں رہ سکے، اس کے ساتھ حقارت اور ذلت کا برتاؤ کرتے تھے کیا غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہوگا، جیسا وہ محمود کے ساتھ کرتے تھے۔

احسان نے جواب دیا "یہ بھی ٹھیک کہتی ہو — لیکن ایک بہت بڑا فرق بھی تو تھا اور ہے۔

صفیہ نے اور زیادہ متحیر ہو کر سوال کیا "فرق کیسا؟"

احسان نے بتایا "فرق یہ ہے کہ جب محمود غریب تھا، گھر کے ٹکڑوں پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی کوئی آمدنی نہ تھی، روپیہ نہ تھا، ہر کام میں، ہر ضرورت میں دوسروں کا محتاج تھا۔

لیکن اب —

قطع کلام کرتی ہوئی بولی" اب وہ کون سا لکھ پتی ہو گیا ہوگا؟"

" احسان ہنسنے لگا" ہاں بھئی اب وہ لکھ پتی ہے!"

صفیہ کو اور زیادہ حیرت ہوئی" لکھ پتی! محمود لکھ پتی ہے؟"

احسان نے ہنستے ہوئے جواب دیا" جناب — لکھ پتی، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اب اس کے ٹھاٹھ ہی دوسرے تھے، شان ہی اور ہے اب تو تمہارے گھر کے نوکر اس کے آگے پیچھے ہاتھ باندھے باندھے دوڑتے ہیں۔

وہ انہیں جھڑکتا ہے، خفا ہوتا ہے ان پر، کبھی کبھی کسی کی گوشمالی بھی کر دیتا ہے کیا مجال ہے جو کوئی چوں تک کر سکے۔

" گویا صفیہ نے یہ ساری باتیں سنی ہی نہیں وہ غرق حیرت ہو کر بولی تو وہ لکھ پتی ہے!"

احسان نے قہقہہ لگایا اور ہنستا ہوا بولا" ہاں بھئی ہاں، آخر تم یقین کیوں نہیں کرتیں؟ کہیں تمہیں افسوس تو نہیں ہو رہا ہے؟"

صفیہ نے تیوری چڑھالی، اور پوچھا" افسوس کس بات کا؟"

احسان نے اسی تمسخر کے لہجہ میں کہا "اسے مسترد کر کے؟
اور پھر ہنسنے لگا، صفیہ چڑ گئی" ایسی باتیں کیجئے گا تو بہت برا ہوگا
میں نے اس کو غربت کی وجہ سے نہیں چھوڑا تھا، غربت کی وجہ سے
چھوڑتی تو اس کے قریب ہی کیوں ہوتی ؟

میں نے چاہا تھا کہ وہ آدمی بن جائے اپنی زندگی سنوارے اپنے اندر
باعزت طور پر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ پیدا کرے، لیکن وہ ایسا نہ کر
سکا۔ دولت تو ایک عارضی چیز، آج ہے کل نہیں !"

احسان نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور بولا" بڑی
فلسفی ہو گئی بھئی۔ کیوں نہ ایک کتاب لکھ ڈالو، فلسفہ" افلاس و امارت
پر —"

وہ ہنسنے لگی" لکھ دوں گی — لیکن سوال یہ ہے کہ یہ بے انتہا دولت
اس کے پاس آئی کہاں سے ؟ کہیں سے چوری کر کے ڈاکہ مار کے کسی کا گلا
گھونٹ کر تو نہیں لے آیا ؟

احسان نے جواب دیا" یہ تو وہی جانتا ہے کہ کسی طرح یہ دولت
حاصل کر لی، لیکن چوری کرنے والا اور ڈاکہ مارنے والا، اتنی مطمئن
زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ جتنی وہ کر رہا ہے، اس نے، قریب ہی کا ایک
مکان خرید لیا ہے۔ اور اس میں بڑی آن بان کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

صفیہ کا جذبۂ تجسس تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔

کون سا مکان خریدا ہے اس نے ؟

احسان نے بتایا، تمہارے گھر کے شمال میں وہ جو ایک پرانا سا اور
شاندار مکان تھا، وہی مول لیا ہے اس نے !"

صفیہ گردن ہلاتی ہوئی بولی" سمجھ گئی، وہ مرحوم، امتیاز حسین صاحب
کا ہے ان کے بیوی بچے بڑی مصیبت میں تھے، بعض دفعہ تو کڑاکے کے
فاقے گزر جاتے تھے۔

احسان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" غالباً وہی !"

صفیہ کچھ دیر خاموش رہی، اور گردن جھکائے کچھ سوچتی رہی، پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا "میں نے راز پا لیا، محمود کی امارت کا۔

احسان نے حیران ہوتے کہا "تو ہمیں نہ بتاؤ گی ؟

وہ بولی "یہ دولت اس نے جوئے میں کمائی ہے، اس کے سوا کوئی کوئی اور صورت ہو ہی نہیں سکتی، اور اب اپنا ہزد کھا کر بھائی جان کو لوٹنے آیا ہے۔"

احسان نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے اور لطف لیتے ہوئے کہا "را! بھی بڑی دور کوڑی لائیں، میں تائید کرتا ہوں یقیناً یہی بات ہے اس کے لچھن بتائے ہوئے رہے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی لیکن کچھ بھی ہو۔

جمال اب تباہ ہونے سے نہیں بچ سکتا!

وہ درد بھرے لہجہ میں بولی ہاں امکان تو اسی کا ہے، بھائی جان کو سمجھانا کچھ آسان ہے۔ مجھے غصہ اس بات پر آرہا ہے کہ جس شخص کو وہ منہ نہیں لگاتے تھے، وہی اب ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہے۔

احسان نے داد دیتے ہوئے کہا "کیا بات کہی ہے، یہی بالکل یہی واقعہ ہے"

زہرہ نے اب تک اس گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا، اب وہ بھی بولی اور معصومیت بھرے لہجہ میں کہنے لگی۔

آخر ان جوئے بازوں کو حکومت کیوں نہیں سزا دیتی ؟ عجب اندھیر ہے کہ ایسے لوگ آزاد پھرتے ہیں اور ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا انہیں آزادی ہے کہ اپنی چال بازیوں سے جسے چاہیں برباد کر دیں، تباہ کر دیں، مٹا دیں بھرے پرے گھر ویران کر دیں۔ اگر چوروں ڈاکوؤں کو سزا دی جا سکتی ہے نقب زنوں اور دوسرے مجرموں کو جیل کی ہوا کھلائی جا سکتی ہے تو ان لوگوں کو جو دوسروں کی زندگی پر جوئے بازی سے ڈاکہ ڈالتے ہیں کیوں نہیں ہاتھ ڈالا جا سکتا۔

احسان نے کوئی جواب نہیں دیا، ہنسنے لگا، یہ ہنسی صفیہ کو اچھی نہ لگی، اس نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"اس میں ہنسنے کی بات ہے ٹھیک تو کہہ رہی ہے؟"

احسان سنجیدہ ہوگیا، اس نے کہا" ہاں وہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہے اور تم بھی غلط نہیں کہہ رہیں لیکن تمہیں نہیں معلوم، قانون ان لوگوں کے لئے نہایت بے رحم ہے جو غریب ہیں اور ان لوگوں کے لئے نہایت فیاض ہے جو دولتمند غربت کے عالم میں، محمود کسی چوراہے پر، کسی کوچہ میں جوا کھیلتا پکڑا جاتا تو قطعاً سزا ہو جاتی۔

لیکن اب تو وہ اپنے شاندار گھر میں، جمال کی عالی شان کوٹھی میں نہایت اطمینان سے قمار بازی کرتا ہے مگر کسی کی ہمت نہیں کہ اس پر ہاتھ ڈال سکے اول تو پولیس کچھ کرے گی نہیں اور اگر بر فرض محال کرنا بھی چاہے گی تو اس کی جیب گرم کر دی جائے گی، چلئے، قصہ ختم!

اور میں نے تو ایسا محسوس کیا ہے جیسے وہ اپنی اس نئی زندگی سے بہت مطمئن زندگی ہے اور کوئی شبہ نہیں اس نئی زندگی کا بڑا خوش گوار اثر بھی پڑا ہے اس کی زندگی پہ!"

اب صفیہ خاموش تھی اور باتیں کرنے کی باری زہرہ کی تھی۔ اس نے پوچھا "وہ کیسے بھائی جان؟"

احسان نے بتایا" اس کی صحت بہت عمدہ ہو گئی ہے، صورت شکل کے لحاظ سے پہلے بھی اچھا خاصا تھا اور اب تو جوانِ رعنا بن چکا ہے اس کی وضع قطع اور تراش خراش سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اُسے جو آسودگی سکون اور طمانیت حاصل ہے، اس پر فخر ہے اُسے۔

زہرہ نے سوال کیا۔ آپ نے کیسے جانا؟ کیا آپ بھی ملنے لگے ہیں اس سے کیا آپ بھی وہ یارانہ گانٹھنے کی کوشش کر رہا ہے؟

احسان نے پھر ایک قہقہہ لگایا" فرض کرو ایسا ہے تو؟ — کیا تمہیں اندیشہ ہے کہ وہ مجھے پھانس لے گا؟ مجھے بھی قمار باز بنا دے گا! میری بھی

وہی حالت ہوگی، جو جمال کی ہوئی! نہیں زہرہ ایسا نہیں ہو سکتا، قیامت تک نہیں ہو سکتا۔"

زہرہ چڑ کر بولی "کیوں نہیں ہو سکتا؟"

احسان نے کہا "اس لئے کہ جمال کی طرح میں خود اعتمادی سے محروم نہیں ہوں۔ شراب نے خود اعتمادی کی نعمت اس سے چھین لی وہ گڑھے میں گرتا چلا گیا، تباہی کے راستے پر تیزی سے دوڑنے لگا، محمود آپا اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا، شراب نے جو کچھ اس سے چھینا تھا۔ قماربازی میں مبتلا ہو کر امید بندھی کہ نہ صرف چھنی ہوئی اور ضائع شدہ دولت واپس مل جائے گی، بلکہ اس میں اضافہ بھی ہو جائے گا۔ وہ جواری بن گیا۔ لیکن میرے ساتھ تو یہ صورت نہیں ہے؟"

زہرہ مطمئن ہو گئی "ہاں یہ بات تو ہے۔

احسان نے صفیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا واقعی بڑی بھولی بلکہ صاف الفاظ میں بے وقوف لڑکی ہے یہ!"

زہرہ بگڑ گئی، واہ بھائی جان، جب دیکھو جب نہ جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں، پھر مجھے بھی غصہ آجائے گا؟"

صفیہ نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا۔ یہ تو میں بھی مانتی ہوں، بڑی سادہ لوح ہے۔ لیکن اس وقت تو اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔

احسان نے اور زیادہ زہرہ کو چھیڑتے ہوئے کہا "دیکھو نا کس قدر مطمئن ہو گئی۔ میری طرف سے یقین کر لیا کہ میں نہیں بگڑ سکتا، نہ شراب کا عادی ہو سکتا ہوں، نہ جوئے کی لت پڑ سکتی ہے، لیکن بری صحبت وہ بلا ہے کہ ذرا سے ذرا میں کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے۔"

صفیہ نے ٹوکا "خدا نہ کرے، آپ بری صحبت کیوں حاصل ہونے لگی!"

احسان نے کہا "بھئی رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے، ابھی تو صرف دو چار بار ملاقات ہی ہوئی ہے اس سے، لیکن یہ ملاقات زیادہ بڑھے تو رنگ بھی لا سکتی ہے۔؟

صفیہ اور زہرہ نے تقریباً متفق اللفظ ہو کر کہا" کیا کہا آپ نے ؟ کیا آپ نے اس سے ملنا جلنا بھی شروع کر دیا ہے ؟

ڈر گئیں !" احسان نے کہا" ہاں تو کیا ہوا ؟ اگر کوئی ملے تو ملنے سے انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے اور میں تو اس کی غربت کے زمانہ میں بھی اس سے اچھی طرح ملتا رہا ہوں، آج بھی وہ کہہ رہا تھا

زہرہ نے پوچھا" کیا کہہ رہا تھا۔ ؟

احسان نے بتایا " کہہ رہا تھا۔ آپ نے اس زمانے میں جب ذلت حقارت اور نفرت کی بوچھاڑ ہوا کرتی تھی امیرے اوپر، مجھ سے شریفانہ برتاؤ کیا، اخلاق سے پیش آئے انسان سمجھا، اس کی میرے دل میں بڑی وقعت ہے آپ کے اس احسان کو، اس انسانیت اور شرافت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا، آپ کی عظمت پیدا ہو چکی ہے میرے دل میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو انسانیت پر میرا اعتماد تازہ ہو جاتا ہے۔

صفیہ دفعتہً بول پڑی" کہنے دیجئے وہ بُرا آدمی ہے، آپ کو اس سے ملنے کی ضرورت نہیں !"

" احسان نے کہا " بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو اُسے دعوت بھی دے چکا ہوں !"

صفیہ چیخ پڑی " کیا کہا ؟ ۔ آپ دعوت دے چکے ہیں اسے ؟ "

احسان نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا" ہاں تو کون سا غضب ہو گیا

صفیہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا" یہ آپ نے غلطی کی، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا !"

وہ بولا" بہر حال غلطی سہی، اب تو ہو ہی گئی بنا ہنا ہی پڑے گا ۔ ہوا یہ کہ آج جب مجھ سے وہ ملا تو پھر میری تعریف و تحسین کا سلسلہ شروع کر دیا جیسے کوئی شاعر کسی بادشاہ کی مدح میں قصیدے پڑھتا ہے، میں بھی اپنے اسپ تازی پر سوار ہوا خوری کو جا رہا تھا۔ اور وہ بھی ایک سبزے پر سوار تھا اور شاید ہوا خوری ہی کے لئے نکلا تھا۔

"باتیں کرتے کرتے اس نے کہا " جی چاہتا ہے کسی روز آپ کے
دولت کدے پر حاضر ہوں — کیا آپ ناگواری تو محسوس نہیں کریں گے۔؟
اس کے جواب میں کیا کہہ دیتا ہرگز مت آنا ، تمہارا آنا سخت ناگوار گزرے
گا ؟ ظاہر ہے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا ۔ میں نے وہی کہا جو کہنا چاہیے
تھا —

زہرہ نے اکتائے ہوئے لہجہ میں پوچھا "کیا کہا آپ نے ؟"

احسان نے بتایا" میں نے کہا ، آپ شوق سے آ سکتے ہیں جب چاہیں
بلکہ ایسا کیجیے کل سہ پہر کی چائے پیجیے ہمارے ساتھ —

صفیہ پھر بگڑ گئی " یہ کیا ہوتا جا رہا ہے آپ کو ؟ اگر وہ آ ہی جاتا تو دو چار
منٹ بات کر کے ٹال دیتے چائے کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی —
آپ جانتے ہیں وہ کیسا آدمی ہے اور میں ہرگز نہیں چاہتی کہ ہمارے ہاں اس
کی آمد رفت کا سلسلہ شروع ہو !"

احسان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ." ٹھیک کہتی ہو ، یہ جانتے ہوئے کہ
وہ کیسا آدمی ہے ۔ مجھے نہیں چاہیے تھا کہ اسے آنے منع کرتا ، نہ میرے
لیے یہ زیبا تھا ۔ اسے دو چار منٹ باتیں کر کے ٹال دیتا — پھر جانتی ہو
وہ کیا سمجھتا ؟"

" کیا سمجھتا ؟" صفیہ نے پوچھا

" وہ سمجھتا " احسان نے کہا " میں اسے اپنا رقیب سمجھتا ہوں کہ اس
کے سایہ سے بھڑکتا ہے ، اسے اپنے ہاں آنے دینا نہیں چاہتا ، حالانکہ
ایسا نہیں ہے وہ آئے شوق سے آئے ، ایک دفعہ وہ ہمارا کیا کر لے گا ۔
نہ تمہیں جیت سکتا ہے نہ مجھ سے چھین سکتا ہے ۔ میں نے اس کی غلط فہمی
کا دروازہ بند کر دیا ، اسے بتا دیا کہ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا
میری نگاہ میں اس کی ذرا بھی حیثیت نہیں ۔

میں اسے اتنا ہی بے حقیقت اور ہیچ سمجھتا ہوں ، جتنا ایک ذرہ
بے مقدور ہوتا ہے —

— کیا تم میری رائے سے متفق نہیں ہو صفیہ ؟"

صفیہ ہرگز اس کی رائے سے متفق نہیں تھی، لیکن بحث کرکے بات کو طول دینا بھی نہیں چاہتی تھی، مدھم اور بجھے بجھے سے لہجہ میں جواب دیا۔

بہرحال آپ جو مناسب سمجھیں وہ بہتر ہے!"

لیکن زہرہ کو بھائی کی رائے سے کامل اتفاق تھا، اس نے بغیر کسی جھجک اور تامل کے کہا " بھائی جان مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے آپ نے بہت اچھا کیا جو اسے دعوت دے دی!"

صفیہ پھر خاموش نہ رہ سکی کہنے لگی۔

بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا آپ نے اسے دعوت دے دی، بلا لیا چلئے یہ ٹھیک ہے وہ آئے گا۔ اس کی پذیرائی بھی ٹھیک طرح سے ہو گی لیکن یہ سلسلہ بڑھنا نہیں چاہیے،

ایک آدھ دفعہ کی بات اور ہے ؟

محمود کے مسلسل ذکر سے صفیہ کی طبیعت اکتانے لگی، ایک طرح کی وحشت اور گھبراہٹ سی ہونے لگی،

اس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لئے ایک دوسری بات چھیڑ دی —

میں نے تو یہ بھی سنا تھا، بھائی جان کچھ بیمار بھی رہنے لگے لگے ہیں! —

"کیا واقعی ؟"

احسان نے تائید کی ۔ سنا تو میں نے بھی ہے کہ دمے کی شکایت ہے۔

اور جب دورہ پڑتا ہے تو کئی کئی گھنٹے طبیعت خراب رہتی ہے۔ لیکن یہ کم بخت اس وقت بھی انہیں شراب پلاتا رہتا ہے ؟"

بات ہر پھر کر محمود پر آجاتی تھی جس سے وہ گریز کر رہی تھی جس میں وہ حصہ لینا نہیں چاہتی تھی، اس نے کہا " سوچتی ہوں کسی دن جاکر بھائی جان

کو دیکھ آؤں!"

بڑی پرزور تائید کی احسان نے، "ضرور جاؤ، جانا ہی چاہیئے. بڑے بھائی کا حق باپ سے کم نہیں ہوتا، اگر میری صورت سے متنفر اور بیزار نہ ہوتا تو میں بھی چلتا تمہارے ساتھ۔"

احسان کی اس کی شرافت اور عالی حوصلگی پر ممنون نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا اور گردن جھکالی اور احسان نے سوچا "یہ نگاہیں کیوں ہوتی جاتی ہیں یارب دل کے پار!"

(۲)

دم خم

یہ خبر کہ محمود جائے پر آئے گا صفیہ کے لئے بڑی تشویش انگیز ثابت ہوئی، احسان اپنے کمرے میں چلا گیا، یاسمین رونے لگی، زہرہ نے اسے گود میں لیا، ہلکی سی چپت اس کے گال پر لگائی وہ رونے لگی تو خوب پیار کیا اور اسے بہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ صفیہ خود فراموشی کے عالم میں ان تمام باتوں سے غافل یہی سوچ رہی تھی کہ محمود آیا تو کیا ہو گا؟

وہ محمود کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی، وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی وہ اس سے گفتگو کرنا بھی نہیں چاہتی تھی، لیکن اب اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب اس سے ملنا پڑے گا، اب اس سے گفتگو کرنا پڑے گی۔

کیوں کر اس سے آنکھیں چار ہوں گی؟

اگر اس نے پھر پرانی باتیں چھیڑ دیں تو کیا جواب دیا جائے گا۔

اور پھر وہ چونک پڑی، نہیں میں اسے ایسا موقع نہیں دوں گی میں اسے منہ نہیں لگاؤں گی، میں اس سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔

لیکن کیا وہ بھی خاموش رہے گا؟ کیا وہ بھی اپنی زبان بند رکھے گا؟ ہمیشہ سے بیباک، خود سر، بدزبان ہے، نہ جانے کیا منہ میں آئے کیا بک دے۔

اگر اس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو احسان کو ناگوار گزری تو؟

کیا یہ نہیں ہو سکتا۔

ضرور ہو سکتا ہے۔ وہ ہمیشہ احسان کا دشمن ہے مجھے منع کیا کرتا تھا کہ یہاں نہ آیا کروں، نہ زہرہ سے ملوں، نہ احسان سے ملوں، ایک دن تو اس نے قتل کرنے تک کی دھمکی دے دی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے احسان کا نام سن کر خون کھولنے لگتا تھا اس کا؟

کیا سب باتیں بھول گیا؟ کیا؟ کیا اب اس کے دل میں احسان کے خلاف کوئی جذبہ نہیں ہے؟ کیا احسان کو اس نے معاف کر دیا۔ کیسے یقین کر لوں کہ ایسا ہو سکتا ہے؟ مجھے تو یقین نہیں آتا، میرا دل تو گواہی نہیں دیتا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو الگ تھلگ رہوں گی، نہ بات کروں گی نہ اسے بات کا موقع دوں گی، لیکن احسان کو میزبان کی حیثیت سے باتیں کرنی ہی پڑیں گی، زہرہ بھی کچھ کم نہیں ہے محفل میں تو اس طرح چہکتی ہے جیسے بلبل ہزار داستان، پھر بھلا وہ کیوں خاموش رہے گا، وہ بھی نہ جانے کیا کیا کہہ گزرے گا؟

توبہ ہے کیوں میں اس کا خیال کئے جا رہی ہوں؟ نہ مجھے اس سے مطلب نہ تعلق؟ نہ واسطہ اور اب غیر ہیں، اجنبی ہیں، اب ہمارا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن کیوں بار بار اس کی تصویر میری چشم تصور کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

کیا اب بھی میں اس سے محبت کرتی ہوں؟ کیا اب بھی میرے دل میں اس کی گنجائش ہے؟

توبہ توبہ، کتنا ناپاک خیال آ گیا میرے دل میں، کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے میری توجہ، میری التفات اور میری محبت کا مرکز صرف احسان ہے اس جیسے انسان کو چھوڑ کر اس جیسے شیطان کو، کیوں کر اپنے دل میں جگہ دے سکتی ہوں؟

صفیہ یہی باتیں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ چمپا آ گئی، چمپا کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی کہ چلو جی بہلے گا جو خیالات اتنی دیر سے ہجوم کئے ہوئے تھے ان سے نجات

مل جائے گی لیکن چمپا نے آتے ہی خود یہ داستان شروع کردی ، کہنے لگی ۔

بٹیا کچھ اور بھی سنا تم نے ؟

صفیہ کا دل دھڑکنے لگا وہ سمجھ گئی ، چمپا کیا سنانا چاہتی ہے ؟ لیکن انجان بنی رہی ، حیران تھی ، اس سوال کے جواب میں کیا کہے ؟ آخر جی کڑا کر کے گویا ہوئی ۔

" کیا بات ہے چمپا ؟ "

چمپا اطمینان سے بیٹھتی ہوئی بولی " وہ آ گئے ہیں ۔ ذات شریف محمود میاں ! "

بے پروائی کے ساتھ وہ بولی " ہاں سن چکی ہوں ، احسان نے تو چائے پر بلا بھی لیا ہے ۔"

چمپا بگڑ گئی " بھاڑ میں جائے ایسی چائے ۔ وہ اس قابل ہے کہ یہاں آئے ؟ "

صفیہ کا سارا بدن کانپنے لگا ، وہ خائف تھی کہ دیکھئے اب کیا سننا پڑتا ہے پھر بھی اپنے آپ پر قابو پاکر اس نے کہا ۔

" تم بہت خفا معلوم ہوتی ہو ؟

وہ بولی " میرا تو جی چاہا منہ جھلس دوں اس کا ! "

صفیہ کو پوچھنا پڑا " کیوں " ؟

جواب چمپا کے پاس تیار تھا " میں رستے رستے جا رہی تھی کہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار محمود میاں میرے پاس سے گزرے ، دیکھتے ہی اتر پڑے کہنے لگے ، ارے چمپا تم ؟ کہو کیسی ہو ۔

میں نے جواب دیا اچھی ہوں تم کیسے ہو ؟

کہنے لگا ، دیکھ لو ، کیسا ہوں ؟ آئینہ دیکھتا ہوں تو خود اپنے پر عاشق ہو جاتا ہوں ـــ کیوں چمپا سچ کہتا ہوں نا ؟ پہلے سے زیادہ گبرو جوان ہو گیا ہوں یا نہیں ؟

میں نے کہا " ہاں پہلے کون سے برے تھے ، اب اور اچھے ہو گئے ہو

قہقہہ مار کر ہنس پڑا کہنے لگا " تمہاری بیگم صاحبہ دیکھ لیں گی مجھے تو پھر سے عاشق ہو جائیں گی ؟

بس پھر تو مجھے بھی غصہ آگیا، میں نے کہا، اگر اس قابل ہوتے تو وہ نفرت ہی کیوں کرنے لگتیں تم سے ؟ اپنے دل سے تمہاری محبت کھرچ کیوں ڈالتیں۔

کہنے لگا " پہلے میں غریب تھا، اب امیر ہوں، پہلے میں ان کے ٹکڑوں پر پڑا تھا اب نہیں خرید سکتا ہوں، پہلے جمال میرے ساتھ وہ برتاؤ کرتا تھا جو غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اب میں اسے دھتکار دیتا ہوں، پہلے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اب کیا نہیں ہے ؟ تمہاری بیگم صاحبہ جو چاہیں گی وہ حاضر کر دوں گا — !"

یہ باتیں سن کر مجھے پھر تاؤ آگیا، میں اس دفعہ اسے جھڑکتے ہوئے کہا تم سمجھتے کیا ہو صفیہ کو ؟"

تڑسے جواب کیا دیتا ہے " عورت — اور میری قسمت کچھ ایسی ہے کہ کوئی عورت میرے دام سے نکل نہیں سکتی .. جنھیں میں نہیں چاہتا، وہ مجھ پر جان دیتی ہیں۔ جسے میں چاہوں، کیا وہ ہزار جان سے فدا نہیں ہو گی مجھ پر؟

میری تجھی شامت آگئی تھی پوچھ بیٹھی، کیا اب بھی تم محبت کا دم بھرے جا رہے ہو ؟ کیا اب بھی تمہیں صفیہ سے محبت ہے۔ ؟

سینہ تان کر کہنے لگا نفرت بھی ہے محبت بھی ہے میں اُس سے خفا بھی ہوں کہ اس نے مجھے دغا دی۔ لیکن میں اسے جیت کر رہوں گا ؟

میں نے کہا، اے چل بھڑوے، بڑا آیا ہے جیتنے والا، ہوش میں ہے کہ نہیں ؟

بڑے زور سے ٹھٹھا مار کر ہنس پڑا کہنے لگا، ہوش میں ہوتا، تو یہاں آتا کیوں ! دنیا میں کیا عورتوں کی کمی ہے کچھ —

چمپا شاید ابھی یہ داستان پوری تفصیل کے ساتھ جاری رکھتی کہ دفعتہً صفیہ نے بلند آواز سے تقریباً چیختے ہوئے بولی۔

"چپ رہو چمپا — چلی جاؤ یہاں سے !"

چمپا چپ ہوگئی، ٹکر ٹکر صفیہ کو دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی کوئی خطا ہوگئی ہے مجھ سے ؟"

صفیہ ہوش میں آگئی، اس پر ندامت کی کیفیت طاری ہوگئی، اس نے کہا "نہیں چمپا تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی، لیکن میں اس کی باتیں نہیں سننا چاہتی اور تمہیں بھی ہدایت کرتی ہوں کہ اب اگر راستے گلی میں کہیں مل جائے تو ہرگز اسے منہ نہ لگانا وہ لاکھ لاکھ روکے، بات کرے، لیکن تم کسی بات کا جواب نہ دینا کوئی بات نہ کرنا، کچھ نہ کہنا ؟

بڑی سعادت مندی کے ساتھ چمپا نے وعدہ کر لیا "بیٹی مجھے کیا پڑی ہے۔ موئے کے منہ لگنے کی، آج بھی وہ جھاڑ کا کانٹا بن کر پیچھے پڑ گیا تھا تو مجبور ہوگئی۔

اب کبھی جو اس سے بات کروں۔

اس یقین دہانی سے صفیہ مطمئن ہوگئی۔ دفعتہً چمپا نے سوال کیا۔

"لیکن وہ یہاں کیوں آرہا ہے ؟"

بے بسی کے ساتھ صفیہ نے جواب دیا، کیا بتاؤں احسان کی عادت جانتی ہی ہو، ہر شخص کے لئے سراپا اخلاق بنے رہتے ہیں، انہیں بھی تمہاری طرح کہیں مل گیا تھا، دو چار باتیں کیں، چائے پر بلا لیا، بات یہ ہے کہ ان کے دل میں تو کسی کے خلاف بغض یا کینہ ہے نہیں —

چمپا قطع کلام کرتی ہوئی بولی "نا توبہ کرو بیٹی، وہ تو شیطان سے بھی عداوت نہیں رکھتا۔

صفیہ نے کہا، لیکن محمود ؟ — کیا اس کے لئے بھی یہ کہا جا سکتا ہے؟

چمپا نے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا "توبہ ہے تم نے بھی کس کا نام لے لیا وہ تو سو شیطانوں کا ایک شیطان ہے ؟"

صفیہ بولی" وہ میرا دشمن ہے، میری وجہ سے احسان کا دشمن ہے میں ہرگز پسند نہیں کرتی کہ اس کا یہاں آنا جانا ہو، لیکن اب تو بلایا جا چکا ہے

اب کیا ہو سکتا ہے ؟ باقی آئندہ ایسی صورت نہیں پیش آنے دوں گی ۔ ؟

جمیا کو تائید کرنے کا بھی موقعہ نہ ملا ، زہرہ یاسمین کو لئے ہوئے آئی اور صفیہ کی گود میں دیتی ہوئی بولی ۔

لو بھئی اس رونی لڑکی کو ، کیسا گلا پھاڑ کر روتی ہے کہ دوسروں کو رونا آجاتا ہے جیسے کسی نے ظلم کے پہاڑ توڑ دئے اس پر حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ میں نے ہلکی سی چٹکی لی تھی ۔"

صفیہ نے یاسمین کو گود میں لیتے ہوئے کہا ، بڑی وہ ہو تم بھی ؟"

(۴)

تنہائی میں

اور جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر!"

وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ پہلے محمود آگیا، اس وقت احسان کہیں باہر گیا ہوا تھا، زہرہ کوٹھی کے برآمدے میں بیٹھی اپنی بلی سے کھیل رہی تھی محمود کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، محمود نے سراپا اخلاق بن کر کہا" شاید میں مس زہرہ سے مخاطب ہوں!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی، آپ کا خیال صحیح ہے؟

محمود نے کہا- احسان صاحب نے خواہ مخواہ تکلف کرتے ہوئے مجھے چائے کی دعوت دی تھی آج!

زہرہ ہنسنے لگی اور گویا ہوئی، خواہ مخواہ کی بھی ایک ہی رہی - لیکن معلوم ہوتا ہے آپ چائے وقت سے پہلے پینے کے عادی ہیں، ایک گھنٹہ پہلے تشریف لے آئے آپ، بھائی جان اس وقت موجود نہیں ہیں -

محمود نے اطمینان سے سگار نکالا اور اُسے سلگاتا ہوا بولا " تو کیا ہوا آپ تو ہیں؟

غالباً صفیہ بھی ہوں گی ؟

زہرہ نے کوئی جواب دیا، جی ہاں ہیں تو — چلئے وہیں بیٹھئے چل کر!"
یہ کہہ کر وہ محمود کو لئے ہوئے صفیہ کے کمرے میں پہنچی اور کہنے لگی لو بھئی تمہارے مہمان آگئے۔

محمود صفیہ کے سامنے کھڑا تھا۔

صفیہ کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں!

اس نے نظر اٹھا کر محمود کو دیکھا، لیکن کچھ نہ بول سکی، یہ نہ کہہ سکی کہ بیٹھ جاؤ
محمود اسی طرح کھڑا رہا اور سگار کے کش لگا رہا تھا۔

واقعی کتنا بدل گیا تھا اس مدت میں محمود، آج کے محمود کی بات ہی کچھ اور تھی یہ بانکپن، یہ صحت، یہ توانائی، یہ خوب روئی، یہ مردانہ وقار، یہ مردانہ جلال پہلے کہاں تھا؟"

زمانے کی سختیوں اور رنگینیوں نے ذرا بھی تو اثر نہیں کیا تھا اس پر؟
وہ کھڑا سگار پی رہا تھا اور مسکرا رہا تھا!

آخر زہرہ نے کہا، محمود صاحب تشریف رکھیے، وہ کرسی پر بیٹھ گیا
زہرہ نے پھر کہا، جب تک بھائی جان آئیں کیوں نہ ایک دور چائے کا؟ وہ نہایت بے تکلفی اور آمادگی کے ساتھ بولا، نیکی اور پوچھ پوچھ!
زہرہ ہنستی مسکراتی چائے کا انتظام کرنے چلی گئی!

اب کمرے میں صرف دو ہستیاں تھیں، صفیہ اور محمود — یہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے قریب تھے لیکن کتنے دور۔

صفیہ نے چاہا تھا کہ زہرہ کو نہ جانے دے لیکن روکنا بھی ممکن نہ تھا اور اس نے اتنا موقعہ ہی کب دیا تھا کہ وہ کچھ کہتی اور یہ کچھ سنتی!

ایک کمرے میں تنہائی کے عالم میں اپنے آپ کو اور محمود کو پا کر وہ گھبرا گئی۔ دفعتہً وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر نکلتی ہوئی بولی "یہاں تو کچھ حبس ہو رہا ہے آیئے برآمدے میں بیٹھیں گے!"

محمود نے کوئی جواب نہیں دیا، سگار پیتا چپ چاپ اس کے پیچھے برآمدے میں چلا آیا اور کرسی پر بالکل صفیہ کے بالمقابل بیٹھ گیا۔

لیکن — یہاں بھی تنہائی تھی، یہاں بھی ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور صفیہ جس چیز سے حد درجہ خائف تھی، وہ یہی تنہائی تھی۔

محمود نے اس کی کیفیت سمجھ لی، اس نے کہا۔

"صفیہ تم مجھ سے بھاگنے کی کوشش کیوں کرتی ہو؟ تم بدل گئیں، تم اب مجھے ایک اجنبی، ایک غیر سمجھتی ہو، تمہارا وہ برتاؤ اب میرے ساتھ نہیں ہے جو پہلے تھا، پہلے تم مجھے کہتی تھیں، آج آپ بن گیا ہوں میں، یہ تبدیلی صرف تمہارے اندر ہوئی ہے۔ میرے اندر نہیں!"

صفیہ نے جواب میں کچھ کہنا چاہا تھا، مگر محمود نے موقع نہ دیا وہ گویا ہوا، دنیا کی نظروں میں اب تم میری نہیں ہو، دنیا کی نظروں میں اب تم میری بن ہی نہیں سکتیں — لیکن تم ہمیشہ سے میری تھیں اور ہمیشہ میری رہو گی دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتی — تم میری تھیں، میری، میری ہی رہو گی —

احسان بھی مجھے تم سے جدا نہیں کر سکتے!"

ایک ایک لفظ صفیہ کے دل پر تیر و نشتر کی طرح لگ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا، اس شخص کا منہ نوچ لے، اس کی زبان تراش دے اس کی قوت گویائی سلب کر لے، اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دے۔ لیکن کوئی بات بھی ممکن نہ تھی، بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا کر بولی۔

اس طرح کی باتیں نہ کیجیے — نہ میں ایسی باتیں کرنا چاہتی ہوں، نہ سننا چاہتی ہوں!"

محمود ہنسنے لگا، ارے تم تو خفا ہو گئیں؟"

وہ بولی "ہاں خفا ہو گئی، آپ نے اب تک یہ بھی نہیں سیکھا کہ کس سے کس طرح باتیں کرنا چاہئیں آپ ابتک ہوش کے ہوش میں ہیں، آپ صفیہ سے مخاطب نہیں ہیں، آپ ایک شخص کی بیوی سے مخاطب ہیں —

محمود نے قطع کلام کیا اور بولا " یہ ٹھیک ہے کہ میں ایک شخص کی بیوی سے مخاطب ہوں، لیکن اس کا نام صفیہ ہے ۔ کیا یہ غلط ہے ؟

صفیہ نے تیکھے لب و لہجہ میں کہا ۔" بالکل غلط ہے ۔ صفیہ کا وجود اس دن ختم ہوگیا، جب اپنے گھر سے نکل کر یہاں آئی تھی ۔

محمود نے زیر خندہ کرتے ہوئے کہا " یہ تو میں نے گیا تھا ۔ تم تو یہاں بھاگ کر آئی ہو، اپنا گھر چھوڑ کر اپنے بھائی کی ع.زت، ناموس، وقار اور شرافت پر لات مار کر اپنے خاندان کی ناک کاٹ کر، اپنے کنبہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر۔ لیکن حیرت ہے تم اتنی بہادر کیسے بن گئیں ؟ نہ بُزد، ابزدل نکلیں، ہمیشہ میں تمہارے سامنے گڑگڑاتا رہا کہ چلو اس گھر سے، اس دیس سے نکل چلیں، اپنی دنیا الگ بسائیں، لیکن تم انکار کرتی رہیں، ہمت نہ پڑی تمہاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، اور جب پڑی تو اس طرح کہ آدھی رات کو دیواریں پھاندتے بھی جھجک نہیں پیدا ہوئی شاباش ہے بھئی تم ؟ "

صفیہ تلملا گئی، اس کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا تھا، پہلو بدلتی ہوئی ہوئی بولی ۔

صفیہ تلملا گئی، اس کا ایک رنگ آیا ۔ حق نہیں ہے کیا مجھے حق نہیں تھا کہ جسے چاہوں اپنا شریک زندگی منتخب کروں گا ؟

محمود نے کہا " کیوں نہیں تھا ؟ " اسی لئے تو تم نے مجھے اپنا شریک زندگی منتخب کیا تھا، لیکن میں مفلس تھا اس لئے اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکیں احسان دولت مند تھا، اس نے خرید لیا ۔ لیکن میں اس سودے کو قائم نہیں رہنے دوں گا ۔

تڑپ کر صفیہ بولی " تم جھوٹے ہو ۔۔ نہیں، جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی، وہ بھی میرے منہ پر، اگر صرف مفلسی کے باعث میں تمہیں دھتکار دیتی تو پہلے ہی دن دھتکار دیتی، تم اس لئے ٹھکرائے گئے کہ تم میں آدمی بننے کی اہلیت نہ تھی، تم جانور تھے اور جانور ہی رہے، تمہاری اصلاح کے لئے میں نے کیا کچھ نہیں کیا، بھائی سے لڑی، گھر بھر کی بری بنی، بھابی سے جھگڑا

کیا۔ نوکروں میں ذلیل ہوئی، تمہاری مفلسی اس ایثار سے مجھے نہ روک سکی، بھائی جان نے کان پکڑ کر تمہیں نکال دیا، لیکن میں نے تمہیں سہارا دیا، میں نے تمہیں پناہ دی، میں نے تمہاری دستگیری کی اور جو کچھ میرے پاس تھا سب، تمہارے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ مگر تم پھر بھی اصلاح اپنی نہ کر سکے اپنے آپ کو آدمی نہ بنا سکے، تم نے وہ پونجی بھی اڑا دی، تم کچھ بھی نہ بن سکے کیا پھر بھی میں تمہیں نہ ٹھکراتی؟ مجھے تمہیں ٹھکرا دینے پر ذرا بھی پشیمانی نہیں ہے میں نے جو کچھ کیا تھا، بالکل ٹھیک کیا تھا، مجھے وہی کرنا چاہیے تھا۔

صفیہ جوش اور اضطراب کے عالم میں بھرائی ہوئی آواز سے بولے جا رہی تھی اور محمود چپ چاپ بیٹھا سگار کا دھواں اڑا رہا تھا، سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

تم نے اپنی ناپاک زبان سے ایک پاک شخص کا نام لے کر اس کی توہین کی ہے۔

محمود اس سے زیادہ نہ سن سکا، اچھل کر بولا ؟" کیا کہا؛ میں نے اپنی ناپاک زبان سے ایک پاک شخص کی توہین کی ہے؟ میری زبان ناپاک ہے اور وہ، اور وہ —

"پاک ہے — صفیہ نے کہا، تم اس کی خاکِ پا کی برابری بھی نہیں کر سکتے، اگر فرشتے کا مقام آدمی سے اونچا ہوتا، تو میں اسے فرشتہ کہتی اس نے تمہاری طرح نہ کبھی آہیں بھری تھیں، نہ عشق و محبت کا اظہار کیا تھا نہ میں نے اس سے محبت کی تھی اور زندگی نباہ دینے کا عہد کیا تھا، بے شک وہ مجھ سے محبت کرتا تھا، لیکن اس نے کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا، کبھی یہ لفظ زبان پر نہیں لایا، اس نے کبھی مجھ سے چار آنکھیں نہیں کیں اس کی اصلاح اور درستی کے لیے میں نے کبھی کچھ نہیں کیا، تم جب یہاں تھے، تو کوئی چمارن بھی تم سے وہ عہد رشتہ نباہنے پر تیار نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اسے کیا کمی تھی؟ وہ اونچے سے اونچے خاندانوں میں رشتہ کر سکتا تھا وہ اچھی سے اچھی لڑکی بیاہ کر لا سکتا تھا، وہ خوبصورت سے خوبصورت بیوی لا سکتا تھا، لیکن ایک بے بس

بے سہارا، غمگین، افسردہ اور ایسی لڑکی کے لئے جو اس سے نہ صرف یہ کہ محبت کی مدعی نہ تھی، بلکہ ایک درندے سے محبت کرکے داغ لگا چکی تھی اپنے دامن پر، اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا، اپنی عزت کو داؤں پر لگایا اپنے ناموس کی پروا نہ کی، موت کو لبیک کہتا ہوا، اپنی جوان، عصمت مآب، اور نہایت پیاری بہن کو آگے بڑھا کر خطرے میں ڈال کر

ہر قربانی کے لئے تیار کر کے مجھے بچا لایا، کیا وہ فرشتہ نہیں ہے؟ کیا رواسب سے اونچا آدمی نہیں ہے؟ کیا تم اس کی خاک پا تک پہنچ سکتے ہو؟ اس نے مجھے بچایا، اس نے مجھے ایک ظالم، ستمگر، سفاک اور درندہ خو بھائی کے پنجہ سے نجات دلائی، اس نے مجھے اس شخص کی بیوی بننے سے بچا لیا جو تمہاری طرح جاہل تھا، تمہاری طرح نالائق تھا، کیا اس کا یہ احسان معمولی تھا؟ سنو اور ذرا بھی غیرت ہے تو شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مرو، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اس نے محبت کا اظہار نہ کیا، نہ شادی پر اصرار، میں چاہتی تو آزاد رہ سکتی تھی، لیکن اگر میں اس کی بیوی نہ بنتی تو پولیس پکڑ کر لے جاتی، اور درندے بھائی کے حوالے کر دیتی جو میرا ولی تھا اور شرعاً و قانوناً جو مجھے ایک غیر مرد سے چھین سکتا تھا، مجھ خود غرض نے اپنے بچاؤ کے لئے اپنے تحفظ کے لئے، محض خود غرضی سے اس کی بیوی بننا منظور کر لیا، اس نے ازراہ کرم مجھ سے شادی کر لی اور اس طرح شادی کی کہ اپنے دل کا اپنے گھر کا، اپنی ہر چیز کا مجھے مالک بنا دیا، وہ میری صورت دیکھ دیکھ کر جیتا ہے میرا ہر اشارہ اس کے لئے حکم ہے، میں ذرا بیکل ہو جاؤں تو وہ تڑپ جاتا ہے،

محمود کا سگار بجھ گیا تھا، اسے پھر سلگایا اور کوئی جواب دئے بغیر کش لگانے لگا اور صفیہ پر اسی وقت نہ جانے کیسی کیفیت طاری تھی وہ بدستور بولے جا رہی تھی۔۔

تم مجھے احسان سے چھین لوگے؟ تم مجھے جیت لوگے؟ تم پہلے بھی احمق اور دیوانے تھے، اب بھی احمق اور دیوانے ہو، احسان سے مجھے کوئی نہیں چھین سکتا، سوا موت کے کیا تم موت بن کر آئے ہو؟"

اس طرح جیسے ان باتوں کا ذرا بھی برا نہیں مانا ، جیسے ان باتوں میں کوئی تلخی نہیں تھی "، جیسے ان باتوں میں کوئی بات اس کے لئے ناگوار نہیں تھی نہایت ٹھنڈے ، نرم اور ملائم لہجے میں کہنے لگا ۔

" نہیں صفیہ میں تمہارے لئے موت بن کر نہیں آیا ہوں ، زندگی بن کر آیا ہوں ۔ تمہاری خزاں کو بہار سے بدلنے آیا ہوں ؟

صفیہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور گویا ہوئی ،

" میری خزاں ؟ "

محمود نے کہا " ہاں ، یہ زندگی جو تم بسر کر رہی ہو ، خزاں نہیں تو کیا ہے تم نے اتنی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی ، احسان کے صفات اور خوبیوں کے باب میں اتنا زبردست لیکچر جھاڑ ڈالا ، لیکن میں اس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا ، جانتی ہو کیوں ؟ ۔

اس لئے کہ مجھے یقین ہے تم اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو اور ہمیشہ کرتی رہو گی ، محبت کبھی نہیں مرتی اور وہ محبت جو مجھ سے کی جائے وہ تو مر ہی نہیں سکتی ، مر بھی جائے تو میں اسے زندہ کر لینے کی سکت اور طاقت رکھتا ہوں ! "

صفیہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ زبیرہ چائے لے کر آ گئی اور دونوں خاموش ہو گئے ! "

(۵)

کشمکش

چائے پیتے پیتے محمود نے ایک نظر زہرہ پر ڈالی اور پوچھا "دن بھر کیا کرتی رہتی ہیں آپ گھر پر؟"۔

وہ بولی "بہت سے کام ہیں، بھائی کی خدمت کرتی ہوں، بھابی کے نخرے اٹھاتی ہوں، بھابی کو پیار کرتی ہوں، کھانا کھاتی ہوں، پانی پیتی ہوں، باتیں کرتی ہوں، سوتی ہوں، جاگتی ہوں، پڑھتی ہوں، سنتی ہوں دیکھتی ہوں — یاد کروں تو اور بھی بہت سے کام یاد آئیں گے۔ لیکن فی الحال اتنے کافی ہیں!"

" محمود ہنسنے لگا "آپ تو حد درجہ دلچسپ ہیں!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی "میرا بھی یہی خیال ہے اپنے بارے میں!"

محمود پھر ہنس پڑا، اتنی حاضر جوابی میں نے کسی اور عورت میں نہیں دیکھی آج تک —

وہ بھی ہنسنے لگی "آپ ہماری بھابی کو کیا سمجھتے ہیں؟ وہ تو اتنی حاضر جواب ہیں، کہ بس کیا کہیئے!"

محمود نے صفیہ کی طرف دیکھے بغیر کہا "ہوں گی — لیکن اتنی دیر سے تو

وہ اس طرح خاموش ہیں جیسے بولنا ہی نہیں آتا انہیں ۔

زہرہ نے اب تک اس طرف توجہ ہی نہیں کی تھی کہ صفیہ گم سم بیٹھی ہے اب متوجہ ہوئی اور کہنے لگی ۔

کیا بات ہے ؟ واقعی چپ کیوں لگ گئی ہے تمہیں ۔؟

وہ پہلو بدلتی ہوئی زیر لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی ۔

جو لوگ خاموشی کی زبان نہیں سمجھ سکتے، وہی زیادہ باتیں کرتے ہیں !"

زہرہ نے فتحمندانہ لہجے میں محمود سے کہا، اب جواب دیجئے ۔

وہ ابھی کوئی جواب نہیں دے سکا تھا کہ احسان آگیا، اس نے محمود کو دیکھتے ہی گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا ۔

مجھے دیر ہوگئی یا جلد آگئے ؟

محمود نے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا " دونوں ہی باتیں ہیں ۔ میں ایک گھنٹہ ہوا جب آیا تھا ، یعنی وقت سے پہلے ، آپ اب آئے ہیں گھڑی دیکھتے ہوئے ، پندرہ منٹ بعد !" خیر کوئی حرج نہیں آپ آگئے جی خوش ہوگیا آپ کو دیکھ کر !"

احسان مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا، زہرہ نے ملازم سے برتن اٹھوائے اور ازسرنو دعوت کا اہتمام کرنے چلی گئی ۔ ایک مرتبہ پھر محمود اور صفیہ تنہا رہ گئے برآمدے میں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا ۔ محمود نے بجھے ہوئے سگار کو سلگاتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا ۔ پھر کہنے لگا ۔

" زہرہ کی شادی نہیں ہوئی اب تک ؟ "

بہت مختصر سا جواب دیا صفیہ نے " نہیں !"

محمود نے پوچھا " کہیں بات طے ہو چکی ہے ۔

صفیہ نے بے تعلقی کے ساتھ کہا " آتی ہوگی پوچھ لیجیے گا اسی سے !

محمود مسکرانے لگا ، پھر اس نے پوچھا " واقعی تم احسان سے محبت کرتی ہو ؟"

صفیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا ۔

"اس طرح کی باتیں کرنے کا حق نہیں رکھتے آپ!"

محمود کے ہونٹوں پر پھر تبسم کھیلنے لگا، وہ جیسے اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔ زور سے نہ بولو۔

صفیہ چپ ہو گئی، محمود ذرا دیر خاموش رہ کر گویا ہوا "اگر تم چاہو تو اب بھی گزرا ہوا زمانہ واپس آسکتا ہے؟

صفیہ نے حقارت کی ایک نظر اس پر ڈالی اور کہنے لگی۔

"گزرا ہوا زمانہ کبھی واپس نہیں آتا، آپ کو یہاں بیٹھے ہوئے جو لمحے گزر چکے ہیں وہ بھی واپس نہیں آسکتے، ماضی کے پیچھے دوڑنا حماقت ہے حال پر قناعت کرنی چاہیئے!"

محمود نے ایک زور کا کش لگایا "میں یہاں نصیحت سننے نہیں آیا ہوں تم نے تو واعظ شروع کر دیا۔"

صفیہ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب دیا، محمود نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "عقل سے کام لو اپنی دشمن نہ بنو۔

"صفیہ بپھر گئی، میں دھمکیوں سے نہیں ڈرتی!"

محمود نے نرم لہجے میں کہا۔ دھمکی نہیں دیتا، ابھی دینے کا وقت نہیں آیا ہے میں تو صرف اپیل کر رہا ہوں تم سے۔ کوئی شخص اگر کسی کی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لی جا سکتی ہے۔ احسان نے تمہیں مجھ سے چھین لیا ہے۔ میں تمہیں واپس لینا چاہتا ہوں، میں واپس لے کر رہوں گا۔

صفیہ سہم گئی، اس نے درد بھرے لہجے میں کہا "عقل کی باتیں کرو تم خود اپنے ساتھ دشمنی کر رہے ہو، سائے کے پیچھے دوڑنا حماقت ہے ماضی کی تلاش بے سود ہے، وہ بات نہ چاہو جو کبھی نہیں ہو سکتی، جو کبھی عمل میں نہیں آسکتی، احسان نے مجھے تم سے چھینا نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے، احسان نے مجھے نہیں ورغلایا ہے میں نے تم سے نفرت کی ہے، احسان نے مجھے اسیر دام نہیں کیا ہے، وہ میں ہوں جس نے تمہیں چاہا اور نفرت کرنے لگی، تم سے امید قائم کی اور مایوس ہو گئی،

نہیں آدمی نہ بن سکے ۔

" کیا میں اب بھی آدمی نہیں ہوں ؟ — اب تو میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے جو مجھے دیکھتا ہے سلام کرتا ہے ، احترام کرتا ہے ، عزت کرتا ہے خود تمہارے بھائی جان میرے رحم و کرم پر زندہ ہیں ، کیا تم اب بھی مجھے درندہ سمجھ رہی ہو ۔

ہاں ۔ تم پہلے جتنے انسان تھے ۔ اب اس سے زیادہ گر چکے ہو پہلے تم میں انسانیت کی جھلک تھی اب وہ بھی نہیں رہی !

" یہ کس طرح فیصلہ کر لیا تم نے ؟ "

میں غلط نہیں کہتی سچ کہتی ہوں ، ٹھیک کہتی ہوں ، درست کہتی ہوں تم ایک عورت کو جو ایک شخص کی بیوی ہے ورغلا رہے ہو کیا کوئی انسان ایسی رکیک حرکت کر سکتا ہے ؟

عورت — ایک شخص کی بیوی ! — یہ غلط ہے ! "

کیا غلط ہے ؟ — کیا میں عورت نہیں ہوں ؟ احسان کی بیوی نہیں ہوں ؟

میں تمہارے لیے اب وہی حیثیت رکھتی ہوں جو ایک شریف آدمی کے لئے "بہن یا بیٹی" کی ہو سکتی ہے ۔ اگر تم میں انسانیت ہوتی شرافت تو تم میرے بھائی بن جاتے میرے دوست بن جاتے ، لیکن یہ چیزیں بیچ کر تم بہت سا روپیہ کما لائے ہو اور اب اس سے ہر چیز کو حتیٰ کہ انسانیت اور شرافت تک کو خرید لینا چاہتے ہو ۔ مگر یہ ناممکن ہے تم مجھے خریدنے کی کوشش کر رہے ہو ۔ مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا !

صفیہ میرے انتقام سے ڈرو ! "

" میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی ! "

" پھر واقعی میں درندہ بن جاؤں گا ۔"

تم اب بھی درندے ہو ، میں تم سے نہ اب ڈرتی ہوں ، نہ آئندہ ڈر سکتی ہوں ! "

"تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، فریب کیا ہے میرے ساتھ، میری زندگی برباد کر دی ہے!"

بالکل جھوٹ، بالکل غلط — مجھے کیا پڑی تھی تمہیں دھوکہ دینے کی! میری کون سی غرض تھی وابستہ تم سے کہ فریب دیتی، تمہاری زندگی کی قیمت کیا ہے کہ کوئی اُسے برباد کرنا چاہے؟ تم اپنے آپ کو، اپنی حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہو؟"

میری حقیقت؟ کیا میری حقیقت؟ کیا سمجھتی ہو تم مجھے!"

"وہی جو ہو!"

"تم مجھے مایوس کر رہی ہو!"

"میں نے آج سے بہت پہلے تمہیں مایوس کر دیا تھا، بتا دیا تھا کہ تم اور میں ایک نہیں ہو سکتے!"

"لیکن کیوں؟

"کیا خطا تھی میری؟"

یہ بھی بتا چکی ہوں، ایک ہی بات بار بار دہرانے سے کیا حاصل:

مجھے ٹھکرا کر تم بھی خوش نہیں رہ سکو گی؟

خوش رہ کر کر دکھانا بھی کیا؟ خوشی، رنج، غم، صدمہ، نشاط، مسرت، یہ سب بے معنی الفاظ، ایک جس پر ہم خوش ہوتے ہیں کسی دوسرے اعتبار سے باعث رنج بھی ہوتی ہے ایک بات جس سے ہمیں صدمہ پہنچتا ہے کسی دوسری حیثیت سے باعث مسرت بھی ہوتی ہے اگر میں خوش نہیں رہ سکتی تو مغموم بھی نہیں رہ سکتی، تمہیں ٹھکرا دینے کا، تجھ کو رد دینے کا غم ہوا تھا لیکن وہ غم کافور ہو گیا، جب میں نے احسان کو پا لیا!

احسان — پھر اس کا نام لیا! میں نہ اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں نہ نام سننا چاہتا ہوں اس کا؟"

"لیکن اس سے تپاک اور گرمجوشی سے مل سکتے ہو! اس کی دعوت قبول کر سکتے ہو! اس کے ہاں چائے پر آ سکتے ہو! کون سی انسانیت سے گرا!

یہ شرافت ہے۔"

"میں یہاں چائے پینے نہیں خون جگر پینے آیا ہوں۔

احسان سے نہیں تم سے ملنے آیا ہوں، اس کے سوا تم سے ملنے کی اور صورت کیا تھی۔؟"

"نہ ہوتی ــــ"

"لیکن تم نے یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ آیا میں بھی تم سے ملنا چاہتی ہوں یا نہیں ؟ آیا میرے دل میں بھی تمہارے لئے جگہ ہے یا نہیں ؟ آیا میں بھی تمہاری باتیں سننا چاہتی یا نہیں ؟

"میں تو اپنی سنانے آیا ہوں، تم سننا چاہتی ہو یا نہیں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ــ

اتنے میں زہرہ آگئی اس نے ڈرائینگ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں سے کہا۔

چلئے آیئے تشریف لایئے۔

احسان بھی اتنے میں منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کرکے آگیا، اسے بھی زہرہ نے ڈرائینگ روم کی طرف لوٹادیا، بھائی جان، یہاں نہیں، ادھر ڈرائنگ روم میں ــ

(۶)

بلائے جاں

ایک ہی دن میں محمود سے دو ملاقاتیں ہوئیں اور انہوں نے صفیہ کے دل و دماغ کی دنیا تہ و بالا کر دی، وہ حیران تھی کہ اس بلائے جان سے کس طرح نجات حاصل کرے؟

محمود کے عادات و اطوار اور فطرت و جبلت سے جتنی وہ واقف تھی کوئی واقف نہ تھا، وہ بچپن سے اس کے ساتھ رہتی آئی تھی، وہ اس کے مزاج اور افکار کا بار با تجربہ کر چکی تھی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر یہ شخص اپنی بات پہ اڑا رہا تو نہ جانے کیسے کیسے فتنے اٹھیں گے نہ جانے کیسی کیسی قیامتیں برپا ہوں گی، اسے اپنی اور اپنے سے زیادہ احسان کی جان کا بھی خطرہ تھا، یہ اجڈ اور وحشی آدمی سب کچھ کر سکتا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا۔

صفیہ میز پر بیٹھی سب کیساتھ چائے پی رہی تھی، دلچسپ باتوں میں حصہ لے رہی تھی زہرہ کی نواسنجیاں سن رہی تھی، احسان کے لطیفے سن رہی تھی محمود کی جھوٹی سچی کہانیاں سن رہی تھی، لیکن اس کا دماغ ایک ہی مسئلہ حل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ محمود سے نجات حاصل کس طرح کرے گی؟ جتنا جتنا سوچتی

تھی ۔ اتنی ہی پریشان ہوتی جارہی تھی ، راہ عمل مسدود نظر آرہی تھی اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا ، اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ، ایسا معلوم ہو رہا تھا ، جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی ، وہ بار بار پہلو بدلتی تھی ، لیکن بے سود ، وہ بھوت سامنے بیٹھا تھا اور اس سے گلو خلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی ۔

سب سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز تبدیلی جو اس نے محمود میں دیکھی یہ تھی کہ احسان اور زہرہ کی موجودگی میں اس کا رویہ بالکل بدل جاتا تھا ، وہ صفیہ کی طرف نظر بھر کر دیکھتا بھی نہیں تھا ، جیسے اس کے دل میں اب کوئی خیال نہیں ہے ، وہ پچھلی ساری باتیں بھول چکا ہے لیکن یہی احسان اور زہرہ کی موجودگی میں انجان نظر آنے والا شخص تنہائی کی ملاقات میں آتش فشاں پہاڑ نظر آنے لگتا تھا ۔

یہ احسان سے اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہا تھا ، جیسے اس کے دل میں اس کی حد سے زیادہ قدر و منزلت ہو جیسے اس کے دل میں خیرسگالی ہمدردی اور خلوص کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن ابھی ذرا دیر پہلے یہی تھا جو حد درجہ ناملائم لب و لہجہ میں اس کا ذکر کر رہا تھا ، مار ڈالنے تک دھمکی دے رہا تھا ۔

زہرہ سے اس کے تپاک اور گرمجوشی کا کیا حال ہے اور خود وہ سادہ لوح اور بھولی بھالی لڑکی بھی کتنے چاؤ اور تپاک سے پیش آرہی ہے وہ نہیں جانتی یہ سانپ ہے بھیڑیا ہے ، شیر ہے ، یہ جانتا ہے ایک نرم و نازک شکار سامنے ہے جب چاہے گا ، اپنی چرب زبانی سے اسے اسیر دام کرے گا ۔

اور یہ سوچتے سوچتے وہ کانپ گئی ۔

یہ زہرہ کی شادی اور عمر کے بارے میں کیوں سوال کر رہا تھا ۔

اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکی ، دماغ ماؤف ہوگیا ؟ ایسا معلوم ہوا جیسے کرسی سے گر پڑے گی ، بیہوش ہو جائے گی ، لیکن حوصلے سے کام لے کر

چپ چاپ بیٹھی رہی اپنی جگہ۔

وہ اسی ذہنی کشمکش میں گرفتار تھی اور وہاں میز پر قہقہوں کا شور تھا مزے مزے کی حکایتیں، اپنی بہادری کے قصے اپنی معرکہ آرائیوں کے افسانے اپنی سیر و سیاحت کے واقعات اپنی کامیابیوں کی داستانیں، پوری رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کر رہا تھا اور جھوٹ کے اس طومار کو احسان بھی دلچسپی سے سن رہا تھا اور زہرہ بھی۔

آخر خدا خدا کر کے مجلس برخاست ہونے کا وقت آیا، محمود نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔

اب اجازت دیجیے، کافی دیر ہو گئی!

احسان نے اخلاق و تواضع کا اظہار کرتے ہوئے "کون سا روز روز آتے ہیں آپ بیٹھیے چلے جائیے گا، اتنی جلدی بھی کیا ہے!"

زہرہ نے بھی بھائی کی تائید کی، آپ نے تو ایسی دلچسپ باتیں چھیڑ دیں کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اچھا ایسا کیجیے، کھانا کھا کر جائیے گا۔؟

محمود ہنسنے لگا اور گویا ہوا "آپ نے تو چائے پر اتنا کھلا دیا ہے کہ شاید دو دن تک بھوک ہی نہ لگے!"

اس جواب سے صفیہ کو تسکین ہوئی کہ چلو بلا ٹلی، لیکن زہرہ تو جیسے اسے مدعو کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی، کہنے لگی۔

اچھا تو جس دن بھوک لگے اس دن آ جائیے گا۔

احسان ہنسنے لگا، محمود نے بھی ایک زوردار قہقہہ لگایا، زہرہ نے سوال کیا۔

بتائیے کب لگے گی آپ کو؟"

وہ بولا" جس روز لگی، اسی دن آ جاؤں گا؟"

" زہرہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا" کل ہی آ جائیے گا؟"

محمود کا جی چاہا کہ اس پیش کش کو فوراً منظور کر لے، لیکن وہ اپنی قیمت بڑھانا چاہتا تھا، اتنی آسانی سے کیسے رضامند ہو جاتا اس نے ایک بالکل

غلط اور جھوٹا عذر پیش کر دیا ۔

کہنے لگا ،

کل تو مجھے ایک بہت ضروری کام ہے کسی طرح نہیں آسکوں گا ، ہاں پرسوں ممکن ہے ؟"

زہرہ نے آمادگی اور مستعدی کے ساتھ کہا " اچھا پرسوں ، بھول نہ جایئے گا ؟"

وہ ہنستا ہوا ، اور دزدیدہ نظروں سے صفیہ کو دیکھتا ہوا بولا " نہیں بھول جانا میری عادت نہیں ہے ، میں کبھی نہیں بھولتا !"

صفیہ سمجھ گئی ، یہ الفاظ اسے سنا کر کہے گئے ہیں ۔ لیکن نہ جواب دینے کا موقعہ تھا نہ اپنے تاثرات ظاہر کرنے کا ۔

بڑی خوش گوار فضا میں محمود سب سے رخصت ہو کر چلا گیا اور گھر کے تینوں افراد پر عجیب تاثرات چھوڑ گیا ۔

احسان کے دل میں جو کچھ بھی اس کے خلاف محسوس یا غیر محسوس طور پر میل تھا وہ اس کی سادہ ، بے تکلف ، لیکن رکھ رکھاؤ والی باتوں سے دور ہو گیا ، اسے پہلے بھی خیال نہیں تھا کہ صفیہ کے بارے میں وہ کچھ سوچ سکتا ہے ۔ اب ان باتوں سے صفیہ کے ساتھ اس کے بالکل انجان طرز عمل کو دیکھ کر تو وہ اس کی طرف سے اور زیادہ مطمئن ہو گیا ۔ وہ اسے بہت برا سمجھتا تھا ، صفیہ کی وجہ سے نہیں ، جمال کی وجہ سے اس کا خیال تھا کہ جمال کی تباہی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے ، لیکن اب یہ خیال بھی مدھم پڑ گیا ، جمال کوئی بچہ تو ہے نہیں ۔ اگر وہ خود تباہ ہونے پر تلا ہوا ہے تو کون بچا سکتا ہے اسے ۔

زہرہ نے اس کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سوچا تھا ، کبھی سنجیدگی سے اس کی شخصیت کو خاطر میں نہیں لائی تھی ، لیکن آج اس کی شخصیت سے اس کی کشش انگیز باتوں سے بہت متاثر ہوئی ، اسے یہ آدمی بہت دلچسپ اور پرکشش نظر آیا ۔

صفیہ کے خیالات ان سب سے الگ تھے، وہ سمجھ رہی تھی یہ انسان کے روپ میں شیطان ہے۔

احسان سے تو اس نے کچھ نہیں کہا، لیکن زہرہ سے اُلجھ پڑی، آخر کیا ضرورت تھی تم کو دعوت دینے کی؟

زہرہ مسکرا دی اور بولی "کیا۔ تو کون سا حرج ہو گیا اس میں؟"

صفیہ نے ذرا تند انداز میں کہا "میں جس شخص سے نفرت کرتی ہوں جس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی وہ میرے گھر میں آئے، یہ ناقابل برداشت ہے؟"

زہرہ چونک پڑی "میرا گھر؟"

اور پھر وہ کچھ نہ بولی، چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی گئی، اس کے جانے کے بعد احسان نے نرم لہجے میں کہا "زہرہ خفا ہو گئی تم سے!"

صفیہ نے جواب دیا۔

مجھ سے خفا ہو کر کہاں جائے گی، چٹکی بجاتے میں منا لوں گی وہ خفا رہ ہی نہیں سکتی مجھ سے۔ بڑی نیک اور بھولی لڑکی ہے۔ لیکن آپ پر ضرور حیرت ہے مجھے!

احسان نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا "اب میری شامت آئی ہے!"

صفیہ بولی "ذرا سوچئے تو سہی، اس کا یہاں آنا مناسب ہے؟"

احسان نے صفائی دیتے ہوئے کہا "میں تو نامناسب نہیں سمجھتا، ویسے مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے، تم اگر ناپسند کرتی ہو تو آئندہ اسے نہیں بلائیں گے۔

میں تو آج بھی نہ بلاتا لیکن اخلاقاً بلانا پڑا، اور پرسوں کے لئے تمہاری بھولی نیک اور سادہ لوح نند نے مدعو کر لیا اسے۔

صفیہ احسان سے یہ باتیں کر کے زہرہ کے کمرے میں پہنچی وہ بستر پر لیٹی تھی اور تکیے پر سر رکھے منہ چھپائے رو رہی تھی، صفیہ نے جاتے ہی گدگدا نا شروع کر دیا، وہ مچھلی کی طرح تڑپ اُٹھی پھر آنسو پونچھتی ہوئی بولی "کیا ہو رہا ہے یہ؟"

صفیہ نے اس کی ٹھوڑی اپنے سامنے کر کے کہا "اب پوچھو تو بتائیں۔

زہرہ نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا، بس معاف کرو، دیکھ لیا تمہیں بھی یہ گھر تمہارا ہے حالانکہ میں اب تک یہ سمجھتی تھی کہ جو کچھ تمہارا ہے وہ تم سے زیادہ میرا ہے۔ آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں، معلوم ہو گیا، تم اور ہو، میں اور ہوں ہم دونوں الگ الگ ہیں۔ جدا جدا ہیں!"

صفیہ نے اُسے لپٹا لیا۔ پھر بولی "ایک بات جو غصے میں منہ سے نکل گئی، اسے اس طرح لے کر بیٹھ گئی۔ تم سے یہ امید نہ تھی!"

پھر درد بھرے لہجے میں وہ کہنے لگی "تم نہیں جانتیں، محمود کو میں جانتی ہوں تم نے اُسے ایک خونخوار آدمی کی حیثیت سے نہیں دیکھا اور میں اسے ایک خونخوار آدمی کی حیثیت سے جانتی ہوں، اسے دعوت دے کر تم نے میرے دل پر خنجر کا وار کیا ہے!"

اب زہرہ بھی مصالحت پر آمادہ ہو چکی تھی "تو کیا ہمیشہ دعوت ہوتی رہے گی؟ آئندہ کے لئے کان پکڑ لئے بابا؟"

صفیہ نے ایک دفعہ پھر اُسے گلے سے لگا لیا دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لگی تھیں کہ احسان آ گیا، اس نے کہا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

زہرہ اچھل کر بستر سے نیچے اور صفیہ بھی مسکراتی ہوئی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی!

(۷)

اضطراب

جیسے جیسے محمود کی دعوت کا وقت قریب آرہا تھا صفیہ کا ذہنی خلجان بڑھتا جا رہا تھا۔

اور جب وہ دن آگیا ، تو اس کی حالت اور زیادہ ابتر ہونے لگی۔ وہ واقعی نہ اب ، اس کی صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ نہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی ، اس قصّہ ماضی کو اس طرح فراموش کر چکی تھی کہ اس کا کوئی گوشہ اپنے ذہن و دماغ میں تازہ رکھنا نہیں چاہتی تھی ، لیکن وہ پورے منچلے پن کے ساتھ تلا ہوا تھا کہ اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ کر رہے گا ، اس کی ذہنی کوفت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرے گا ، اُسے رُلائے گا اور اس کی زندگی کے چمن کو اپنی آتش نوائیوں سے جلا کر خاکستر کر دے گا۔

سب سے زیادہ فکر اس بات ، کی تھی کہ دعوت کے وقت اس سے نہ ملنے کی اس سے بات نہ کرنے کی کیا صورت پیدا کی جائے ، یہ آسانی سے ممکن تھا کہ وہ زہرہ سے یہ کہہ کر کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی کہیں اور چلی جاتی اتنی دیر کے لئے ، لیکن اس طرح زہرہ کو صدمہ ہوتا اور اس کے قلب نازک کو کسی طرح بھی وہ صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی تھی ، ابھی چند دن پہلے تو ایک ذرا سی

بات پر وہ روٹھ گئی تھی اور روتے روتے جل تھل کر دیا تھا، اس نے اور اب کہ آئندہ اسے مدعو نہ کرنے کا وعدہ بھی کر چکی تھی، ایسی بات کرنا زیادتی ہے اس فکر میں بیٹھی تھی کہ چمپا آ گئی، اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور وہ بہت زیادہ پریشان اور حواس باختہ نظر آ رہی تھی، اس کی یہ کیفیت دیکھ کر صفیہ نے پوچھا۔

"خیر تو ہے! کیا حال ہو رہا ہے تمہارا؟"

وہ روہانسی ہو کر بولی، جیسے گودی میں کھلایا ہے، جیسے دل کا ٹکڑا اور آنکھوں کا تارا بنا کر رکھا ہے جسے دیکھ دیکھ کر جیتی رہی، اسے اس حال میں دیکھوں کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے آنکھیں گڑھے میں دھنس گئی ہیں۔ بات نہیں کی جاتی ایک منٹ بات کرتا ہے اور دو منٹ ہانپتا ہے، دو قدم چل نہیں سکتا بستر سے اترنا مشکل ہوتا جا رہا ہے، دن بھر میں نہ جانے کتنی مرتبہ خون تھوکتا ہے اور کوئی خبر لینے والا نہیں، بات پوچھنے والا نہیں، تیمارداری کرنے والا نہیں، سچ کہنا اس حالت میں اسے دیکھ کر دل پر آرے چلیں گے یا نہیں۔

اور یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

صفیہ سمجھ گئی یہ کس کا ذکر تھا، جمال کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ خود اس کی حالت بھی غیر ہونے لگی، وہ بھی رونے لگی، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"واقعی چمپا بھائی جان کی حالت یہ ہو گئی ہے؟"

اور وہ زیادہ رونے لگی اس نے کہا "تو کیا جھوٹ بول رہی ہوں بیٹی؟ تمہیں بھی تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ چل کر دیکھ آتیں، ذرا دیر کے لئے بھائی کو۔"

یہ جمال وہ تھا، جو ہمیشہ چمپا کو ذلیل کرتا رہتا تو اس نے کبھی اسے منہ نہیں لگایا تھا، لیکن یہ وفادار عورت، جس کا دل مہر و محبت کا گنجینہ تھا۔ ان نالائقیوں کے باوجود اس کی یہ حالت برداشت نہ کر سکی اور کچھ نہ کر سکی تو رونے لگی۔

صفیہ نے معذرت آمیز لہجہ میں کہا "لیکن چمپا مجھے خبر کب تھی؟"

وہ بگڑ کر بولی "اب تو ہو گئی۔ لیکن میں بھولی آج تو دعوت ہے آج محمود صاحب بہادر اس گھر میں رونق افروز ہو رہے ہیں، بھلا آج کس طرح گھر سے باہر قدم

نکالے جا سکتے ہیں ۔

" صفیہ نے اس طنز کا بُرا نہیں منایا وہ اُٹھ کھڑی ہوئی ۔ اسنے کہا چمپا چلو ، ابھی چلو ، میں چلتی ہوں !"

چمپا خوش ہوگئی ۔ لیکن بے اعتمادی کی نظروں سے اُسے دیکھتی ہوئی بولی ۔ لیکن آج — ؟

صفیہ کو تو یہ خداداد موقعہ مل گیا تھا دعوت سے بچنے کا ، اس نے کہا ، ہاں آج ہی چلوں گی ، ابھی چلوں گی ۔"

" زہرہ کو میں سمجھا لوں گی اور احسان بھی بُرا نہیں مانیں گے ، بلکہ شاید میرے ساتھ وہ بھی چلیں !"

چمپا نے خوش ہو کر کہا ۔ " ایسا ہو سکے تو کیا کہنا ، لیکن بیٹی ، دونوں کے تعلقات اتنے بگڑے ہوئے ہیں ، اور دونوں ایک دوسرے سے اتنے بیزار اور متنفر ہیں کہ تمہارا زور دینا مناسب نہیں ، اگر احسان بھیا خود چلنے کو کہیں تو بچشم ما روشن ، دل ماشاد اور نہ کہیں تو تمہیں اصرار کرنے کی ضرورت نہیں !"

پھر اسے جمال کی افتاد مزاج یاد آگئی ، اس نے کہا ۔

بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ احسان چلنا بھی چاہیں تو بھی انہیں نہ لے چلو ، ٹال دو کسی طرح !"

صفیہ حیران ہو کر بولی " کیوں ٹال دوں ؟"

وہ بولی ، نہ جانے انہیں دیکھ کر جمال کیا کہہ بیٹھیں ؟ ان کا مزاج تو جانتی ہی ہو ، اچھے بھلے دل اور بڑے ہوں گے ۔ مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ تمہیں دیکھ کر بھی خوش ہوگا یا نہیں ! تم تو بہرحال بھگت لوگی ، جو کچھ ہوگا ، مگر احسان کی بات اور ہے !"

صفیہ نے سوچا واقعی چمپا ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے کہنے لگی " اچھا پھر میں اکیلی ہی چلتی ہوں !"

چمپا نے ایک مرتبہ پھر محمود کا ذکر چھیڑا " لیکن بیٹی آج دعوت جو ہے ؟"

وہ چڑ کر بولی " تو میں کیا کروں ؟ کیا اپنے بھائی کو چھوڑ دوں دعوت کے لئے

وہ سمجھاتی ہوئی کہنے لگی "میرا یہ مطلب نہیں ہے؟ لیکن زہرہ برا مان جائے گی شاید احسان بھی —

قطع کلام کرتے ہوئے اس نے کہا "زہرہ کو میں سمجھاوں گی، احسان کچھ نہیں کہنے کے وہ میرے مزاج اور طبیعت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

چمپا نے کہا "لیکن پوچھ تو لو احسان سے میرا مطلب یہ ہے ذکر تو کر دو، بات تو کان میں پڑ جائے کہ تم جمال کو دیکھنے جا رہی ہو" وہ مطمئن اور پرسکون لہجے میں گویا ہوئی۔

تم ان کی فکر نہ کرو! بس اب چلنے کی تیاری کرو۔

چمپا نے پوچھا "کیا گاڑی نکلواؤں؟"

وہ ہنسنے لگی "کچھ پاگل ہوئی ہو، دس قدم کے لئے گاڑی کی کیا ضرورت ہے، یوں ہی ٹہلتے ہوئے چلے چلیں گے!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ زہرہ آگئی، صفیہ نے اس سے کہا "کیوں زہرہ ہماری ایک بات مان لو گی؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "میرے بڑے نصیب کہ یوں خوشامدیں کی جا رہی ہیں میری —

فرمایئے کون سی بات منوانا چاہتی ہیں آپ؟"

صفیہ بولی "ابھی چمپا خبر لائی ہے کہ بھائی جان کی طبیعت کئی دن سے بہت خراب ہے اور آج تو کئی مرتبہ خون تھوک چکے ہیں۔

" زہرہ سمجھ گئی" سچ؟"

صفیہ نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا "ہاں ان کی حالت کافی پریشان کن ہے جب سے یہ خبر سنی ہے دل بے قابو میں نہیں ہے۔ اگر اجازت دو تو دیکھ آؤں جا کر انہیں؟

وہ بولی "میں اجازت دینے والی کون؟ بھائی بہن کا معاملہ ہے کیا میں منع کر سکتی ہوں، ضرور جاؤ، ابھی جاؤ؟"

صفیہ خوش ہو گئی اس نے کہا "کتنی اچھی ہے ہماری زہرہ — لیکن آج تمہاری

دعوت جو ہے، مہمان صاحب جو تشریف لا رہے ہوں ؟

وہ ہنسنے لگی "آنے دو، میزبان تو موجود ہے لیکن یہ وعدہ کرو کہ ان کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو وقت پر آجاؤ گی۔

صفیہ نے صداقت کے جوش کے ساتھ کہا" ہاں یہ وعدہ کرتی ہوں لیکن اگر خدانخواستہ خراب ہوئی تو نہیں آؤں گی ؟"

زہرہ نے یہ بات مان لی "یہی تو میں کہتی ہوں ۔ لیکن کیا وہیں رہ جاؤ گی ؟"

وہ بولی" ہاں ممکن ہے آج نہ آسکوں، ممکن ہے کل بھی نہ آؤں، ممکن ہے چند روز لگ جائیں، یہ فیصلہ تو وہاں جا کر ہی کر سکتی ہوں!"

" زہرہ نے ذرا بھی اختلاف نہیں کیا، البتہ کہنے لگی " بھائی جان پوچھیں تو کیا کہوں ؟"

صفیہ نے جواب دیا، کہہ دینا میں اپنے گھر گئی ہوں اور کیا کہو گی ؟ — انہوں نے مجھے اجازت دے رکھی ہے جب چاہوں جا سکتی ہوں ۔

وہ مسکراتی ہوئی بولی" ان کا کیا کہنا، جس بات کی اجازت بھی چاہو۔ نہ جانے کون سا جادو آتا ہے تمہیں میرے بھولے بھالے سیدھے سادے بھائی جان کو اس طرح قابو میں رکھا ہے جیسے مکڑی، مکھی کو جالے میں جکڑ لیتی ہے !"

صفیہ ہنسنے لگی " کچھ شامت آئی ہے ؟"

وہ ہنستی ہوئی واپس جانے کے لئے مڑی، پھر سوال کیا اور یاسمین کا کیا ہوگا ! — بھئی ایک بات سن لو، ہماری گڑیا، ہمارے پاس رہے گی وہ نہیں جا سکتی تمہارے ساتھ !"

صفیہ خود اسے وہاں لے جانا نہیں چاہتی تھی، کہنے لگی، اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی ۔

۱۸

شکاری

صفیہ کے جانے کے بعد زہرہ گھر کے کام کاج میں لگ گئی، یاسمین سے بڑی محبت تھی، کام کاج سے فارغ ہوئی تو اس سے آکر کھیلنے لگی، کبھی اسے گدگدانی کبھی رلاتی، اتنے میں دستک کی آواز سنائی دی، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا، تو محمود کھڑا مسکرا رہا تھا، وہ رات کے کھانے پر مدعو تھا اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا

یوں بے وقت اسے اپنے ہاں موجود پاکر زہرہ گھبرا گئی، اس نے تپاک لیکن حیرت کے ساتھ پوچھا۔

” آپ — ؟“

وہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا، اس نے کہا۔

بھی اُسی وقت آنا تو نہ چاہیئے تھا، لیکن میں نے دیکھا کہ بیگم صاحبہ (صفیہ) چمپا کے ساتھ اپنے پرانے گھر کی طرف جارہی ہیں۔ شاید جمال کو دیکھنے جارہی ہوں گی، بہت بیمار ہے، شاید ہی بچ سکے۔

” جی ہاں، وہیں گئی ہیں!“

” مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ احسان صاحب اس وقت گھر پر نہیں موجود

ہوں گے ؟"

" جی ہاں وہ تو موجود نہیں اس وقت، کسی ضروری کام سے شہر گئے ہیں اور شہر جب بھی جاتے ہیں تو دیر سے آتے ہیں !"

پھر بھی میں وقت سے پہلے آ گیا - کیا آپ بتا سکتی ہیں کیوں ؟"

یہ عجیب وغریب قسم کے سوال سے کروہ سٹ پٹا گئی، اس نے کہا -

" میں کیا بتا سکتی ہوں آپ ہی بتا سکیں گے تو بتایئے۔"

وہ اور زیادہ پھیل کر بیٹھ گیا کرسی پر، اس نے بجھے ہوئے سگار کو پھر سے سلگایا اور مطمئن لہجے میں کہا -

میں اس لئے آیا ہوں کہ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں - آپ سے، صرف آپ سے اور وہ باتیں ایسی ہیں، جو بیگم صاحبہ یا احسان کے سامنے نہیں کر سکتا تھا —

آپ میری اس جرأت پر خفا تو نہیں ہیں !"

یہ سوال پہلے سوال سے بھی زیادہ عجیب اور ایک حد تک سنسنی خیز تھا، زہرہ سخت پریشان تھی کہ کیا جواب دے ؟ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس سوال کا جواب اسے دینا بھی چاہیے یا نہیں ؟ اس ذہنی کش مکش میں مبتلا تھی کہ پردہ گوش سے پھر محمود کی آواز ٹکرائی، اس نے کہا -

تو اجازت ہے کہ جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں -

پے در پے اس طرح کے غیر متوقع اور حیرت انگیز سوالات نے ایک طرف تو اسے سخت ذہنی کش مکش مبتلا کر دیا، دوسری طرف اس کا جذبۂ تجسس بھی بیدار ہوا، وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہونے لگی کہ وہ کون سی بات ہے، جو آداب ورسوم کو بالائے طاق رکھ کر اسے یہاں آنے پر مجبور کر چکی ہے ؟ ضرور کوئی خاص اور بہت ہی خاص بات ہوگی، آخر وہ جذبۂ اشتیاق پر غالب نہ آ سکی - اس نے کچھ تامل کے ساتھ پوچھا -

" فرمایئے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ ؟"

محمود سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے بڑی سادگی کے ساتھ بغیر کسی تامل اور جھجک کے کہا۔

" مس زہرہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں ؟"

جیسے کسی نے جلتا ہوا، بھڑکتا ہوا، دہکتا ہوا انگارا اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ ڈالا، جیسے کسی نے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال لی۔ یہ الفاظ سن کر ایسی ہی کیفیت ہوئی وہ ہرگز اس شخص سے یہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ یوں بے دھڑک صرف دوسری ملاقات میں اظہار محبت کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی اتنی ڈھٹائی کے ساتھ اتنی بے پروائی کے ساتھ جیسے یہ کوئی اہم بات ہی نہیں ہے۔ ابھی وہ سوچ رہی تھی کہ اس اظہار محبت کا جواب کیا دے کہ یکایک محمود نے ایک اور بات کہہ کر اس کی پریشانی، اضطراب اور ذہنی کشمکش میں مزید اضافہ کر دیا، اس نے کہا۔

اور مس زہرہ میرا خیال ہے کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتی ہیں۔

اب زہرہ چپ نہ رہ سکی، اس نے فوراً جواب دیا۔

یہ آپ نے کیسے جانا ؟ میں تو نہیں کرتی محبت آپ سے۔ میں تو کسی سے بھی محبت نہیں کرتی ؟"

وہ ہنسنے لگا، جیسے زہرہ تکلف کر رہی ہے، انکسار سے کام لے رہی ہے، جھوٹ بول رہی ہے، اس نے کہا۔

یقیناً آپ کسی سے محبت نہیں کرتیں، لیکن مجھ سے کرتی ہیں !"

زہرہ کو پھر تردید کرنا پڑی، غلط۔ آپ سے بھی میں محبت نہیں کرتی محمود صاحب۔

اس تردید، اس انکار کا اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا، اس نے کہا۔

یہ نہ کہیے کہ محبت نہیں کرتیں، یہ کہیے کہ ابھی آپ کو اپنی محبت کا احساس نہیں ہوا ہے۔ ابھی آپ محبت کی یہ کیفیت کو سمجھ نہیں سکی ہیں اور شروع میں مس زہرہ ایسا ہی ہوتا ہے !"

وہ محمود کی ان باتوں سے سخت گھبراہٹ اور اضطراب محسوس کر رہی تھی

وہ چاہتی تھی جلد از جلد یہ یہاں سے ٹل جائے، رخصت ہو جائے، وہ محسوس کر رہی تھی۔

کتنی بڑی غلطی کی اس شخص کو مدعو کر کے، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا وہ سامنے بیٹھا تھا اور کان پکڑ کر نکالا نہیں جا سکتا، پھر بھی اس نے کانپتی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ممکن ہے آپ سچ کہہ رہے ہیں، لیکن آپ کا یہ سچ، آپ ہی تک محدود ہے میں اس کی سند پیش نہیں کر سکتی، اس لئے جھوٹ بولنا مجھے نہیں آتا۔"

وہ متبسّم ہو کر اس طرح گویا ہوا جیسے مباحثے پر تیار ہے۔

"دنیا میں ہر عورت ایک مرتبہ محبت کرتی ہے، یہ اس کی فطرت ہے، سرشت ہے جبلت ہے آپ بھی عورت ہیں، آپ بھی عورت ہیں، آپ کو بھی محبت کرنا ہے، اگر آج نہیں کرتیں تو کل کریں گی، مجھ سے نہیں کرتیں تو کسی اور سے کریں گی۔ لیکن مس زہرہ وہ خوش قسمت شخص میں کیوں نہ ہوں، آپ کی محبت کا اعزاز مجھے کیوں نہ ملے!"

زہرہ دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

مجھے دیکھئے، میری طرف دیکھئے، ایک نظر ڈالئے مجھ پر — مس زہرہ میری طرف دیکھئے!"

زہرہ نے نظر اٹھائی اور جھکالی، محمود نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

بتایئے کیا عیب ہے مجھ میں؟ کیا نقص ہے میرے اندر؟ کوئی خرابی دیکھتی ہیں آپ میری ذات میں کیا اندھا ہوں، کانا ہوں، لولا ہوں، لنگڑا ہوں اپاہج ہوں، غریب ہوں؟ مفلس ہوں، بدصورت ہوں؟ میرا کوئی بدترین دشمن بھی یہ نہیں کہہ سکتا، کبھی وقت ملا تو آپ کو وہ ڈھیروں خطوط دکھاؤں گا جو بڑی بڑی مہ جبیں، خوبصورت، گل اندام، تعلیم یافتہ، عالی خاندان اور شریف لڑکیوں نے مجھے لکھے ہیں۔ ان خطوط میں انہوں نے مجھ سے عشق کا اظہار کیا ہے، میری بہادری کے کارناموں نے میرے حسن مردانہ نے میرے

شیوۂ تُرکانہ نے انہیں میرا پرستار بنا دیا۔ اگر میں بُرا ہوتا، تو وہ کیوں مجھے رام کرنے کی کوشش کرتیں؟ مگر ـــ

"مگر" کہہ وہ زہرہ کی طرف تکنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"مگر میں ان سے محبت نہ کر سکا، مس زہرہ بتایئے، میں ان سے محبت کیوں نہ کر سکا؟"

ان باتوں سے زہرہ کو دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی، اس نے کہا "آپ خود کیوں نہیں بتلاتے؟"

محمود جیسے اس سوال کا متوقع تھا، اس نے کہا

"اس لئے میں ان سے محبت نہیں کر سکا کہ کسی اور سے محبت کرتا تھا اور ایک آدمی ایک وقت میں ایک ہی سے محبت کر سکتا ہے!"

وہ مسکرانے لگی، اس نے کہا "میں جانتی ہوں آپ کس سے محبت کرتے تھے؟"

زہرخندہ کرتے ہوئے محمود نے کہا "شاید آپ صفیہ کا نام لیں گی۔

زہرہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں ـــ کیا آپ ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔؟"

محمود نے قدرے تلخ اور برہم لہجے میں بہ آوازِ بلند کہا۔

"ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔"

اس جواب کی ہرگز زہرہ کو توقع نہیں تھی، یہ جواب سن کر اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی وہ کہنے لگی۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ کیا واقعی آپ صفیہ سے محبت نہیں کرتے تھے؟"

محمود نے جواب دیا "بالکل نہیں، مس زہرہ میں نے صفیہ سے کبھی محبت نہیں کی، اس نے محبت کی، اس نے مجھے رام کرنا چاہا، اس نے مجھے اسیرِ دام کرنا چاہا، اس نے میری محبت دولت سے خریدنی چاہی، سچ کہیئے

گا کیا محبت کا سودا بھی ہو سکتا ہے ؟ کیا محبت بک بھی سکتی ہے ؟ کیا محبت بک بھی سکتی ہے ؟ کیا محبت بک بھی سکتی ہے ؟ کیا محبت کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے ۔؟"

شاید بلاارادہ زہرہ کے منہ سے نکل گیا " نہیں تو !"

اس نے تائید میں گردن ہلائی اور گویا ہوا ۔

" آپ ٹھیک کہتی ہیں، واقعی ایسا نہیں ہو سکتا، ہو ہی نہیں سکتا، میں اپنے آپ کو اس کے ہاتھ فروخت نہ کر سکا، میں اپنی محبت کا اس سے سودا نہ کر سکا، وہ مجھ سے خفا ہو گئی، نفرت کرنے لگی، میں نے اس کا گھر چھوڑ دیا، میں نے اُسے چھوڑ دیا، میں نے بستی چھوڑ دی نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھرا اور محبت کے اس پودے کو جس نے میرے دل کی کھیتی میں جنم لیا تھا، دل سے لگاتا، پروان چڑھاتا رہا ۔"

زہرہ یہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکی ۔

" اگر آپ صفیہ سے محبت نہیں کرتے تھے تو پھر کس سے کرتے تھے ؟"

تڑسے اس نے جواب دیا " آپ سے مس زہرہ صرف آپ سے ؟"

یہ جواب گو خلاف توقع تھا ۔ لیکن گفتگو جس انداز میں ہو رہی تھی اس کے اعتبار سے بالکل غیر متوقع بھی نہ تھا ۔ گو ناقابل یقین تھا لیکن اس کا جائزہ لئے بغیر چارہ بھی نہ تھا، اس نے پوچھا ۔

" لیکن یہ کہاں نظر آگئی تھی کہ آپ مجھ سے محبت کرنے لگے اور وہ بھی اتنی بے پناہ کہ میرے لئے آپ نے صفیہ تک کو ٹھکرا دیا اور اگر واقعی ایسی ہی محبت کرتے تھے تو اسے آج سے پہلے زبان پر کیوں نہ لائے ۔"

" محمود نے نہایت اطمینان سے کہا، میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا !"

یہ کہہ کر اس نے ایک نظر پھر زہرہ پر ڈالی، وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی، ذرا دیر کے بعد دونوں کی آنکھیں ملیں، پھر جھک گئیں محمود نے کہا ۔

" بہت دن ہوئے، میں نے آپ کو اس گھر کے باغیچے میں مشق خرام

کرتے، پھولوں سے کھیلتے کانٹوں سے اُلجھتے، خود بخود مسکراتے، کتے سے کھیلتے، کانٹوں سے الجھتے، گلاب کے پھول کو ہاتھ میں لیتے اور اس کی ایک ایک پتی کو نوچ نوچ کر زمین پر اپنے قدموں پر پھینکتے اور اس کے بعد بے پروائی سے مشق خرام کرتے دیکھا تھا۔ دیکھا تھا اور یہ نقش میرے دل پر نقش ہو گیا، مس زہرہ محبت ہمیشہ پہلی نظر میں ہوتی ہے۔ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ وہ رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ نہیں ہوتی، میں آپ سے محبت کرنے لگا۔ میں آپ کو پوجنے لگا۔

زہرہ کے چہرے پر جو وحشت تھی، وہ اب دور ہوتی نظر آ رہی تھی اس کے رنگ رخ سے عیاں تھا کہ نہ صرف ان باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے بلکہ یہ دلچسپی توجہ اور التفات کا رنگ بھی اختیار کرتی جا رہی ہے

محمود نے کہا۔

میں آپ سے محبت کرنے لگا، لیکن اس کا اظہار نہ ہو سکا کس برتے پر کرتا؟ میری حیثیت کیا تھی؟ میرا رتبہ کیا تھا؟ میری پوزیشن کیا تھی اگر ایسی جرأت کرتا تو کیا میری زبان نہ کاٹ لی جاتی؟ کیا میرے سر کا ایک بال بھی سلامت رہ سکتا تھا۔

زہرہ دفعتہً ہنس پڑی! محمود نے سلسلۂ سخن جاری رکھتے ہوئے کہا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ صفیہ دیوانہ وار مجھ سے اظہار محبت کر رہی تھی اور میں اس کی محبت کو ٹھکرا رہا تھا، اس کی محبت کو ٹھکرا کر میں یہاں سے چلا گیا۔ جانتی ہیں آپ کیوں؟

وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ بولی "صفیہ سے ڈر کر!"

محمود نے ایک قہقہہ لگایا "نہیں مس زہرہ میں کسی سے نہیں ڈرتا کسی سے بھی نہیں، ڈر کیا چیز ہے، میں قطعاً نہیں جانتا۔ میں اس لئے گیا تھا کہ کچھ بن سکوں، کوئی حیثیت، کوئی مرتبہ، کوئی پوزیشن حاصل کر سکوں۔

زہرہ نے کہا "صفیہ اسی لیئے تو آپ سے خفا ہے کہ آپ اپنی زندگی پر قانع تھے۔ کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اس کی خواہش تھی کہ آپ کچھ بن جائیں، اپنے آپ کو سنوار لیں، لیکن آپ ایسا نہ کر سکے، وہ آپ سے مایوس ہوگئی تو پھر نفرت کرنے لگی؟"

محمود ہنسنے لگا، اس نے کہا "نفرت کرنے لگی؟ وہ مجھ سے اب بھی نفرت نہیں کرتی، اس روز جب چائے پر میں آیا تھا، اس دن بھی اس نے محبت کا دام بچھایا تھا؟"

زہرہ کو یقین نہیں آیا۔ وہ تردید کرتی ہوئی بولی،

"نہیں وہ ایسی نہیں ہے؟"

محمود نے یقین دلانے والے لہجے میں کہا "یقین کیجئے میں غلط نہیں کہتا — ہاں یہ سچ ہے کہ اس نے چاہا تھا کہ میرا مرتبہ بلند ہو جائے، میں کچھ بن جاؤں، لیکن کیوں چاہا تھا، میرے لیے نہیں اپنے لئے اور اس کے لئے میں بادشاہ بھی نہیں بن سکتا تھا، اس لئے کہ وہ میری محبت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتی تھی، وہ میری محبت مجھ سے چھین لینا چاہتی تھی، وہ مجھے اپنا بنا کر رکھنا چاہتی تھی — بتایئے کیا میں ایسا کر لیتا؟"

"زہرہ نے بڑی سادگی سے کہا "جب جواب دے چکے تب مجھ سے پوچھنے بیٹھے ہیں؟"

وہ ہنسنے لگا اور گویا ہوا، ٹھیک کہا آپ نے، میں نے جواب دے دیا، میں یہاں سے چلا گیا، یہاں میں کچھ نہ بن سکا اور یہاں سے جا کر، میں نے اپنی ذہانت ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور بن کر دکھا دیا، اب میں وہ محمود نہیں ہوں جو پہلے تھا، اب میں نیا محمود ہوں، بالکل نیا، بہت شاندار اور یکسر بدلا ہوا، اب میں اس کا بنایا ہوا نہیں ہوں، اپنا خالق خود ہوں اب میں اس کے لئے نہیں ہوں، اس کے لئے ہوں جو میرے دل کا حاکم ہے مجھے یہاں سے چلا ہی جانا چاہیئے تھا!"

زہرہ نے تائید کی "ہاں آپ نے اچھا ہی کیا جو یہاں سے چلے گئے۔

وہ کہنے لگا، میں نے جو کچھ کیا، مجھے کرنا ہی چاہیئے تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ میں نے جس کے لئے کیا ہے اس کا ردعمل کیا ہے؟

میری زندگی کا، میری حسرتوں ——————
اور آرزوں کا، میری تمناؤں کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے، اگر اسے میں قبول ہوں تو مجھے زندہ رہنے کی ضرورت ہے اگر اسے قبول نہیں تو یہ زندگی ایک بوجھ ہے اور اسے میں کندھے سے اتار پھینکنے میں ذرا تامل نہیں کرونگا؟

زہرہ سہم گئی "کیا ارادہ ہے آپ کا؟"

وہ بولا" جو میرے ہم پیشہ لوگ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں شاعروں کے اشعار میں افسانہ نویسوں کے قصوں میں ہم جیسے عاشقانِ ناکام کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔"

زہرہ خاموش تھی، وہ محمود کی قوتِ ارادی سے پوری طرح مغلوب ہو چکی تھی، کچھ اس کی چرب زبانی کے باعث اور کچھ اس لئے کہ گھر بیٹھے اسے ایک عاشقِ صادق مل گیا تھا۔ ایک ایسا عاشق، جس نے اس وقت اسے دیکھا تھا۔ جب نہ جانے کب وہ اپنے باغیچے میں محو گلگشت تھی اور اسے دیکھتے ہی عاشق ہو گیا تھا اور اس طرح عاشق ہوا تھا کہ اس کے لئے اس نے صفیہ جیسی خوبصورت دولت مند اور آن بان کی لڑکی کو چھوڑ دیا تھا اس کے لئے صرف اس کے لئے اس نے نہ جانے کیسی کیسی کٹھنائیاں برداشت کیں، تکلیفیں سہیں، مصائب برداشت کئے اور اپنی زندگی بنالی، اپنی حیثیت تعمیر کرلی، اپنے آپ کو ایسا شخص بنالیا جسے رد کر دینا کسی کے لئے آسان نہیں!"

جب بے وقت دستک دے کر وہ آیا تھا، تو اسے برا معلوم ہوا تھا۔ جب اس نے باتیں شروع کیں تھیں تو وہ ایک طرح کی گھبراہٹ محسوس کرنے لگی تھی، لیکن پھر — لیکن پھر باتوں کے اس سمندر میں ایک حقیر تنکے کی طرح بہنے لگی اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی، لہروں کے رحم و کرم پر اپنے آپ کو ڈال دینے پر مجبور ہو گئی۔

جسے آئندہ کبھی نہ مدعو کرنے کا اس نے صفیہ سے وعدہ کیا تھا، اب اس کے لیے اپنے دل کا دریچہ اس نے کھلتا ہوا محسوس کیا اور کچھ نہ کر سکی دفعتہً محمود اٹھا، اس نے کہا " مس زہرہ، میں نے کافی سمع خراشی کر لی آپ کی، اب اجازت دیجئے، شام کو ٹھیک وقت پر حاضر ہو جاؤں گا "

زہرہ اس سے یہ نہ کہہ سکی کہ ذرا دیر اور بیٹھئے، حالانکہ جی چاہ رہا تھا کہ کہے، چلتے چلتے محمود نے اس سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا وہ اپنا ہاتھ سمیٹ نہ سکی، پھر اس ہاتھ کو اس نے اونچا کیا، آنکھوں سے لگایا، پیار کیا اور تیزی سے نکلا چلا گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا —

٦

پرانا گھر

صیفہ اپنے گھر پہنچی !

یہ وہی گھر تھا جہاں وہ پیدا ہوئی تھی، جہاں اس نے ہوش کی آنکھیں بھی کھولی تھیں، جہاں وہ پروان چڑھی تھی، یہیں اس نے ماں کی ممتا کا جلوہ دیکھا تھا، یہیں اس نے باپ کی بے پناہ محبت پائی تھی، یہیں اس کا بھائی تھا لڑاکا، لیکن پاک سرشت، تندخو، لیکن صاف دل، یہیں بھابی دلہن بن کر آئی تھی، جو اب ڈھیروں خاک کے نیچے آسودۂ خواب تھی، یہیں امانی خانم تھیں، جو اُسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ لیکن حالات کے پلٹا کھاتے ہی اس کے خلاف سازشوں میں لگ گئیں، اس کی دشمن بن گئیں، یہیں چمپا کی گود میں وہ کھیلا کرتی تھی، چمپا، جس کے دم سے نام دفا زندہ ہے، جو اب تک روح کی پوری گہرائی کے ساتھ اس پر فدا ہے۔

اور ـــ اور یہیں وہ محمود سے دوچار ہوئی تھی، اس سے محبت کرنے لگی تھی، اس کے لیے اس نے بھائی جان کو دشمن بنا لیا تھا، بھابی کی نفرت مول لی تھی، ساری دنیا سے بگاڑ کر لیا تھا اور وہ محمود اسے دغا دے گیا تھا، اس نے اس کی محبت ٹھکرا دی تھی، وہ کچھ نہ بن سکا، وہ

محبت کو نہ نباہ سکا، دونوں ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔
اس طرح جدا ہو گئے کہ ملنے کا کوئی امکان باقی نہ رہ گیا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ اب کوئی ایسا زمانہ نہیں آسکتا کہ ایک ہو سکیں اب کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ گذرا ہوا زمانہ وہ عہد ماضی پھر سے واپس آجائے جو گیا سو گیا، پھر وہ کہاں واپس آتا ہے؟ پھر کیسے واپس آسکتا ہے۔

یہی سب باتیں سوچتی، دل میں خون کے آنسو روتی، وہ بالا خانے کی طرف بڑھی، ابھی پہلی سیڑھی پر اس نے قدم رکھا تھا کہ ڈاکٹر اترتا ہوا نظر آیا اس کے چہرے پر افسردگی کے آثار نمایاں تھے۔ صفیہ نے ڈاکٹر کو آگے نہ بڑھنے دیا پوچھا۔

"کیوں ڈاکٹر صاحب، بھائی جان کیسے ہیں؟ اب کیا حالت ہے ان کی؟"

ڈاکٹر نے صفیہ پر ہمدردی کی نظر ڈالی اور کہا۔

"بہت بدتر، ان کا بچنا ایک معجزے سے کم نہیں، جگر باؤف ہو چکا ہے، اپنا فعل ترک کر چکا ہے، شراب نے ان کے پھیپھڑوں کو چھلنی کر دیا ہے، علاج بہت دیر میں شروع ہوا، اتنی دیر میں کہ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور شاید پہنچ بھی جاتا، مگر افسوس اور حیرت اس بات پر ہے کہ دوا کا اثر الٹا ہو رہا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔

صفیہ نے سوال کیا "ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میرے خیال میں پرہیز ٹھیک سے نہیں ہوتا، وقت پر دوا بھی نہیں دی جاتی اور میرا خیال ہے۔

پھر وہ چپ ہو گیا، صفیہ نے مضطرب لہجے میں سوال کیا، ڈاکٹر صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟ بتایئے تو سہی؟

ڈاکٹر نے ادھر اُدھر دیکھ کر رازدارانہ انداز میں کہا، میرا خیال ہے۔ جو تریاقی دوائیں میں نے تجویز کی ہیں۔ وہ منگا تو لی جاتی ہیں۔ مگر استعمال نہیں کرائی جاتیں رجیب سے ایک شیشی نکالی، دیکھئے یہ بڑی اہم دوا ہے یہ کم سے کم ساٹھ روپے کی ہو گی۔ ایک ہفتہ ہوا میں نے اُسے نسخے میں تجویز کیا

تھا۔ آج جب ہاتھ دھونے غسل خانے میں گیا تو کارنس پر چمکتی ہوئی یہ شیشی نظر آئی، اس طرح سربمہر ہے جس طرح خریدی گئی تھی تو اس کے سوا کیا ہے کہ یہ استعمال نہیں کی گئی، امانی خانم سے پوچھا تو کہنے لگیں۔ وہ نہیں پیتے تو کیا کروں؟

اب لئے جارہا ہوں اور محمود صاحب سے پوچھوں گا، لیکن معاف کیجئے گا، انہیں بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے مریض کے تندرست ہونے سے؟"

صفیہ نے وہ شیشی ڈاکٹر کے ہاتھ سے لے لی اور کہا، محمود سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اب امانی خانم سے بھی کچھ نہ کہیئے گا، میں نے فیصلہ کرلیا ہے جب تک بھائی جان اچھے نہیں ہوجاتے یہیں رہوں گی، ان کی تیمارداری، دیکھ بھال، پرہیز دوا، ہر چیز میری نگرانی میں ہوگی۔ میں اور چمپا سارا کام کرلیں گے ۔

ڈاکٹر نے مطمئن لہجے میں کہا" یہ تو بہت اچھا ہوگا؟"

صفیہ نے امید اور حسرت کے ساتھ سوال کیا" کیا امید ہے بھائی جان کے بچ جانے کی؟

ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا" بہت مشکل ہے۔ یہ دوا اگر ٹھیک وقت، پر استعمال کرادی گئی ہوتی، تو کچھ امید ہوسکتی تھی مگر اب وقت نکل چکا ہے ۔

ڈاکٹر چلا گیا۔ صفیہ چمپا کو لے کر اوپر گئی، سب سے پہلے مڈبھیڑ امانی خانم سے ہوئی، اب وہی اس گھر کی انچارج تھیں، پہلے وہ ہماکی آکہ کار بن گئی تھیں، اب محمود کے اشاروں پر رقص کررہی تھیں، امانی خانم نے صفیہ کو دیکھتے ہی تیوری چڑھالی، رنگ رُخ بدل گیا، بس چلتا تو کھڑے کھڑے چلتا کردیتیں، لیکن مجبور تھیں، صفیہ بہرحال بہن تھی، بہرحال اس گھر کی مالک تھی، خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں، نہ سلام نہ کلام، صفیہ بھی ان سے مخاطب نہیں ہوئی، سیدھی جمال کے کمرے میں پہنچی، وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا گاؤتکیہ سے ٹیک لگائے بستر پر بیٹھا تھا، صفیہ کو دیکھا اور

دیکھتا رہا، کچھ کہنا چاہا، مگر نہ کہا، لیکن اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسو صفیہ نے دیکھ لئے۔

وہ تیر کی طرح بڑھی اور اس سے لپٹ گئی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، جمال کی زبان اب بھی خاموش تھی، لیکن اپنا کمزور اور لرزتا ہوا ہاتھ، محبت اور پیار سے اس کی پیٹھ پر پھیرنے لگا، صفیہ نے سر اٹھایا اور روتے ہوئے پوچھا۔ ”بھائی جان! یہ کیا حالت بنالی آپ نے؟“

جمال نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور خاموش ہو گیا، صفیہ پھر رونے لگی، اس نے کہا بھائی جان آپ اچھے ہو جائیں گے؟

جمال نے بہت کمزور آواز میں کہا ”کیا کروں گا، اچھا ہو کر؟“

صفیہ بولی، ”آپ کو زندہ رہنا ہے، اپنے لئے، میرے لئے اپنے بچے کے لئے؟“

جمال نے کوئی جواب دیا۔ پھر ضعیف لب و لہجے میں کہا ”بچہ۔ میں اس سے نفرت کرتا ہوں، اس کو مجھ سے پہلے مر جانا چاہیئے، اپنے لئے میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔“

صفیہ نے بحث کرنے کے انداز میں پوچھا ”کیا میرے لئے بھی نہیں؟“

جمال نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کی آنکھوں سے بڑے بڑے قطرے آنسوؤں کے گرنے لگے، امانی خانم چپ چاپ کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ آخر ضبط نہ کر سکیں کہنے لگیں۔

اچھی محبت ہے۔ ڈاکٹر نے تاکید کی ہے کہ مریض کو ذرا بھی صدمہ نہ پہنچنے دیا جائے، یہاں آنسو بہا بہا کر اسے رلایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر کی تاکید ہے مریض آرام کرے، یہاں اسے بے چین کیا جا رہا ہے۔

شاید امانی خانم کی تقریر ابھی جاری رہتی کہ چمپا آگے بڑھی اور اس نے بھرے ہوئے لہجہ میں کہا۔

نمک حرام، مجھ ہوش میں ہے، چلی ہے گوشت کو ناخن سے جدا کرنے، کیا تو صفیہ سے زیادہ جمال کو چاہتی ہے؟ تو تو وہ ڈائن ہے، جو اس کی زندگی سے کھیل رہی ہے۔

لیکن اب تجھے یہ موقعہ نہیں دیا جائے گا، جا اپنے کمرے میں بیٹھ وہیں کھانا پانی پہنچ جایا کرے گا۔ میں اور صفیہ اب یہیں رہیں گے، تو اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتی، دوا ہم پلائیں گے اور کھلائیں گے تیمار داری ہم کریں گے، آرام ہم پہنچائیں گے، تو نے تو اس درجے تک پہنچا دیا میرے بچے کو!

پھر وہ رونے لگی، امانی خانم، نہ صرف گھر کی منتظمہ تھی، بلکہ جمال کی ٹرسٹی بھی بنی ہوئی تھی۔

محمود نے اور زیادہ انہیں بانس پر چڑھا دیا تھا، یہ بھی جانتی تھی ۔۔۔۔۔۔ بھیں بھائی میں نہیں بنتی، ہمانے جمال کو پہلے ہی صفیہ سے متنفر کر دیا تھا۔ جو رہی سہی کسر تھی وہ احسان سے شادی کے بعد انہوں نے اس کے خلاف پروپیگنڈا کر کر کے پوری کر دی تھی اور اس کے نام تک سے بیزار کر دیا تھا، انہیں یقین تھا، ان کے اقتدار کو زوال نہیں آ سکتا۔ انہوں نے بہت زیادہ تند اور سخت لہجے میں صفیہ اور چمپا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

"میں کہتی ہوں، تم دونوں نکل جاؤ یہاں سے!"

صفیہ چمپا کی طرح نہ زبان دراز تھی، نہ لڑاکا، وہ اپنی کمزوری سے بھی واقف تھی جانتی تھی، جمال اس سے خفا ہے۔ بیزار ہے اس نے امانی خانم کو جواب دینے کے بجائے بے بسی کے ساتھ جمال کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، خون کا جوش بھی ایک چیز ہے، دنیا جہان کی سفارشیں خود صفیہ کی التجائیں وہ اثر نہیں پیدا کر سکتی تھیں جو ان آنسوؤں نے پیدا کر دیا، جمال نے کپکپاتی ہوئی آواز میں امانی خانم سے کہا۔

" تمہاری یہ ہمت کہ صفیہ سے جانے کو کہو؟ ـــ وہ میری بہن اور اس گھر

کی مالک ہے۔

صفیہ کے آنسو خشک ہو گئے اور پھر نمودار ہو گئے۔ خوشی کے آنسو اماں خانم کا چہرہ سیاہ پڑ گیا، جمال نے کہا۔

"میں جانتا ہوں، اب نہیں بچ سکتا، کسی طرح نہیں بچ سکتا، زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ بار ہا دل میں آرزو مچلی کہ جب دم نکل رہا ہو، صفیہ میرے سرہانے ہو لیکن ہمت نہ کر سکا اسے بلانے کی میں نے اس سے جو سلوک کیا تھا، اس کے بعد کس منہ سے بلاتا؛ اور بلاتا تو بھی احسان سے یہ امید نہ تھی کہ وہ آنے دیتا، لیکن احسان نے آنے دیا، وہ آ گئی، خدا نے میری حسرت پوری کر دی، وہ یہیں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک اس جہان سے میں گزر نہ جاؤں، تم اگر اس کی ماتحت بن کر رہ سکتی ہو تو رہو ورنہ ابھی نکل جاؤ یہاں سے!"

اماں خانم یہ خلاف توقع حکم سن کر سٹپٹا گئیں، کہنے لگیں، میرا کیا ہے چلی جاؤں گی، محمود میاں آ جائیں!"

محمود کا نام سن کر جمال بھڑک اٹھا، اس نے کہا "محمود کو میرے نجی اور ذاتی معاملات سے کیا سروکار؟ بے شک میں اس کا مقروض ہوں لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ میرا مالک و مختار ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی ہوگا، وہی کرنا پڑے گا تم کو —

اماں خانم نے کوئی جواب نہیں دیا، چپ چاپ کمرے میں چلی گئیں صفیہ اور چمپا نے جمال کے کمرے میں ڈیرا ڈال دیا، صفیہ نے دوائیں دیکھیں نسخوں کا مطالعہ کیا اور فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ اس کے آ جانے سے ذہنی طور پر جمال نے بڑا سکون محسوس کیا، ذرا دیر کے بعد اس نے کہا "یہ بڑا تکیہ ہٹا لو، بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں ذرا لیٹوں گا؟"

صفیہ نے فوراً تکیہ ہٹا دیا اور آرام سے اُسے لٹا دیا۔

ذرا دیر کے بعد وہ سو گیا، شاید بہت دنوں کے بعد اسے اتنی بے ساختہ نیند آئی تھی، صفیہ نے اشارے سے چمپا کو ہدایت کی کہ خیال رکھنا

اور خود منہ ہاتھ دھونے اور نوکروں کو کھانے وغیرہ کے سلسلے میں ضروری ہدایات دینے چلی گئی۔

امانی خانم کے کمرے کی طرف سے جب گزری تو دیکھا، محمود وہاں موجود ہے۔ لیکن اس نے پروا بھی نہ کی، سیدھی چلی گئی، اسے دیکھ کر نوکر بہت خوش ہوئے، اس کی عدم موجودگی میں ان کی حالت کتنی ابتر ہو گئی تھی، ہمانے ان سے ان کے ساتھ انتہائی ظالمانہ برتاؤ روا رکھا تھا۔ جمال نے کبھی ان کی خبر نہ لی، ہما کے بعد امانی خانم کا دور دورہ شروع ہوا، وہ سب سے آگے بڑھ گئیں، اب صفیہ آگئی، جس کے رحم، مروت اور مہربانی کی، دھوم تھی باورچی خانے میں جاکر اس نے ضروری ہدایات دیں، اس کے بعد پھر جمال کے کمرے کی طرف چلی، لیکن نہ جانے کیوں اس کے قدم خود بخود خانہ باغ کی طرف اٹھ گئے، شاید امانی کی باتوں سے کافی دل گرفتہ ہو چکی تھی اور ذرا ماحول کو تبدیل کر دینا چاہتی تھی۔

یہ خانہ باغ، اس کی محبت کا مرکز رہ چکا تھا، کبھی یہیں اس سے اور محمود سے محبت بھری باتیں ہوا کرتی تھیں، نباہ کے وعدے، الفت کے ترانے، ایک، دوسرے پر قربان ہو جانے کا اعلان۔

لیکن اب وہ زمانہ گزر چکا تھا، وہ خانہ باغ میں آئی اور فوارے کی منڈیر پر بیٹھ گئی اور عالم خیال میں پہنچ گئی، یہاں بیٹھے اسے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پتوں کے کھڑکھڑانے کی آواز آئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو محمود سامنے کھڑا تھا، اسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، دل زور زور سے دھڑکنے لگا ایک انجانا خطرہ منڈلانے لگا، اس نے پوچھا۔

آپ یہاں کیوں آگئے۔

وہ مسکراتا ہوا بولا" کچھ باتیں کرنی تھیں تم سے!"

وہ چمک کر بولی، معاف کیجئے، نہ مجھے باتیں کرنے کی فرصت ہے نہ کرنا چاہتی ہوں۔

جیسے اس نے یہ الفاظ سنے ہی نہیں کہنے لگا" آج تم نے امانی خانم کی خوب

خبر لی۔

صفیہ نے تصحیح کرتے ہوئے کہا "میں نے نہیں چھپانے۔ وہ مستحق بھی اسی کی ہے نمک حرام؟"

محمود نے تائید کرتے ہوئے "ہاں! میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے، جمال کے ذمے جتنی رقم اس کی نکلتی ہو، مجھ سے لے اور اگر تمہاری ماتحت بن کر نہیں رہ سکتی تو چلی جائے۔

صفیہ نے نہ شکریہ ادا کیا، نہ جواب دیا، ذرا دیر محمود خاموش کھڑا رہا پھر گویا ہوا۔

"تم نے مجھے ٹھکرا دیا صفیہ؟"

وہ الجھتی ہوئی بولی "پھر وہی لاحاصل باتیں؟"

محمود نے کہا "لیکن ان باتوں کا تعلق میری زندگی سے ہے، میرے مستقبل سے ہے میری نشاط مسرت سے ہے؟"

وہ بولی "لیکن میں یہاں اس لئے نہیں آئی ہوں کہ ان غیر ضروری مسائل پر آپ سے گفتگو کروں، اس لئے آئی ہوں کہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے اپنے بھائی کی تیمارداری کر لوں، کیا آپ یہ کام بھی مجھے نہیں کرنے دیں گے؟

محمود نے کہا میں تمہیں کسی کام سے نہیں روک سکتا جو چاہو کرو، لیکن میری باتوں کا جواب تو دو؟

وہ کہنے لگی "کب تک ایک ہی بات بار بار دہرائے جاؤں؟"

محمود کا چہرہ غصّہ سے سرخ ہو گیا، اس نے کہا "خیر کوئی مضائقہ نہیں میں نے بھی اپنا انتظام کر لیا ہے۔

صفیہ کا جی چاہا کہ پوچھے کیا انتظام کر لیا ہے لیکن وحشت کے سبب نہ پوچھ سکی وہ ڈر رہی تھی، نہ جانے یہ شخص جواب میں کیا کہہ دے جو ایک نئے غم ایک، نئے رنج کا پیش خیمہ ہو، لیکن محمود تو بتانے پر تلا ہوا تھا کہنے لگا۔

تم نہیں چاہتیں کہ میں احسان سے ملوں، زہرہ سے باتیں کروں تمہارے

نہ ہو گے گھر میں قدم نہ رکھوں —

وہ بات کاٹتی ہوئی بولی، ہاں میں یہ نہیں چاہتی اور آج کے بعد نہ آپ وہاں آسکیں گے نہ آپ کو ایسی کوشش کرنی چاہیئے۔

محمود کھلکھلا کر ہنس پڑا اور گویا ہوا "سبحان اللہ، گویا وہ گھر صرف آپ ہی کا ہے!

صفیہ حیرت سے دیکھنے لگی، پھر سوال کیا "میرا نہیں تو کس کا ہے؟"

محمود نے اکڑ کر جواب دیا "میرا بھی ہے!"

اس مہمل بات کو سن کر اس غم و غصہ کی حالت میں بھی وہ اپنا تبسّم ضبط نہ کر سکی، اس نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

محمود نے جواب دیا "اس طرح کہ وہ میری محبوبہ کا گھر بھی ہے!

صفیہ کو غصہ آگیا، بپھر کر بولی، میں ایسی مہمل باتیں نہیں سننا چاہتی میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

محمود ہنسنے لگا، اس نے کہا "واہ بھئی واہ، بات سنی نہیں اور خفا ہونے لگیں، میں نے کہا "وہ میری محبوبہ کا بھی گھر ہے، یہ لفظ سنتے ہی بھڑک اٹھیں لیکن میں نے تمہیں کب کہا تھا؟ اگر تم میری محبوبہ بننے کا اعزاز نہیں حاصل کرنا چاہتیں تو بھی اصرار نہیں کرتا۔

اس لئے کہ زہرہ میری محبوبہ بن چکی ہے۔

جیسے صفیہ پر بجلی گر پڑی، وہ تصویرِ حیرت بن کر اسے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے بے یقینی کے لہجے میں کہا "کیوں ایسی بات زبان پر لاتے ہیں جو خطرناک ہے کیا شامت آئی ہے آپ کی؟

وہ زہر خند کرتا ہوا "شامت کیوں آئی ہے؟ — ہر عورت صفیہ تو نہیں ہوتی، جو مجھے ٹھکرا دے؟

دعوت تو رات کو ہے اور اب تھوڑی دیر کے بعد شرکت کے لئے جاؤں گا، لیکن علم و اطلاع کے لئے اتنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں وہیں سے آرہا

ہوں، یہ دیکھ کر تم یہاں آرہی ہو اور احسان گھر پر نہیں ہے، میں تمہارے ہاں گیا، وہاں زہرہ موجود تھی، تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد وہ میری محبت قبول کرنے پر مجبور ہو گئی، میں جس محبوبہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا، وہ تھی، تم تو خواہ مخواہ بھڑک اٹھیں، اس نے میری محبت قبول کر لی، وہ خود بھی مجھ سے محبت کرنے لگی، چلتے وقت میں نے اس کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا، پھر پیار کر لیا اس نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی، اس نے ذرا بھی برا نہیں مانا ۔ کیا تم اسے بھی مجھ سے چھین لو گی، چھین سکتی ہو؟"

صفیہ کا چہرہ اس طرح ہو گیا، جیسے کسی نے خون نچوڑ لیا ہو، اس نے دفعتہً ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "محمود خدا کے لئے رحم کرو، میرا انتقام اس غریب سے نہ لو۔"

محمود ہنسنے لگا "انتقام کیسا؟ میں اس سے محبت کرتا ہوں؟"

صفیہ نے اسی طرح ہاتھ جوڑے جوڑے کہا "تم جھوٹے ہو، دغاباز ہو فریبی ہو، شیطان ہو، تم ہرگز اس سے محبت نہیں کرتے۔ تم قطعاً اسے نہیں چاہتے، تم نے اسے دھوکہ دیا ہے، وہ نیک، سیدھی اور بھولی بھالی لڑکی ہے، اس کا شکار نہ کرو، اس کی زندگی برباد نہ کرو، کیا مل جائے گا تمہیں اس سے؟"

دفعتہً محمود کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ پھر خوفناک اور ہیبت ناک نظر آنے لگا، اس نے کہا "تم کہتی ہو، میں اس کی زندگی برباد نہ کروں، اگر میں اپنی زندگی برباد کر سکتا ہوں تو ساری دنیا کی زندگی برباد کر سکتا ہوں — کیا دنیا کا وجود میرے وجود سے زیادہ قیمتی ہے؟"

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ تیز تیز چلتا باہر چلا گیا، شاید زہرہ کے ہاں اور صفیہ اسی طرح ہاتھ جوڑے سکتے کے عالم میں نہ جانے کب تک کھڑی رہی ۔

۷

ضدی محبت

محمود چلا گیا اور صفیہ وہیں کھڑی رہ گئی!

بڑی دیر تک خاموش اور گم صم کھڑی رہی، اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی، یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا کہہ گیا؟ اب کیا ہو گا؟ یہ بھی بھول گئی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے؟ جمال نہ جانے سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے؟ اس کی خبر لینی چاہیے، دیکھنا چاہیے جا کر، کس حالت میں ہے، کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، کوئی کام تو نہیں؟ یہ تمام باتیں اس کے سوچنے کی تھیں، لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اس وقت یاد نہیں تھی۔

یاد تھا صرف محمود، یاد تھی صرف زہرہ

بڑی دیر گزر گئی اسی طرح، سورج غروب ہو گیا، اندھیرا پھیل گیا چڑیاں چہچہاتی ہوئی اپنے نشیمن میں پہنچ گئیں، چاند نے افق سے اپنا سر نکالا اور دنیا تماشا دیکھنے لگا۔ دنیا والوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔

وہ اسی طرح خاموش کھڑی تھی کہ چمپا آ گئی، اسے دیکھتے ہی وہ سنبھل گئی چمپا نے کہا۔

اے بیٹی یہاں اکیلی کھڑی کیا کر رہی ہو۔

وہ بولی کر تو کچھ بھی نہیں رہی، جی گھبرایا ادھر چلی آئی ۔ کیا بھائی جان جاگ گئے ۔

وہ کہنے لگی، وہیں سے آرہی ہوں ۔ ہاں جاگ گئے تمہیں پوچھ بھی رہے تھے!

مجھے پوچھ رہے تھے؟ یہ کہہ کر جمال کے پاس جانے کے لئے لپکی، چمپا بھی ساتھ چل کھڑی ہوئی، راستے میں کہنے لگی، امانی خانم کا منہ بہت پھولا ہوا ہے!

صفیہ نے توجہ بھی نہیں کی، امانی خانم کا منہ پھولا ہوا ہے یا پچکا، اس سے وہ کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی، لیکن چمپا کو اپنی بات سنانے پر اصرار تھا، وہ گویا ہوئی، معلوم ہوتا ہے، آخری سہارا بھی دغا دے گیا!

دغا دے گیا" اس جملے نے اُسے چونکا دیا، اس نے پوچھا "کس نے دغا کھائی" "کون دغا دے گیا؟"

چمپا ہنسنے لگی" یہ تو جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں!"

وہ اپنی صفائی دیتی ہوئی بولی" ہاں میں نے واقعی نہیں سنا، نہ جانے کیا کہہ رہی تھیں تم، اس وقت میں کچھ اور سوچ رہی تھی کچھ گھر کی باتیں، احسان کو یہ تو بتاؤ آدُ جالگرا ابھی چند روز ہم یہیں رہیں گے ۔

چمپا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا وہ تو بتا آئی بے چارہ بہت ہی پریشان ہوا ۔ جمال کا حال سن کر اس نے کہلوا دیا ہے کہ اگر جمال کو ناگوار گزرے تو عیادت کے لئے کسی وقت میں بھی آجاؤں!"

کتنا شریف کتنا عالی ظرف، کتنا اونچا آدمی ہے احسان اس احسان سے محمود مجھے چھین لینا چاہتا ہے، کتنا بے وقوف ہے وہ!"

وہ کہنے لگی، جب چاہیں آجائیں، بھائی جان کچھ نہیں کہیں گے!"

چمپا نے کہا، میں نے بھی یہی کہا تھا، شاید کل آئیں گے کسی وقت!

اس کے بعد پھر اپنے اصل موضوع پر آگئی، کہنے لگی، امانی خانم

کا منہ بہت پھولا ہوا ہے، شاید اس لئے کہ آخری سہارا بھی دغا دے گیا

صفیہ اب ہوش میں تھی، اس کی باتیں سن رہی تھی پوچھا آخری سہارا کیسا؟ فتح مندانہ لہجے میں چمپا نے کہا" محمود اور کون، پوری باتیں تو نہیں سن سکی لیکن میرا خیال ہے، میری اور تمہاری شکایت کر رہی تھی امانی اس سے، اس نے کیا جواب دیا یہ بھی نہ سن سکی، البتہ یہ جملہ کانوں میں پڑا، امانی خانم کچھ بھی ہو، تمہیں ہر قیمت پر یہاں رہنا چاہیئے، ذلیل بن کر بھی، تمہاری تنخواہ آج سے دوگنی کر دی گئی، لیکن امانی خانم اس سے مطمئن نہیں ہوئیں، کہنے لگیں، میں ذلیل بن کر نہیں رہ سکتی، وہ بولا، پھر چلی جاؤ اور باہر نکل آیا، بیچاری دبک کر رہ گئیں، شاید ان کی خواہش تھی کہ محمود ہم لوگوں کو نکال دے اس گھر سے!

صفیہ کو غصہ آگیا، اس گھر سے ہمیں کون نکال سکتا ہے۔

جیسے یکایک چمپا کو کچھ یاد آگیا، اس نے کہا، بیٹی ایک بات بتاؤں" سنو گی!

صفیہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا، ہر بات جو اس کے کانوں پڑتی تھی وہ کسی نئے طوفان، کسی نئے بحران، کسی نئے فتنے کا پیش خیمہ ہوتی تھی، وہ ڈر رہی تھی کہ نہ جانے اب چمپا کیا کہے گی؛ چمپا نے کہا،

"محمود تو بڑی بے تکلفی سے زہرہ سے باتیں کرنے لگا ہے اور وہ بھی اس طرح ہنس ہنس کر گھل مل کر باتیں کرتی ہے جیسے دونوں بہت دنوں سے ایک، دوسرے کو جانتے ہوں، کیوں بیٹی، کہیں کچھ دال میں کالا تو نہیں

صفیہ نے تیوری چڑھا کر کہا" میں نہیں جانتی" اور خاموش ہو گئی۔

جمال کا کمرہ آگیا، جمال نے اُسے دیکھ کر کہا، کہاں رہ گئی تھیں صفیہ، دیکھو تو تمہارے جانے کے بعد بھی دو مرتبہ خون آ چکا ہے!"

صفیہ نے کوئی جواب دئے بغیر اگالدان اُٹھا کر دیکھا تو اس میں کافی تازہ خون موجود تھا، یہ دیکھ کر وہ لرز گئی، اس نے کہا" بھائی جان آپ نے مجھے بلا کیوں نہیں لیا۔ میں تو یہیں خانہ باغ میں تھی!"

وہ پھیکی سی ہنسی ہنستا ہوا بولا، تم کیا کر رہی تھی، کیا تم نے سنا نہیں،

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گزار دے کہ ہنس کر گزار دے

میں اب زندہ نہیں رہوں گا؟

یہ کہہ کر نڈھال ہو کر پھر وہ بستر پر لیٹ گیا، صفیہ اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ پھر اسے نہایت زوردار کھانسی کا دورہ پڑا، سر جھکنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا، روح پرواز کر جائے گی، امانی اپنے کمرے میں ٹانگ پھیلائے سو رہی تھی، صفیہ اور چمپا دیکھ بھال کر رہی تھیں، بارہ بجے رات تک یہی کیفیت رہی پھر دوائی کی آخری خوراک پینے کے بعد اسے دوبارہ نیند آگئی وہ سو گیا چمپا اور صفیہ نے ذرا سا کھانا ----- اور پھر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں دریچے کے قریب، جمال کی آنکھ کھل گئی، اس نے پانی مانگا۔ صفیہ لپک کر پانی کا گلاس اٹھا لائی، کیونکہ چمپا کی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی، جمال نے پانی پی کر محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"تم اب تک کیوں جاگے جا رہی ہو؟ کیا تمہارا بیمار پڑنے کو جی چاہتا ہے؟ جاؤ سو رہو؟

وہ کہنے لگی، آپ مطمئن رہیے، میں بیمار نہیں پڑ سکتی، تو آپ کی بیماری خود لے لیتی —!

جمال نے اس نے اس پہ ایک مایوسانہ نگاہ ڈالی اور پھر نڈھال ہو کر بستر پہ گر گیا۔

ذرا دیر کے بعد پھر سو گیا، اب صفیہ کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، پاس ہی دوسری چارپائی پر وہ سو گئی، صبح صبح چمپا نے اسے اٹھایا، وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی، جمال اب تک سو رہا تھا، چمپا پانی گرم کر لائی، صفیہ نے روئی کے ٹکڑوں کو تر کر کے بھائی کا منہ دھویا، ہاتھ صاف کئے، ماتھا پونچھا اس کی آنکھ کھل گئی اور ایک طرح کے احساس راحت کے ساتھ پڑا رہا جب اس کام سے فارغ ہو گئی تو چمپا چائے بنا کر لا چکی تھی، ایک پیالی اس کی طرف

ٹرھاتی ہوئی بولی، دو گھونٹ پی لیجئے ؟"

جمال نے چائے پی لی اور کہا" آج میں روز سے اچھا معلوم ہو رہا ہوں طبیعت کچھ بحال سی ہے، یہ تمہاری آنے کی برکت ہے بہن بھی کیا چیز ہوتی ہے دنیا میں اور پھر تم جیسی بہن !

صفیہ نے دلاسا دیتے ہوئے کہا " بھیا آج آپ کی طبیعت بحال دیکھ کر کتنی خوشی ہے مجھے کچھ نہ پوچھئے!"

وہ کہنے لگا " میں جانتا ہوں، میں ہی جان سکتا ہوں ۔ امانی خانم کا کیا حال ہے ؟

چمپا بول پڑی، اپنے کمرے میں اٹوانی کھٹوانی لئے پڑی ہیں، وہ مسکرانے لگا، دس بجے تک اس طرح کی باتیں بھائی بہن میں ہوتی رہیں اس کے بعد پھر وہ تکان محسوس کرنے لگا اور لیٹ گیا اور ذرا دیر کے بعد پھر اس کی آنکھ لگ گئی، جو خواب آور دوا، دی جا رہی تھی، اس کا بڑا اچھا نتیجہ برآمد ہو رہا تھا ۔

اس کے سو جانے کے بعد صفیہ نے چمپا سے کہا، تم بھائی جان کا خیال رکھنا، میں ذرا تھوڑی دیر کے لئے گھر جاتی ہوں!"

چمپا روک نہ سکی، اس نے کہا " ہو آو، بھائی کی فکر نہ کرو !"

صفیہ بڑی حویلی سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچی، احسان کا گھر جو اب اس کا گھر تھا یاسمین بڑے اطمینان سے ہنڈولے میں بیٹھی انگوٹھا چوس رہی تھی زہرہ پاس بیٹھی اسے جھیڑ رہی تھی، صفیہ کو دیکھ کر وہ مسکراتی ہوئی بولی، آگئیں ؟ کہو کیا حال ہے جمال صاحب کا ؟ تمہاری اس یاسمین کو کسی دن اتنا پیٹوں گی کمر یاد کرے گی تم بھی رات بھر اس شیطان کی خالہ نے مجھے سونے دیا !"

صفیہ پر اس وقت سنجیدگی طاری تھی، وہ آکر اس کے پاس خاموشی سے بیٹھ گئی اور کہنے لگی، رات کی دعوت کا حال سناؤ ۔

" زہرہ نے مزے لے لے کر رات کی دعوت کا حال سنایا، کہنے لگی، گیارہ بجے تک ہماری مجلس قائم رہی !"

"ہماری" مجلس، یہ لفظ کھٹکا صفیہ کو اس نے پوچھا "کیوں زہرہ کیا میں تمہاری رازدار نہیں ہوں؟ کیا تم میری محرم اسرار نہیں ہو؟ کیا ہم دونوں میں کسی طرح کا تکلف ہے؟ حجاب ہے؟ دوری ہے؟"

ان تابڑ توڑ اور عجیب قسم کے سوالات سے زہرہ گھبرا گئی، اس نے کہا خیر تو ہے؟ حجاب ہے؟ دوری ہے؟

ان تابڑ توڑ اور عجیب قسم کے سوالات سے زہرہ گھبرا گئی، اس نے کہا خیر تو ہے یہ کیسی باتیں کرنے لگیں آتے ہی؟"

وہ بولی "مجھے بتاؤ زہرہ کیا تم محمود سے محبت کرنے لگی ہو؟"

ذرا کے ذرا زہرہ پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی، پھر فوراً دور ہو گئی، اس نے ایک عزم کے ساتھ کہا، ہاں کرتی تو ہوں۔

جیسے کسی نے اس کے دل پر خنجر مار دیا، وہ تلملا گئی، اس نے سراپا اضطراب بن کر سوال کیا۔

زہرہ تم محمود سے محبت کرتی ہو؟ اس دغاباز سے فریبی سے؟ — میں محبت کو برا نہیں کہتی، یہ تو بڑا مقدس جذبہ ہے، لیکن اسے رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیئے۔ اس کا صحیح مصرف ہونا چاہیے، زہرہ، میری زہرہ، میری پیاری زہرہ، محمود تیری محبت کا مستحق نہیں ہے، وہ لٹیرا ہے، ڈاکو ہے، فریبی ہے بدمعاش ہے وہ میرا انتقام تجھ سے لینا چاہتا ہے تجھے اپنا شکار بنانا چاہتا ہے خدا کے لئے رحم کرو اپنے اوپر، تو بھولی بھالی ہے، سیدھی سادی نیک لڑکی ہے، اس نے زبانی سے کام لے کر تجھے جیت لیا، لیکن تو بار نے سے انکار کر دے۔

زہرہ چشم حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی، جب یہ سب کچھ وہ کہہ چکی تو بولی۔

"بڑی لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی تم نے؟"

اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئی، اس کے کانوں میں محمود کے وہ الفاظ گونجنے لگے جو اس نے صفیہ کے بارے میں کہے تھے اور دل سے صدا اٹھی، وہ یقیناً سچ کہہ

رہا تھا، صفیہ اس سے محبت کرتی تھی، اب بھی کرتی ہے، وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ محمود کسی اور سے محبت کرے۔

میں نے اس کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، لیکن وہ اپنے جوشِ محبت میں میری خوشی بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی بنا لی، بھائی جان سے شادی کر لی اب، اس کے حلقہ سے اس دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتی، محمود نے اس کو چھوڑ دیا اس نے محمود کو چھوڑا بات ایک ہی ہے نتیجہ ایک ہی ہے ان دونوں کی جدائی اب اٹل ہے اب یہ کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے۔ پھر بھی صفیہ محمود کو اپنا بنائے رکھنے پر بضد ہے، پھر بھی نہیں چاہتی کہ وہ میرا بن سکے، یہ سوچتے سوچتے اس کی تیوری چڑھ گئی، اس نے کہا۔

میں بچہ نہیں ہوں اپنے بھلے برے کو پہچانتی ہوں، میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بالکل اسی طرح جیسے تم جانتی تھیں کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے؟ جس طرح تم نے وہ کیا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا اسی طرح میں بھی وہ کروں گی جو مجھے کرنا چاہیے!" میں نے تمہاری مدد کی تھی، تمہیں میرا ساتھ دینا چاہیے!"

یہ باتیں زہرہ کر رہی تھی، بے زبان زہرہ، جو محبت سے ناآشنا تھی، جس نے کبھی ایسا تیکھا جواب اسے نہیں دیا تھا جس نے کبھی ایسی کڑوی بات اس سے نہیں کی تھی، اسے یقین ہوگیا محمود کا جادو اس پر بری طرح چل چکا ہے اور اب یہ کسی منتر سے دور نہیں ہو سکتا، پھر بھی اپنا فرض سمجھ کر اس نے کہا۔

تمہارے لئے میں اپنی جان دے سکتی ہوں، جو کہو کرنے کو تیار رہوں، لیکن جیتے جی آنکھوں دیکھتے تمہیں اندھے کنوئیں میں نہیں گرنے دوں گی۔"

زہرہ نے بے پروائی سے کہا "جو اندھے کنوئیں میں گرنے کا فیصلہ کر لے، اسے کوئی روک نہیں سکتا!"

صفیہ نے غرقِ حیرت ہو کر پوچھا اور اتنی مختصر سی مدت میں اتنی پختہ ہو گئی راہِ محبت پر؟"

زہرہ تلملا گئی، اس نے کہا "تو تم کیوں چلی جا رہی ہو؟"

یہ جواب زہرہ کا نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ الفاظ نکلے اس کے منہ سے تھے

اسے چکر آ گیا، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا
"زہرہ یہ تم کہہ رہی ہو؟ یہ تم نے کہا؟ میں تم سے جل سکتی ہوں؟ میں تمہاری
خوشی سے چڑ سکتی ہوں، جب چاہو امتحان لے کر دیکھ لو، تمہاری خوشی کے
لئے ہر چیز قربان کر سکتی ہوں!"

زہرہ کو ان باتوں پر کس طرح یقین آ سکتا تھا، اس نے جواب دیا "شکریہ۔
میں آپ سے کسی ایثار کی قربانی کی طالب نہیں ہوں، صرف یہ چاہتی ہوں کہ
میرے راستے میں نہ آیئے، مجھے چلنے دیجئے میرے راستے پر بڑی عنایت
ہوگی بھابی صاحبہ!"

آج زہرہ کس طرح کی باتیں کر رہی تھی، ایسی باتیں تو اس نے کبھی نہیں کی
تھیں وہ متحیر نگاہوں سے اُسے دیکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

زہرہ میرا دل نہ توڑو، مجھے مایوس نہ کرو، میرا کہا مان لو، اس بے وفا
اس وفا دشمن اس انسان نما درندے کو اپنی زندگی میں نہ پڑنے دو، یہ
میں اپنے لئے نہیں کہتی، تمہارے لئے کہتی ہوں!"

طنز سے بھرپور لہجے میں اس نے جواب دیا "اسی لئے تو ابھی شکریہ
ادا کر چکی ہوں، کیا وہ کافی نہیں ہے؟ اس کے علاوہ اور کیا درکار ہے؟"

مایوسی کے عالم میں صفیہ نے کہا "تم نہیں مانو گی؟"

وہ بولی، "جو بات ماننے والی نہ ہو کس طرح مانی جا سکتی!"

صفیہ نے کہا، ایک وقت آئے گا، جب میرے قول کی صداقت
کا تمہیں یقین ہوگا، جب تم مجھے سمجھنے پر مجبور ہو جاؤ گی، لیکن — پھر کیا
ہو سکے گا؟ کچھ نہیں!"

طنز کا ایک تیر زہرہ نے اور پھینکا "خیر سے اب تم پیش گوئی بھی
کرنے لگیں۔

جتنی جی چاہے اور بد دعائیں دے لو، لیکن میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا
وہ اٹل ہے! دنیا میں ہر عورت ایک مرتبہ محبت کرتی ہے، میں بھی عورت
ہوں، مجھے بھی محبت کرنا ہی ہے تو وہ شخص محمود کیوں نہ ہو؟ کیا خرابی ہے

اسس میں ؟ کیا خوبصورت نہیں ہے ؟ کیا وہ بھائی جان سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔"

اس کا آخری جملہ صفیہ کے لیے برداشت کرنا طاقت سے باہر ہو گیا اس نے چاہا کہ کچھ کہے لیکن نہ کہہ سکی، دو آنسو آنکھوں سے گر پڑے یہ بے بسی کے آنسو تھے، کتنا بڑا حملہ کیا تھا، اس نے صفیہ پر کتنا کاری وار تھا۔

اور وہ کہے جا رہی تھی "کیا وہ مجلس طراز نہیں ہے؟ کیا اس کی باتوں میں سحر نہیں ہوتا، کیا اس کی شخصیت گمبھیر نہیں؟ مجھے بتاؤ صفیہ، کیا نقص ہے اس میں؟ کیا اس سے اچھا آدمی اسس پردۂ دنیا پر کوئی اور ہے؟ کیا اسس سے بہتر آدمی مجھے مل سکتا ہے؟ سچ کہنا اگر وہ تمہیں مل سکتا، تو کیا تم اسے رد کر دیتیں، ٹھکرا دیتیں۔

یہ آخری جملہ پھر تیر کی طرح اس کے قلب نازک میں ترازو ہو گیا، وہ تڑپ گئی، لیکن اسس نے ضبط سے کام لیا تھا۔

"وہ مجھے مل رہا تھا، لیکن میں نے اُسے ٹھکرا دیا کیا تم نہیں جانتیں؟ بتا تو چکی ہوں سب کچھ!"

بے یقینی اور بے اعتمادی کے لہجہ میں اس نے کہا "ہاں سن چکی ہوں لیکن کیا معلوم تم نے اُسے ٹھکرایا، یا اس نے تمہیں؟"

پردہ اُٹھ گیا، صفیہ کی آنکھوں کے سامنے سے وہ سمجھ گئی، محمود کیسی چال چل رہا ہے لیکن زہرہ اس قدر جلد اس قدر زیادہ آگے بڑھ چکی تھی، کہ اب کچھ کہنا بیکار تھا۔

اب سمجھانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا، محمود ایک مرتبہ پھر جیت گیا اس نے زہرہ کی نظر میں مجھے ذلیل کیا اور پھر اس کو اپنا لیا!

"لیکن ایک آخری کوشش کرتی ہوئی بولی زہرہ دھوکا نہ کھاؤ! میری زہرہ اپنے اوپر رحم کرو!"

زہرہ نے چڑ کر کہا، آخر تمہیں صرف اس معاملہ سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی ہے!

اس سے پہلے تو کبھی تم نے ایسا نہیں کیا تھا، کیا تم نے بارہا مجھے شادی پر نہیں اکسایا۔

اور جب میں نے اپنا رفیقِ حیات تلاش کر لیا، تو بگڑ گئیں، خفا ہو گئیں، روٹھ گئیں اس میں!"

" اور پھر صفیہ کو کچھ کہنے کا موقعہ دیئے بغیر وہ بولی، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ انگور کھٹے ہوں؟"

اور پھر زہر خندہ کرتی ہوئی بولی، یہی بات ہے میں سمجھ گئی"؟"

صفیہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا وہ رونے لگی، لیکن زہرہ کو اب بھی اس پر ترس نہ آیا، اس نے بڑی بے رحمی سے ایک، دار کیا کہنے لگی۔

صفیہ مجھے سرنا کام محبت سے ہمدردی ہے، تم سے بھی ہے یقین کرو اگر تم شادی نہ کر چکی ہوتی تو میں محبت کرنے کے باوجود اس سے اظہار محبت نہ کرتی تمہارے حق میں دستبردار ہو جاتی، لیکن اب صورت حال بالکل دوسری ہے تم ایک شوہر کی بیوی ہو، ایک چاند سی بچی کی ماں ہو، اب ان حالات سے تمہیں دستکش ہو جانا چاہیے اور کسی دوسرے کے راستے میں پتھر بن کر حائل نہ ہونا چاہیے۔

شاید زہرہ کی تقریر ابھی جاری رہتی، شاید ابھی وہ کچھ اور کہتی، لیکن صفیہ کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا وہ اٹھی اور اس نے زور سے ایک طمانچہ زہرہ کے گال پر لگایا اور پھر رونے لگی!

یہ حملہ اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ زہرہ سٹ پٹا گئی، وہ سمجھ ہی نہ سکی یہ کیا ہو گیا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ایسا ہو سکتا ہے وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی کہ دروازہ کھلا اور محمود آ گیا۔

(۸)

یہودی

جمال کی حالت روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی تھی بار بار علاج بدلا گیا وید، حکیم، ڈاکٹر سب کی قابلیت آزمائی گئی، مگر۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

صفیہ بھائی کی تیمارداری میں دن رات مصروف رہتی تھی، نہ کھانے کا ہوش نہ سونے کی فکر، نہ آرام کا خیال، نہ یاسمین کی یاد، سب کچھ بھولی ہوئی تھی، صرف ایک فکر تھی۔ بھائی اچھا ہو جائے کسی طرح۔

احسان بھی وقت، کا اکثر حصہ یہیں صرف کرتا تھا، صبح، دوپہر، شام ہر وقت موجود بر خدمت کے لیئے آمادہ جمال کے دل میں اس کے خلاف جو کینہ تھا وہ بالکل دور ہو چکا تھا، اُس کی انسانیت، شرافت اور حسن سلوک سے وہ حد درجہ متاثر تھا۔ نادم تھا کہ اتنے اچھے شخص سے اس نے کیوں بگاڑ کیا، صفیہ کو کیا اس سے اچھا شوہر دنیا میں مل سکتا تھا۔

احسان ابھی ابھی جمال کی مزاج پرسی کے بعد واپس گیا، جمال بستر پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا صفیہ اس کے پاس بیٹھی اخبار پڑھ کر اسے سنا رہی تھی بُمیا ما صفیہ کی ہدایت کے مطابق باورچی خانے میں کام کر رہی، اتنے میں آہٹ ہوئی

جمال اور صفیہ نے بیک وقت نظر اُٹھا کر دیکھا تو محمود سامنے کھڑا تھا۔

محمود کو دیکھ کر جمال کے چہرے پر تکدر کے آثار طاری ہوئے لیکن کوربی ہوئی تھی کسی طرح بھی تکدر اور انقباض طبع کا اظہار نہ کیا۔ محمود خاموشی سے آیا، سامنے پڑی ہوئی کرسی کھسکائی اور بالکل جمال کے مقابل بیٹھ گیا، صفیہ نے اخبار بند کر کے الگ رکھ دیا اور ان دونوں کو چھوڑ کر ہٹ ہی رہی تھی کہ محمود نے جمال سے کہا۔

"ہمارے درمیان حساب فہمی ہو جانی چاہیئے۔"

جمال نے بے پروائی کے ساتھ کہا "ہو جائے گی!"

محمود نے زور دیتے ہوئے کہا "میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا، تم بھی معمولی نہیں ہے!"

جمال نے ذرا ترش انداز میں کہا "رقم کتنی ہی زیادہ ہو ادا کر دی جائے گی۔"

محمود نے پوچھا "لیکن وہ مبارک دن کب آئے گا میرے بھائی؟"

جمال نے چڑ کر کہا "میرے مرنے سے پہلے؟"

محمود نے زیر خندہ کرتے ہوئے کہا "بہت خوب، یعنی آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ زندہ رہیں گے حالانکہ ڈاکٹر حکیم وید سب متفقہ طور پر فیصلہ کر چکے ہیں کہ چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے، آنے والی گھڑی جلد آئے گی اور کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔"

یہ سن کر جمال کا چہرہ سفید پڑ گیا، زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑنے والا شخص بھی تندرست ہو جانا چاہتا ہے، تندرست ہو جانے کی امید رکھتا ہے کسی ایسے شخص کو جب یہ فیصلہ سنا دیا جائے کہ چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے تو جو حالت اس کی ہو سکتی ہے، وہی اس وقت جمال کی ہوئی اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، کیا تم مجھے یہی خوشخبری سنانے آئے تھے؟ میں بھی جانتا ہوں کہ نہیں بچ سکتا، لیکن زندگی کی یہ چند سانسیں بھی تم نہیں چاہتے کہ اطمینان سے لے سکوں؟

محمود نے بے پروائی کے ساتھ کہا "بھئی مجھے تمہارے زندہ رہنے پر

کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر رہ سکتے ہو تو شوق سے زندہ رہو، لیکن اس آس پر میں اپنے لاکھوں روپے نہیں برباد کر سکتا۔

جمال نے اور زیادہ مضطرب ہو کر پوچھا، لاکھوں روپے؟ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟

محمود نے جیب سے ڈائری نکالی، ذرا دیر ورق گردانی کرتا رہا، پھر کہنے لگا، سات لاکھ اکیاسی ہزار روپے تمہارے ذمے ہیں!"

جمال نے پوری قوت سے چیختے ہوئے کہا "تم جھوٹے ہو، فریبی ہو!"

محمود نے ذرا بھی پروا کئے بغیر کہا، تمہاری دستخط شدہ رسیدیں میرے پاس موجود ہیں، چاہو تو کسی ماہر تحریر سے تصدیق کرالو کہ واقعی تمہاری ہیں یا میں نے جعل سازی کی ہے۔

بہر حال یہ رقم تمہیں ادا کرنی پڑے گی، میں تمہارے تندرست ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا مجھے ضرورت ہے!"

جمال نے پوچھا "لیکن اتنی بڑی رقم میں نے کیا کی؟ نہ کوئی جائداد خریدی نہ مکان بنایا، نہ کچھ خریدا، آخر یہ خزانہ قارون کہاں گیا۔

محمود نے کہا "ہر جواری جب ہار جاتا ہے تو اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے، تم نے شراب پی، تم نے عیاشی کی تم نے جوا کھیلا، تم نے ریس کھیل شراب پی اور بے دریغ روپیہ صرف کیا، عیاشی کی اور دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی، جوا کھیلا، بڑی بڑی رقم بدی اور ہمیشہ نہایت ٹھاٹھ سے ہارتے رہے ریس کے میدان میں جب گئے جیب بھر کر گئے اور جیب خالی کر کے واپس آئے۔ ۔ یہ سارا میری جیب سے تمہارے ہاتھوں میں پہنچا!"

جمال اس وقت مدہوش ہو رہا تھا، اس نے جوش و خروش کے عالم میں کہا۔

" تم نے میری زندگی غارت کر دی، مجھے کہیں کا نہ رکھا وہ تم ہو جس نے مجھے شراب کا عادی بنایا، وہ تم ہو جس نے مجھے عیاشی کے راستے پر ڈالا، وہ تم ہو جس نے مجھے جوا سکھایا، تم ہمیشہ جیتتے رہے اور میں ہمیشہ ہارتا رہا۔

محمود نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "یہ بھی میری خطا تھی؟ جس طرح میں

جیتتا رہا کیا تم جیت سکتے تھے ؟ اگر قسمت تمہارے ساتھ ہوتی ؟ جس طرح تم ہارتے رہے کیا میں نہیں ہار سکتا تھا اگر قسمت میرے ساتھ نہ ہوتی ۔ میرے بھائی جوا ہو یا ریس یہ تو بخت و اتفاق کا کھیل ہے ، قسمت تمہارے ساتھ نہیں تھی ، میرے ساتھ تھی ، تم ہارے ، میں جیتا اور عالی ظرف لوگ مردانہ وار شکست کو قبول کرتے ہیں ۔ تمہاری طرح روتے نہیں ۔ پھر کھیلو ممکن ہے روٹھی ہوئی قسمت اب ساتھ دے !"

جمال نے نفرت بھری نظروں سے اسے گھورا اور کہا " مجھے برابر اکرا اور خود جیت جیت کر آٹھ لاکھ روپے کا اپنا مقروض کر لیا ، کیا اب مجھے نیلام کرو گے ؟ بہر حال یہ رقم میں نہیں دے سکتا !"

محمود نے تیوری چڑھا کر پوچھا " کیوں نہیں دے سکتے ؟"

جمال نے جواب دیا " میرے پاس ہے کہاں اتنی دولت ؟"

محمود نے چٹکی لی " پھر قرض کس برتے پر لیا تھا ، حاتمانہ سخاوت اور فیاضی کے ساتھ رسیدیں لکھ لکھ کر روپے کیوں وصول کئے تھے ؟

جمال نے غصہ کے عالم میں جواب دیا " جتنا روپیہ میں نے تم سے لیا وہ سب تمہاری جیب میں واپس چلا گیا تم نے وہ سب جیت لیا ۔؟

محمود نے اطمینان سے ایک نیا سگار سلگایا اور کہا " تو اس سے کیا ہوتا ہے ؟

اگر میں ہار جاتا ، اور تم جیت جاتے تو کیا جیتا ہوا روپیہ واپس کر دیتے ؟ میری دی ہوئی رسیدیں پھاڑ کر پھینک دیتے ؟"

" ہاں میں ایسا ہی کرتا ؟"

" لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا ؟"

" نہ کرو شہد لگا کر چاٹو ، ان رسیدوں کو ۔"

" ان باتوں سے کام نہیں چل سکتا ، تمہیں میرے روپے دینے پڑیں گے ورنہ میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور ایک ایک پائی وصول کروں گا ، پھر نہ کہنا کہ ذلت ہوئی ، ناک کٹی ، آبرو گئی !"

" بے بسی کے ساتھ ، لیکن میرے پاس ہے کیا جو تمہیں دوں ؟"

"بہت کچھ ہے یہ مکان ہے، یہ خانہ باغ ہے، کھیت ہیں شہر کے اندر متعدد عمارتیں ہیں، باغات ہیں، بہت کچھ ہے ۔ سلامتی کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد میرے پاس رہن رکھ دو !"

" رہن رکھ دوں ؟ تمہارے پاس رہن رکھ دوں ؟"

" ہاں "

لیکن ان سب چیزوں کا میں تنہا مالک نہیں ہوں، صفیہ کا بھی تو حصہ ہے!" انہیں اگر بھائی سے سچی محبت ہے تو وہ دستبردار ہو سکتی ہیں اپنے حق سے محبت کی آزمائش کا یہی تو وقت ہے ؟"

صفیہ نے ایک عزم کے ساتھ کہا " میں دستبردار ہوتی ہوں، بھائی جان سب چیزیں اس یہودی صفت آدمی کے پاس رہن رکھ دیجئے، خدا آپ کو اچھا کر دے تو نیا انتظام کر کے چھڑا لیجئے گا !"

جمال نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا کہ محمود نے جیب سے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکالا اور صفیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " تو پھر دستخط کرو اس پر !"

صفیہ اس وقت جوش میں بھری ہوئی تھی، اس نے سرسری نظر کاغذ پر ڈالی اور دستخط کر دیئے،

جمال چیخا " صفیہ ۔

اور پھر وہ بیہوش ہو گیا ۔

9

وہی ایک رٹ

جمال بے ہوش ہوگیا، لیکن بڑے وقت سے، عام طور پر ڈاکٹر ہر روز اسی وقت آیا کرتا تھا، چنانچہ عین وقت پر وہ پہنچ گیا، صفیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب دیکھیے، بھائی جان بیہوش ہو گئے!"

ڈاکٹر آگے بڑھا، اس نے خوب اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا اور کہا کسی فوری تاثر نے یہ حالت کر دی ہے، میں انجکشن لگاتا ہوں، ذرا دیر میں ہوش آجائے گا؟

ڈاکٹر نے انجکشن لگایا اور اطمینان دتسلی دے کر رخصت ہو گیا، صفیہ اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گئی، محمود بھی پیچھے پیچھے پہنچا، صفیہ نے حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی ایک نظر محمود پر ڈالی اور کہا۔

"واقعی بڑے شریف آدمی ہیں۔ دن بدن آپ کے گن اور جوہر کھلتے جا رہے ہیں۔"

محمود نے بڑی معصومیت کے ساتھ پوچھا "میں نے کیا کیا؟"

صفیہ نے جل کر جواب دیا "کیا اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتے تھے؟"

وہ کامل اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ سگار کو دوبارہ سلگاتا ہوا گویا ہوا۔

"کیا اپنا روپیہ مانگنا اصولِ شرافت کے خلاف ہے ؟ اگر ہے تو مجھے اعتراف ہے کہ میں شریف نہیں ہوں !"

وہ برہم لہجہ میں کہنے لگی "تم واقعی شریف نہیں ہو، اول درجے کے کمینے ہو تم یہ بھول گئے کہ جمال کے باپ نے تمہیں نئی زندگی بخشی تھی، جمال کی ماں نے تمہیں ماں کی طرح پالا تھا۔ جمال کے گھر نے تمہیں پناہ دی تھی، سکھ دیا تھا آرام پہنچایا تھا — تم نے اُسے لوٹا ؟ تم نے اس پر ڈاکہ ڈالا ؟ اس کی زندگی سے کھیلتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی ؟"

محمود کے ہونٹوں پر زہر میں بجھا ہوا تبسّم نمودار ہوا، اس نے کہا، ہاں جمال کے باپ نے جمال کی ماں نے جمال کے گھر نے میرے ساتھ جو کچھ کیا مجھے یاد ہے اور جذبہ شکر گزاری کے ساتھ یاد ہے۔

لیکن جمال نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا، جس طرح مجھے ذلیل کیا، جس طرح مجھے گھر سے نکالا، جس طرح مجھے غلام کی طرح رکھا، جس طرح مجھ سے کام لیا یہ سب باتیں بھی یاد ہیں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں، جمال کے ماں اور باپ کو اگر قرض دیتا تو ضرور رعایت کرتا، قطعاً تقاضہ کرتے وقت نہ میرا یہ رویہ ہوتا، نہ یہ لب و لہجہ، لیکن جمال کی بات دوسری ہے، وہ پسرِ نوح ہے۔ وہ شریف باپ کا کمینہ بیٹا ہے وہ نیک ماں کا ذلیل فرزند ہے وہ ظالم ہے، سفاک ہے، متکبر ہے، اسے میں کس طرح معاف کر دوں ؟"

لیکن اگر وہ ایسا ہی ہے جیسے تم کہتے ہو تو اس سے پینگ کیوں بڑھائے تھے؟ اس سے دوستی کیوں کی تھی؟ اس کے یارِ غار کیوں بنے بیٹھے تھے ؟ اس کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بننے پر کیوں تیار ہو گئے تھے ؟ اس کے رفیق، ہمدم، دمساز، غمخوار جاں نثار بننے کے داعی کیوں تھے !"

بڑے سکون اور سادگی کے ساتھ جمال نے کہا "پھر انتقام لینے کی تدبیر اور کیا تھی ؟"

" صفیہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی، تم انتقام لے رہے ہو؟"

محمود نے بغیر کسی جھجک اور تامل کے جواب دیا" پھر اور کیا کر رہا ہوں؟"

صفیہ نے کہا، اچھا مان لیا، انتقام لے رہے ہو، لیکن میرا خیال تو کیا ہوتا؟
محمود کی تیوریاں چڑھ گئیں "تمہارا خیال کیا ہوتا؟ تم کون ہو؟ — کیا تم جمال کی بہن نہیں ہو؟"

"ہاں میں جمال کی بہن ہوں، لیکن کچھ اور بھی ہوں!"

"نہیں تم صرف جمال کی بہن ہو —— کیا تم نے میری زندگی نہیں غارت کر دی؟
کیا تم نے میرا سکون نہیں لوٹ لیا! کیا تم نے مجھے دھوکا نہیں دیا! —
اور کیا اب بھی تم میرے راستے میں کانٹے نہیں بو رہی ہو؟"

صفیہ نے سوال کیا "کون سے کانٹے بچھا دیئے ہیں، میں نے تمہارے راستے میں؟"

محمود نے بتایا "کیا زہرہ کو تم میرے خلاف نہیں بھڑکا رہی ہو؟ جس سے میں محبت کرتا ہوں —

"تم جھوٹے ہو، ہرگز اس سے محبت نہیں کرتے اگر واقعی کرتے ہوتے تو میں زہرہ کا ساتھ دیتی!"

کرتا ہوں یا نہیں کرتا، لیکن وہ مجھ سے محبت کرتی ہے وہ میری محبت پر یقین رکھتی ہے تمہیں کیا حق ہے کہ اسے بھڑکاؤ؟"

"اس لئے کہ میں اس کی دوست ہوں، اسے غارت ہوتے نہیں دیکھ سکتی!"

تمہیں سب کچھ دیکھنا پڑے گا۔ تمہیں جمال کو مرتے دیکھنا پڑے گا

تمہیں زہرہ کی زندگی غارت ہوتے دیکھنا پڑے گی، تم احسان بررو ڈگی تمہیں خود اپنی زندگی کے لالے پڑ جائیں گے؛ یہ سب کچھ محمود کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے — تم نے زہرہ کو اتنا بھڑکایا، اکسایا، لیکن ہوا کیا! کیا وہ تمہاری باتوں میں آگئی؟ وہ تم سے نفرت کرتی ہے اور میرا کلمہ پڑھتی ہے، وہ تمہارے ساتھ جنت میں بھی جانے کو تیار نہیں اور میرے ساتھ جہنم میں بھی آنکھ بند کر کے چلی جائے گی اس ناکامی پر مجھے ہمدردی ہے تم سے؟"

محمود کی یہ باتیں سن کر صفیہ سہم گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ محمود سچ کہہ رہا ہے اس نے واقعی زہرہ کو اس طرح پرچا لیا ہے کہ اب وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو گی، اس نے اپنی طرف سے جمال کو مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے یہ نہ جانے کیا کر ڈالے۔

اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا "لیکن اب کیوں اتنے خفا ہو، زہرہ کو تم نے جیت لیا ہے، بھائی جان پر جو روپیہ تم نے بے ایمانی اور دغابازی سے چڑھا لیا تھا وہ گویا وصول کر لیا، پھر یہ جھگڑا کیوں؟ کس لئے؟

محمود نے جواب دیا، جھگڑا تو اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک تم احسان کو نہیں چھوڑ دیتیں، جب تک یاسمین کو اس گھر میں پھینک کر میرے ساتھ چلنے کے لئے نہیں نکل کھڑی ہوتیں، جب تک تم ماضی کو گزرے ہوئے زمانے کو کھینچ کر واپس لا کر ایک مرتبہ پھر نہیں حال بنا دیتیں — اگر یہ کر سکتی ہو تو ابھی صلح ہو سکتی ہے اور نہیں کر سکتیں تو پھر لڑائی ہے!"

پہلو بدلتے ہوئے، ہراسانی اور پریشانی کے عالم میں وہ بولی، کتنے عجیب آدمی ہو تم؟" ایک طرف میرا خیال بھی ہے، دوسری طرف زہرہ سے بھی محبت کئے جا رہے ہو؟

ایک طرف مجھے ترغیب دے رہے ہو — کیا تمہارے ساتھ نکل چلوں، دوسری طرف زہرہ کو جیت لینے پر فخر کر رہے ہو — کیا تمہارے سینے میں دو دل ہیں؟ کیا تم ایک وقت میں —

محمود ہنسنے لگا، اس نے کہا، نہیں میرے سینے میں ایک ہی دل ہے اور وہ تمہی کو چاہتا ہے — تم کو، صرف تم کو؟"

صفیہ نے سوال کیا" اور زہرہ؟ کیا اس سے محبت نہیں کرتے تم؟"

" بالکل نہیں! تم اگر میرا ساتھ دو، میری بن جاؤ، تو میں زہرہ کو اس طرح ٹھکرا دوں گا، جیسے راستے کا پتھر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

خدا کے لئے رحم کرو، تم آدمی نہیں درندے ہو یہ زہرہ کے لئے کہہ رہے ہو، اسے ٹھکرا دو گے؟ زہرہ کو؟ جس دل میں اپنی محبت پیدا کر چکے ہو؟ جو

واقعی تمہیں دل وجان سے چاہنے لگی ہے، اس کی چاہت، اس کی محبت دیکھ کر میرا دل کڑھنے لگتا ہے، ترس آتا ہے مجھے اس پر محمود، وہ بڑی نیک، بڑی بھولی لڑکی ہے، اس کے دل میں محبت کی آگ لگا کر کیا مل گیا تمہیں؟ وہ مر جائے گی، اگر اسے شبہ بھی ہو گیا کہ تم اس سے محبت نہیں کرتے؟"

"نہیں — جب تک اس سے میری شادی نہیں ہو جاتی، اس طرح کا شبہ ہرگز نہیں پیدا ہونے دوں گا؟"

"(تڑپ کر) ہائے یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ ظالم یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"

(مسکراتے ہوئے) کیا تم نے نہیں سنا؟ میں کہہ رہا ہوں کہ جب تک وہ میری بیوی نہیں بن جاتی، اس وقت اسے ہرگز شبہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس سے محبت نہیں کرتا ہوں۔

"اور شادی کے بعد —؟"

اور شادی کے بعد اسے یقین ہو جائے گا کہ میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ — احسان کی بہن سے میں محبت کر سکتا ہوں؟ صفیہ کی نند میری محبت جیت سکتی ہے؟ تم زہرہ کو بھولی بھالی اور سیدھی سادی کہتی ہو، میرا تمہارے متعلق یہی خیال ہے، ایسی باتیں کسی سمجھدار آدمی کے منہ سے تو نہیں نکل سکتیں؟"

"(دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر) یا اللہ کس جرم کی مجھے سزا مل رہی ہے؟ کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا تھا، جس کی سزا مجھے دی جا رہی ہے؟ میں نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا —

"یہ میرے دل سے پوچھو!"

تو ذلیل اور کمینہ ہے ہٹ جا میرے پاس سے دور ہو جا میری نظروں کے سامنے سے!"

"یہ گھر میرے پاس رہن ہے، چاہوں تو میں نکال سکتا ہوں تمہیں یہاں سے زیادہ بک بک کرو گی، تو جمال کو اسی حالت میں چلتا کر دوں گا اس گھر سے۔ جب تک میری رقم نہیں ادا ہو جاتی، یہ گھر میرا ہے، یہاں کے نوکر میرے نوکر ہیں یہاں کی ہر چیز میری ہے۔ تم مجھے میرے گھر سے نکال رہی ہو، کچھ دماغ چل

گیا ہے تمہارا !"

" محمود آدمی بنو، خدا کے لئے آدمی بنو تم میں یہ زندگی کہاں سے آگئی ہے؟"

" اس کا سرچشمہ تمہاری ذات ہے ؟"

" نہیں تم ہمیشہ سے ایسے ہی ہو ؟"

" ہاں میں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوں۔ لیکن تم نے میرا یہ رنگ اور زیادہ چوکھا کر دیا ہے !"

(۱۰)

شیطان

صفیہ اور محمود میں اس طرح گرما گرم باتیں ہورہی تھیں کہ زہرہ آگئی، جب سے صفیہ کی شادی احسان سے ہوئی تھی، آج پہلی مرتبہ زہرہ نے اس گھر میں قدم رکھا تھا، اسے دیکھتے ہی محمود نے بڑے تپاک اور گرمجوشی سے کہا ۔

" آؤ زہرہ آؤ، ابھی ہم تمہی کو یاد کر رہے تھے !"

زہرہ مسکراتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی ۔

کیوں جھوٹ بولتے ہو — یاد میں کررہی تھی کہ ضبط نہ کرسکی، چلی آئی یہاں اگر تم یاد کر رہے ہوتے تو یہاں کے بجائے وہاں نظر آتے ؟

محمود ہنسنے لگا ، بھئی تمہاری حاضر جوابی ہمیشہ لاجواب کر دیتی ہے مجھے ۔ ذرا ہاتھ تو بڑھانا اس طرف ؟

زہرہ نے اپنا دست نازک محمود کی طرف بڑھا دیا وہ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر تکنے لگا ، جب ایک منٹ کے قریب گزر گیا، تو اس نے جھٹک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور مسکراتی ہوئی بولی ۔

" واہ یہ کیا ہو رہا ہے ؟!"

محمود نے ایک آہ سرد بھر کر کہا " تم نہیں جان سکتیں، جان ہی نہیں سکتیں یہ باتیں صرف محبت کرنے والے دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ شاعر محبوب کے ہاتھ کو دست نازک، دست رنگیں اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، لیکن تمہارا ہاتھ دیکھ لیں تو بے ساختہ پکار اٹھیں ـــ

" رہنے دیجیے، میں نہیں سنتی ایسی خوشامدانہ باتیں!"

" یہ انگوٹھی جو آج تم نے پہنی ہے بہت اچھی لگتی ہے میں اسی کو دیکھ رہا تھا ۔"

" یہ آپ ہی کی دی ہوئی تو ہے ۔"

" اس سے کیا ہوتا ہے ـــ کسی اور کے ہاتھ پر یہ اس طرح زیب نہیں دے سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جوہری نے صرف تمہارے لئے بنائی ہے یہ!"

" (ان باتوں سے تنگ آکر) آپ نے تو نہ جانے کیسی باتیں چھیڑ دیں ـــ اٹھئے گا، یا نہیں؟ کچھ یاد ہے کہاں جانا ہے ہمیں؟"

" کیوں نہیں یاد ہے، شہر چلیں گے، سینما دیکھیں گے، شاپنگ کریں گے سیر کریں گے؟"

" تو کب؟ جب رات ہو جائے گی؟"

" ابھی ـــ آؤ!"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور محمود اس کے ساتھ چلا گیا، جتنی دیر زہرہ یہاں بیٹھی بات کرنا تو درکنار، اس نے صفیہ کو دیکھا تک نہیں، جیسے وہ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی،

وہ چلی گئی اور جیسے ہی وہ گئی، چمپا آ گئی، اس نے کہا۔

" اب تو بڑا یارانہ ہو رہا ہے، اتنے گھلے ملے جا رہے ہیں، جیسے نہ جانے کب کے دوست ہوں دونوں ۔"

صفیہ نے کہا ہو گا، ہمیں کیا!

" چمپا نے بتایا، جمال نے بلایا ہے تمہیں؟"

صفیہ فوراً بھائی کے پاس پہنچی، وہ ہوش میں آ چکا تھا، لیکن حد درجہ نڈھال

تھا، صفیہ نے پوچھا "بھائی جان کیا آپ نے مجھے بلایا تھا ؟"

جمال نے کمزور اور نحیف آواز میں کہا "ہاں ۔ بیٹھ جاؤ !" وہ بیٹھ گئی جمال نے سوال کیا "یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا ؟ کیوں تم نے اس کاغذ پر دستخط کر دئے، کیوں تم اپنے حق سے دستبردار ہو گئیں ؟ !"

صفیہ نے جواب دیا، "دنیا کی کوئی چیز بھی آپ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے ؟"

ایک ٹھنڈی سانس لے کر جمال نے کہا، لیکن خود میری قیمت کیا ہے میں جانتا ہوں اچھی طرح !

وہ بولی "بھائی جان ایسی باتیں نہ کیجئے، ڈاکٹر نے بڑی سختی سے ہدایت کی ہے کہ نہ آپ جوش میں آئیں، نہ غصہ کریں نہ فکر لیکن آپ نہ غصہ سے باز آتے ہیں نہ فکر سے ! — آپ کو خدا سلامت رکھے۔ میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے۔ روپیہ، جائداد، املاک، مکان، باغ، یہ سب چیز آنی جانی ہیں ؟"

آنی جانی نہ ہوتیں تو میرے ہاتھ سے محمود کے ہاتھ میں کیسے پہنچ جاتیں !"

"پھر وہی محمود کا ذکر — چھوڑیئے اس قصے کو ؟"

"اس قصے کو کیسے چھوڑ دوں صفیہ ؟ — تم نہیں جانتیں، محمود نے میرے ساتھ کیا کیا ہے ؟"

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں، یہ آپ کی غلطی تھی کہ آپ نے اس پر اعتماد کیا، اسے دوست بنایا ؟"

ہاں یہ میری غلطی تھی، لیکن جس عاجزی، فروتنی، وفاداری اور جوش محبت کے ساتھ اس نے اپنی دولت میرے اوپر لٹانی شروع کر دی تھی میرے منع کرنے کے باوجود میرے روکنے کے باوجود، اسے دیکھ کر شیطان بھی دھوکہ کھا جاتا۔ میں تو پھر انسان ہوں ۔"

"خیر جو ہونا تھا ہو گیا، اب ان باتوں کے اعادے سے کیا حاصل ؟ آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے !"

"لیکن میرے پاس سیکھنے کے لئے باقی کیا رہا، سب کچھ تو محمود نے

چھین لیا ؟"

" آخر آپ بار بار محمود ہی کی کہانی لے کر کیوں بیٹھ جاتے ہیں ؟ — وہ کچھ خدا تو نہیں ہے ؟ جو کچھ گیا، آپ کا صدقہ گیا۔ مجھے اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہے ؟"

" لیکن مجھے ہے ؟"

" کیوں ہے بھائی جان ؟"

" اس لئے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں، مجھے خود اپنے آپ سے نفرت ہے ہما کے بہکاوے میں آکر، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور اب آخری سلوک یہ کیا کہ جو کچھ از روئے شرع وقانون تمہارا تھا، وہ تم سے چھین لیا، یہ ایسا داغ ہے، جو زندگی بھر تازہ رہے گا یہ ایسا زخم ہے جو ہمیشہ ہرا رہے گا !"

" بھائی جان سوچئے تو سہی، مجھے اس جائداد کی ضرورت بھی کیا تھی ؟ — اگر محمود نے یہ ہنگامہ نہ کھڑا کر دیا ہوتا، تو بھی اس سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی، یہ آپ ہی کی چیز تھی، آپ ہی کے کام آئی ؟"

" ذرا اسے بلاؤ، میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں !"

" وہ نہیں ہے، لیکن کیا باتیں کرنا چاہتے ہیں آپ اس سے ؟ آپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ڈاکٹر کی سخت تاکید ہے —

" ڈاکٹر کو چھوڑو، مجھے اس سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنی ہیں !"

" اس وقت، تو وہ کہیں باہر گیا ہے، جب آئے گا بھیج دوں گی، آپ کے پاس !"

" اس نے مجھ سے فریب کیا ہے، ہمیشہ چوگنی رقم کی رسید لکھائی — کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اصل رقم کا مطالبہ کرے، میں آدھی جائداد فروخت کر دوں گا، اور اس کی ایک ایک پائی ادا کر دوں گا۔"

بات کھونے سے کیا حاصل ؟ وہ ہرگز نہیں مانے گا ! کسی قیمت پر بھی اپنے مطالبے میں تخفیف نہیں کرے گا، بھائی جان وہ آدمی نہیں شیطان ہے !"

زخم دل

آہ کی ہے صدا نہ ماتم کی
کیا طبیعت بدل گئی غم کی

•

مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجیے گا آپ
لیکن ہمیں نہ ہوں گے تو کیا کیجیے گا آپ
ہوتا ہے ایک دن جنھیں مشہورِ خاص و عام
کس دل سے وہ فسانے سنا کیجیے گا آپ
آنکھوں کی نیند، دل کی خلش کا نہیں علاج
بستر سے آہ کر کے اٹھا کیجیے گا آپ
رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط
کیا جانے اس جنون میں کیا کیجیے گا آپ!

•

(۱)

رت بدلتی ہے

جمال مرگیا۔ کچھ تو بیماری جان لیوا تھی، کچھ محمود کے طرزِ عمل نے اس کے لیے زندگی کو بے کیف اور بے لذت بنا دیا۔ صفیہ نے تیمارداری میں اپنی جان ہلکان کردی، دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا، لیکن اسے موت کے پنجہ سے نہ چھین سکی۔

زہرہ اب باقاعدہ صفیہ کی دشمن اور مخالف بن چکی تھی، وہ جتنا اس کے سامنے جھکتی گئی، سر جھکاتی گئی، خوشامد اور منت کرتی گئی، وہ اتنا ہی اس سے اکڑتی گئی، نفرت کرتی گئی، اس کی توہین و تذلیل کرتی گئی، اس نے التجا کی اصرار کیا، اپیل کی کہ محمود کے فریب میں نہ آؤ، اس کی باتوں پر اعتبار نہ کرو، اس کے دکھائے گئے سبز باغ سے آس نہ لگاؤ، لیکن وہ حقارت کے ساتھ ہر بات کو ٹھکراتی گئی۔

اس کے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ صفیہ نے محمود کو نہیں، بلکہ محمود نے صفیہ کو ٹھکرادیا ہے۔ اسے یقین کامل تھا کہ صفیہ اس لئے اس کے اور محمود کے مابین حائل رہی ہے کہ اپنے جذبۂ رشک کو تسکین دے سکے، محمود اسے نہیں

ملا اور اب وہ چاہتی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی محمود کو حاصل نہ کر سکے پہلے وہ صفیہ کے خلوص، اخلاق بلند اور شرافت کا کلمہ پڑھتی تھی، اب اس کی نظر میں صفیہ کی اہمیت صرف یہ تھی کہ ایک ننگ خاندان عورت ہے جس نے اپنی بری کا محمود کو شکار بنانا چاہا اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس کے خلاف افواہیں پھیلانے لگی، اس کے بارے میں جھوٹی باتیں مشہور کرنے لگی، اس کی اچھائیوں کو برا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے لگی اور اس کے نیک شریف اور سادہ لوح بھائی احسان کو دام فریب میں جکڑ لیا، اس کی زندگی غارت کر دی، پہلے وہ یاسمین کو حد سے زیادہ چاہتی تھی، شاید دنیا میں سب سے زیادہ لیکن اب یاسمین اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اس کی صورت دیکھ کر نفرت اور بیزاری سے منہ پھیر لیتی تھی پہلے وہ اس کی ہر بات مان لیتی تھی اس کی خواہشات اور جذبات کا احترام کرتی تھی، اس کی عزت وتوقیر میں سب سے آگے رہتی تھی، پھر یہ حالت ہو گئی کہ اسے ذلیل کرنے میں، اس کی توہین کرنے میں اسے لطف آنے لگا جیسے جو عزت اور رتبہ اس نے حاصل کر لیا تھا، درحقیقت اس کی سزاوار اور مستحق نہ تھی اور پھر ایک روز وہ محمود کی دلہن بن گئی- دونوں باقاعدہ رشتۂ نکاح میں منسلک ہو گئے، احسان اس رشتے سے خوش نہ تھا، لیکن اس اقدام سے زہرہ کو روک بھی نہ سکا، اگرچہ صفیہ نے بے حد اصرار کیا، اس نے صاف صاف اپنی معذوری کا اظہار کر دیا اس نے کہا۔

صفیہ میں اسے نہیں روک سکتا، میں نے چاہا تھا کہ وہ ایسا نہ کرے میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کی یہ روش میرے لئے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہے جانتی ہو اس نے مجھے کیا جواب دیا؟

صفیہ کوشش کے باوجود پوچھ نہ سکی ٹکٹکی اس کی طرف دیکھتی رہی، اس نے کہا۔

اس نے مجھے جواب دیا، بھائی جان بہتر یہ ہے کہ میری زبان نہ کھلوایئے میں خاموش رہنا چاہتی، مجھے بولنے پر مجبور نہ کیجئے۔ کیا اس گھر میں ایک ایسی

عورت موجود نہیں ہے جو اپنے بھائی سے بغاوت کر کے ایک غیر مرد کے گھر میں راتوں رات آئی، اور صبح ہوتے ہی اپنے پسندیدہ آدمی سے شادی رچا بیٹھی اس کے بھائی کو بھی شاید اتنی تکلیف ہوئی ہوگی، جتنی آپ کو ہو رہی ہے لیکن جس طرح اس کے بھائی نے دکھ کو جھیل لیا تھا، آپ کو بھی جھیل لینا چاہیے محبت نہ مشورے کی پابند ہو سکتی ہے، نہ حکم کی، محمود مجھے چاہتا ہے میں اُسے چاہتی ہوں، ہم دونوں ایک ہیں اور ایک رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔ اس گھر میں، اس گھر سے باہر، تھانے میں، حوالات میں عدالت کے کٹہرے میں، ہر جگہ میں اس حقیقت کا اعتراف کروں گی کہ محمود سے محبت ہے لہٰذا اگر آپ نہیں چاہتے کہ بات بڑھے تو میرے اور محمود کے راستے میں نہ آیئے غور کرو صفیہ ان الفاظ میں کیسی زبردست دھمکی ہے؟ کیسی خودسری ہے؟ کیسا طوفان ہے؟ وہ عاقل اور بالغ ہے، میں اس کو نہیں روک سکتا، تم بھی اس پر اصرار نہ کرو۔ ہاں ایک بات میں کر سکتا ہوں اور وہ ضرور کروں گا!"

صفیہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا " وہ کون سی بات ہے جو آپ ضرور کریں گے؟

احسان نے جواب دیا " میرا اور زہرہ کا رشتہ اس دن منقطع ہو جائے گا جس روز وہ محمود سے شادی کرے گی، پھر وہ اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ اور میں نے اس فیصلہ سے اُسے آگاہ بھی کر دیا ہے؟"

صفیہ نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا

" پھر کیا کہا اس نے؟ آپ کا یہ فیصلہ سن کر کیا جواب دیا اس نے؟"

احسان نے مغموم اور افسردہ، لیکن خشمگیں لہجہ میں کہا۔

" اس نے جواب دیا " ہم دونوں یعنی زہرہ اور محمود یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ یہاں نہیں رہیں گے!" سنا فیصلہ تم نے؟ زہرہ نے مجھ سے یہ کہا وہ اب اس منزل تک پہنچ چکی ہے مجھے حیرت ہے کہ یہ الفاظ میں کس طرح سن سکا؟ ۔

یہ کہتے کہتے احسان کی آنکھیں فرطِ جذبات سے آنسوؤں ہو گئیں اور وہ خاموش ہو گیا، صفیہ رونے لگی، اس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا " ایسا نہ کیجئے، اپنا یہ فیصلہ واپس لے لیجئے، اصرار کیجئے کہ وہ یہیں رہے، یہ گھر اس کا بھی ہے؟"

"نہیں — میں یہ نہیں کروں گا؟" احسان نے کہا اور خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔

دوسرے دن محمود اور زہرہ کی شادی ہو گئی، رسم نکاح نہایت سادگی سے انجام پائی، صفیہ کے بے انتہا اصرار کے باوجود احسان نے شرکت نہیں کی لیکن اس کی عدم شرکت کا کوئی اثر نہ محمود پر تھا نہ زہرہ پر!

اور شادی کے بعد سامان بندھنے لگا!

زہرہ اپنے نئے گھر میں جس کا بندوبست محمود نے پہلے سے کر رکھا تھا جانے کی تیاریاں کرنے لگی،

چمپا نے آکر جب اسے یہ خبر دی کہ زہرہ جا رہی ہے تو گو اسے بخار چڑھا ہوا تھا مگر گرتی پڑتی وہ اس کمرے میں پہنچی، زہرہ نے بہترین اور گراں بہا قسم کے سامان منقولہ پر قبضہ کر لیا تھا سونے اور چاندی کے برتن، وہ تمام قیمتی زیورات جو خود اس کے لئے اور اپنی بیوی کے لئے احسان نے بنوائے تھے، زربفت ریشم، کمخواب کے وہ تمام پارچہ جات جو اس گھر کا بہترین سرمایہ تھے، اعلیٰ قسم کا فرنیچر، جھاڑ، فانوس، برتن، ان سب چیزوں کا ایک اژدہام لگا ہوا تھا سامان کا بڑا حصہ پیک ہو چکا تھا، کچھ پیک ہو رہا تھا اور وہ بڑے انہماک و اہتمام کے ساتھ یہ کام اپنی نگرانی میں انجام دلوا رہی تھی، صفیہ کو آتا دیکھ کر وہ چونکی، پھر اس نے تیوری چڑھائی اور ترش لہجے میں سوال کیا۔

"آپ کے یہاں آنے کا مطلب؟"

اور قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب صفیہ دے سکے خود ہی بول اٹھی "شاید آپ یہ دیکھنے آئی ہے کہ میں کیا لئے جا رہی ہوں، محترمہ صفیہ بیگم! میں ڈاکو یا قزاق نہیں ہوں، قلم، دوات، کاغذ لائیے اور فہرست لکھ لیجئے اور اسے شہد میں لگا کر چاٹیے، کیونکہ آپ یا آپ کے شوہر ذی وقار احسان صاحب اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اس میں سے کچھ لے سکیں۔ یہ ساری چیزیں میری ہیں۔

صفیہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"زہرہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیوں اتنی بدل گئی ہو تم؟ ایسے پیچ خیالات کب

سے آنے لگے ہیں تمہارے دل ہیں ؟ کیا میں نہیں جانتی کہ یہ گھر تمہارا ہے ؟ یہاں کی چیزیں تمہاری ہیں، جو کچھ لینے جا رہی ہو تمہارا ہے اور جو کچھ یہاں چھوڑے جا رہی ہو وہ بھی تمہارا ہے ؟" مجھے اتنا ذلیل نہ سمجھو، کم از کم میری نظر میں تو مجھے اتنا ذلیل نہ کرو ! —

زہر خندہ کرتی ہوئی زہرہ یہ سب باتیں سنتی رہی، پھر اکتائے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

" اچھا اچھا، یہ عزت اور ذلت کا سوال چھوڑ کے، پھر بتایئے کیسے تشریف لانا ہوا اس وقت ؟ — کیا آپ مجھے زندگی کے اس نئے دور پر مبارکباد دینے آئی ہیں ؟"

صفیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "کاش میں تمہیں مبارکباد دے سکتی ہمدردی کرنے آئی ہوں، لیکن جس منزل پر تم پہنچ چکی ہو، وہاں نہ مبارکباد کی حاجت ہے نہ ہمدردی کام آسکتی ہے، بہر حال میری دعا ہے کہ خدا تمہیں خوش رکھے ساری زندگی ہنستے کھیلتے گزار دو —

زہرہ کے زہر خند کا سلسلہ جاری تھا، کہنے لگی "شکریہ اس خواہش کا اس عنایت کا — کیا محض یہی دعائیں دینے تشریف لائی تھیں آپ ؟

صفیہ نے جواب دیا "ہاں، دعائیں دینے بھی اور کچھ کہنے بھی !"

زہرہ ہنسنے لگی "کچھ کہنے بھی ؟ — شاید آپ اپنے شوہر کی ترجمان بن کر تشریف لائی ہیں، کہنا یہ ہوگا کہ میں جلد از جلد اس گھر کو خالی کروں ؟ میرا جواب یہ ہے کہ اس گھر کو بے شک خالی کر رہی ہوں، لیکن اس لئے نہیں کہ آپ کی یہ مرضی ہے، یا آپ کے شوہر کا یہ حکم ہے، صرف اس لئے کہ خود میرا اور میرے شوہر کا یہ فیصلہ ہے —

صفیہ نے اور زیادہ نرم لہجے میں کہا" زہرہ تم تو ہوا سے لڑتی ہو، ممکن ہے احسان نے اس طرح کی کوئی بات غصے میں کہہ دی ہو، بڑوں کی اس طرح گرفت نہیں کی جاتی، رہا میرا معاملہ میں تو تمہیں روکنے آئی ہوں !"

زہرہ ہنسنے لگی" روکنے ؟ یعنی یہ کہنے کہ میں یہیں رہوں ؟ اس گھر میں ؟"

صفیہ نے جواب دیا" ہاں میری بہن زہرہ، صرف یہی کہنے آئی ہوں کیا میری یہ التجا قبول کر لو گی ؟ کیا لاج رکھ لو گی میری بات کی ؟"

ذرا کے ذرا زہرہ کا رنگ رُخ بدلا اور پھر وہ اپنے اصل رنگ پر آگئی تب اس نے کہا۔

" میں نہیں جانتی ان میٹھے الفاظ میں کون سا فریب پنہاں ہے ؟ کیا چال ہے اس لگاوٹ میں ؟ بہر حال اس سازش کا بھی شکریہ قبول فرمایئے۔ باقی رہا یہاں رہنے کا سوال تو یہ بات خارج از بحث ہے بھائی جان نے آج کی تقریب میں شرکت نہ کر کے محمود کی سخت توہین کی ہے اور میں اس جرم کو ہرگز معاف نہیں کر سکتی !"

صفیہ نے زہرہ کے منہ پر رکھ دیا اور پیار بھرے انداز میں کہا۔

" توبہ کرو، زہرہ تم احسان کو نہیں معاف کر سکتیں، احسان کو ؟ جو تمہارے باپ کی جگہ ہے ؟ جس نے ماں کی طرح پالا ہے ؟ جو تمہیں اپنی لڑکی سے زیادہ چاہتا ہے ؟" — اگر محمود کی محبت نے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے تو میں کچھ نہیں کہتی خدا تمہیں یہ مبارک کرے، لیکن کیا تمہاری محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنے بھائی کو چھوڑ دو ! ؟"

وہ بولی " ماں، باپ، بھائی، بہن، یہ سارے رشتے اس وقت تک ہیں جب تک دونوں طرف سے ان کا احترام ہو، میں انہیں بھائی سمجھتی رہوں، وہ مجھے اور میرے شوہر کو ذلیل کرتے رہیں، کم از کم میرے لیے تو یہ بات ناقابل برداشت ہے !"

" صفیہ نے بے بسی کے ساتھ پوچھا " تو کیا واقعی چلی جاؤ گی !"

زہرہ نے بندھے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کر کے کہا " تو کیا یہ سب کچھ مذاق ہے ؟"

صفیہ خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، محمود صاحب تشریف فرما ہیں، سگار منہ میں دبا ہے اور نہایت اطمینان سے دھواں اڑا رہے ہیں، محمود کو کمرے کے اندر دیکھ کر وہ سٹ پٹا گئی نہ

جائے رفتن نہ پائے ماندن، لیکن چار و ناچار اندر داخل ہوئی، محمود نے بغیر کسی تمہید کے کہا ۔

"میں بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں!"

وہ بولی "مجھے ۔ تو کوئی اطلاع نہ تھی!"

وہ کہنے لگا "اپنی رفیقۂ حیات زہرہ کے ساتھ نئے گھر میں جانے سے پہلے جی چاہا کہ تم سے بھی مل لوں ۔"

"شکریہ!"

"صفیہ اب بھی اگر "ہاں" کہہ دو، تو سب کچھ ہو سکتا ہے!" ہر ناممکن کو ممکن کر کے دکھا سکتا ہوں؟"

"(کانپ کر) یہ لفظ میرے منہ سے کبھی نہیں نکل سکتا. ہرگز نہیں، کسی قیمت پر نہیں ۔ لیکن بہ فرضِ محال اگر نکل جائے تو کیا کریں گے آپ؟"

جو کچھ کر چکا ہوں اس پر پانی پھیر دوں گا!"

"یعنی ۔ ؟" کیا کریں گے آپ؟"

زہرہ کو طلاق دے دوں گا؟"

"(لرزتے ہوئے) خدا کے لئے" ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالئے خدا کے لئے ایک معصوم پر رحم کیجئے، آہ وہ نادان کتنی محبت کرتی ہے آپ سے (غصہ میں) محمود وہ الھڑ لڑکی ہزار جان سے تم پر فدا ہے اور تم پر فدا ہے اور تم اس طرح، اس کی محبت کا مذاق اڑا رہے ہو؟ اس نے تمہارے لئے گھر چھوڑا، بھائی کو دھتا بتائی، بھائی سے ناطہ توڑا ساری دنیا میں بدنام ہوئی اور تم بغیر کسی خطا کے اسے طلاق دو گے؟ اس سے منہ موڑ لو گے؟ اسے کہیں کا نہ رکھو گے؟ تم آدمی ہو یا شیطان؟

"(ہنستے ہوئے) میں سب کچھ ہوں، آدمی بھی، شیطان بھی درندہ بھی لیکن سوال یہ نہیں کہ میں کیا ہوں؟ سوال صرف یہ ہے کہ تم کیا کر سکتی ہو میرے لئے؟"

"کچھ نہیں؟ ۔ جی چاہتا ہے ابھی جا کر زہرہ سے تمہاری یہ باتیں

دوہرا دوں !"

ضرور جاؤ، شوق سے جاؤ، لیکن یقین کرو، وہ تمہیں جھوٹا سمجھ کر دھتکار دے گی۔ وہ تمہاری ایک کا بھی یقین نہیں کرے گی، میرے خلاف اگر فرشتے بھی گواہی دیں تو بھی نہیں ماننے کی، اس سے میرے خلاف کہو گی تو خود ذلیل ہوگی، اگر ذلیل ہونے کو جی چاہتا ہے تو شوق سے جاؤ۔!"

" لیکن محمود، تم اتنے کمینے ہو ؟"

" تمہاری عنایت ہے یہ بھی !"

" تم محبت کی قدر کرنا نہیں جانتے، تم محبت کو ٹھکرا سکتے ہو اسے قبول نہیں کرسکتے، تم نے میری محبت ٹھکرائی اور اب زہرہ کی محبت ٹھکرا رہے ہو آخر کیا مل جاتا ہے ان باتوں سے تمہیں ۔ ؟"

" جھوٹ نہ بولو صفیہ ! میں نے تمہیں ٹھکرا دیا ہوتا تو اب تک تعاقب کیوں جاری رکھتا، میں تو اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں، وہ تم ہو جو میری محبت کو ٹھکرا رہی ہو،

رہی زہرہ تو میں نے اس سے محبت ہی کب کی ؟ یہ گناہ تو شاید ایک لمحہ کے لئے بھی مجھ سے کبھی سرزد نہیں ہوا !"

کیا تم نے اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج نہیں ڈالا ؟ کیا تم نے اسے محبت کرنا نہیں سکھایا ؟ کیا تم نے اسے اپنے سے محبت کرنے پر آمادہ نہیں کیا ؟ کیا تم نے اس سے اظہار محبت نہیں کیا، کیا تم نے اسے اپنی محبت کا یقین نہیں دلایا ؟"

" ہاں یہ سب کچھ کیا میں نے اور جب تک مناسب سمجھوں گا کرتا رہوں گا !"

کیا یہ فریب نہیں ہے ؟ دھوکا نہیں ہے !"

ہے ۔ لیکن یہی تو انسان کا ہنر ہے، گائے، بھینس، بکری، گھوڑا ہاتھی، گدھا، کتا، یہ سب بڑے وفادار ہوتے ہیں، یہ سب نہیں جانتے فریب کس طرح دیا جاتا ہے ؟ دھوکا کیسا ہوتا ہے ؟ کیا تم مجھے جانور جانتی

چاہتی ہو؟ کم از کم میں تو اس تنزل کے لئے تیار نہیں ہوں، میں انسان ہوں دماغ رکھتا ہوں اور میرا دماغ اتنا نہیں ہے کہ اس میں صرف چند چیزیں آ سکیں وہ تو ایک دنیا ہے اور اس میں ہر چیز موجود ہے دفا بھی ہے، بے وفائی بھی ہے، سچائی بھی ہے اور فریب بھی ہے ۔۔۔۔۔۔، دوستی بھی ہے اور دشمنی بھی اور جیسا موقع دیکھتا ہوں، ویسا کرتا ہوں -!

" تم بڑے ذلیل ہو -"

ممکن ہے کچھ عرصے بعد یہی الفاظ مجھے زہرہ کی زبان سے بھی سننا پڑیں، لیکن میں جو کچھ آج ہوں وہی اس وقت بھی رہوں گا اور جو کچھ اس وقت رہوں گا، وہی آج بھی ہوں!"

" تم میرے بھائی کے قاتل ہو؟"

نہیں - وہ خود اپنا قاتل تھا!"

" تم نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے!"

" یہ الفاظ میرے منہ سے نکلنے چاہئیں تھے!"

" جاؤ چلے جاؤ، میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی، میں نفرت کرتی ہوں تم سے!"

"کیوں چلا جاؤں؟ کیا یہ گھر میری بیوی کا نہیں ہے، تمہیں کیا حق ہے مجھے یہاں سے نکالنے کا-"

صفیہ نے ابھی کوئی جواب نہیں تھا کہ زہرہ آ گئی اور محمود کو دیکھتے ہی پھول کی طرح کھل گئی، کہنے لگی -

" ارے آپ یہاں؟ کتنی دیر سے ڈھونڈ رہی ہوں، یہاں کیا کر رہے تھے آپ؟"

" قسمت سے آئی تھی ذلیل کرنے کے لئے، سو ذلت کا تحفہ جھولی میں لے کر چل رہا ہوں!"

" دفعتہً زہرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔" ذلت؟ کس نے ذلیل کیا آپ کو؟"

" تمہاری بھابی نے -- یہ مجھے حکم دے رہی ہیں کہ اس گھر سے نکل

جاؤں یہاں کبھی قدم نہ رکھوں، انہیں مجھ سے نفرت ہے یہ میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتیں؟" کیوں صفیہ بیگم میں نے تہمت تو نہیں لگائی، آپ نے ابھی یہی الفاظ مجھ سے نہیں فرمائے تھے؟"

صفیہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے زہرہ کا چہرہ دفورِ غضب سے تمتما اٹھا، اس نے نہایت حقارت سے ایک مرتبہ صفیہ کو دیکھا اور بولی،

"تیری یہ ہمت؟"

" یہ کہتے کہتے زہرہ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، گردن کی رگیں پھول گئیں اور اس پر مجنونانہ کیفیت طاری ہو گئی، کچھ بعید نہ تھا اگر وہ حملہ کر دیتی کہ محمود نے محبت بھرے انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا انہیں زہرہ غصہ نہیں کرتے، تم غصے کے عالم میں بھی بڑی خوبصورت لگتی ہو، لیکن مجھے ڈر بھی لگتا ہے، کسی کے کہنے کا ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے ہم جو کچھ ہیں وہی رہیں گے!"

" زہرہ نے ذرا نرم لہجے میں کہا - لیکن میں آپ کی توہین نہیں برداشت کر سکتی!"

وہ کہنے لگا" میں جانتا ہوں، تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو، تم نے میری محبت قبول کر کے مجھے ایک نئی زندگی بخشی ہے جس میں نشاط و مسرت کے سوا کچھ نہیں ہے، ہم اپنی خوشی کو جلا زوال ہے، دوسروں کی بیچھوڑی باتوں سے گدلا نہیں کر سکتے — آؤ چلیں!"

وہ بولی " ہاں چلیے سامان تو میں نے بھجوا دیا، بس آپ کا انتظار تھا کہ آپ آلیں تو چلیں!"

وہ بالکل انجان بن کر گویا سامان کی روانگی کا اسے کوئی علم نہیں ہے بولا "کیا کہا سامان؟ کیسا سامان؟"

" زہرہ نے کہا" اپنا سامان، فرنیچر، برتن، زیور پارچہ جات یہ ساری چیزیں

اور کون سا سامان ؟"

دل میں خوش اور مطمئن ہو کر لیکن ظاہر میں اس بات کو بُرا مان کر اس نے کہا "آخر عورت ہو نا ؟ کیا ضرورت تھی یہاں سے چھکڑا بھر سامان لے جانے کی ؟ وہاں کچھ کمی ہے تمہارے لئے ؟ ضرورت کی ہر چیز موجود ہے اور ذرا سے اشارے پر فوراً ہر چیز مہیا ہو سکتی ہے، یہ دولت، یہ سامان، یہ جائداد، یہ اسباب منقولہ و غیر منقولہ انہی میاں بیوی کو مبارک ہمیں اس میں سے کچھ بھی درکار نہیں ہے — میری تمنا، آرزو، حسرت صرف تم ہو اور خدا کا شکر ہے میں نے تمہیں پا لیا — آؤ چلیں !"

زہرہ مسکراتی ہوئی، محمود کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر نہایت اطمینان سے اٹھلاتی، بل کھاتی، صفیہ کو جلاتی، اور اس کے سینے پر کودوں دلتی محمود کے ساتھ باہر چلی گئی،

ان دونوں کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک صفیہ خاموش اور گم سم ایک بت کی طرح کھڑی رہی اور پھر دفعتہً اپنے بستر پر گر پڑی اور تکیہ سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی !"

۲

دل ناتواں

ان صدموں کی تاب صفیہ کا دل ناتواں نہ لا سکا! وہ بیمار پڑ گئی، حکیموں اور ڈاکٹروں کا فتویٰ تھا کہ دق کے مرض نے اس جسم نحیف پر پنجہ ڈالا ہے صرف خوشی اور بے فکری ہی مرض کی مدت اور بیمار کی عمر میں کچھ اضافہ کر سکتی ہے ورنہ جلد از جلد موت یقینی ہے۔

حکیموں اور ڈاکٹروں کی یہ ر[illegible]سان کے خرمن آرزو پر بجلی بن کر گری وہ صفیہ کو بے حد چاہتا تھا، لیکن ا[illegible]ندازہ ہوا کہ بے حد سے بھی زیادہ چاہتا تھا، اس کی موت کا تصوّر اس کے لئے اتنا ہولناک تھا کہ بظاہر وہ خود چند دنوں کا مہمان معلوم ہونے لگا، رنگت زرد ہو گئی، چہرہ زرد، آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئیں، ماتھے پر فکر کی پریشانیاں، زبان خاموش، لیکن دل گریاں اور نالاں —

وہ گھنٹوں، صفیہ کے پاس بیٹھتا، اس کا دل بہلانے کی، اسے خوش رکھنے کی اسے ہنسانے کی کوشش کرتا، لیکن مرجھایا ہوا پھول کب کھلا ہے سوکھی ہوئی شاخ کب برگ و بالا ہے؟ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ کلی مسل دی گئی ہو اور پھر وہ شگوفہ بن کر کھل اُٹھے؟"

احسان کے بعد اس کے اس حالِ زار سے جو ہستی سب سے زیادہ فکر مند اور دل گرفتہ تھی وہ چمپا تھی، یہ غریب بھی اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی، اسے نشیب و فراز سمجھایا کرتی، اپنے لئے نہیں، احسان یاسمین کے زندہ رہنے پر اکسایا کرتی، لیکن یہ باتیں اس کے دل پر ذرا اثر نہ کرتیں، اس وقت بھی وہ صفیہ کو راہ ہدایت پر لانے کی کوشش کر رہی تھی، باتوں باتوں میں اس نے کہا -

"بیٹی کیا فائدہ اس طرح جان ہلکان کرنے سے ؟"

صفیہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا اور بولی" زندہ رہ کر، جان ہلکان کرنے سے کیا فائدہ ہے ؟ آخر کیوں زندہ رہوں ؟ کس کے لئے جان ہلکان نہ کردوں ؟ کیا اس کی زندگی میں کوئی لذت رہ گئی ہے میرے لئے ؟ کیا اس زندگی نے آج تک مجھے کچھ بھی دیا ہے جو اس کی پروا کروں ؟ "کیا یہ زندگی ایک مستقل عذاب نہیں بن رہی ہے میرے لئے ؟ پھر میں اس کے پیچھے کیوں دوڑوں ؟ پھر میں اس کی خوشامد کیوں کروں ؟ یہ اگر مجھ سے روٹھی ہے تو میں کب اس کی پروا کرتی ہوں ؟ مجھے دنیا میں کسی سے اتنی نفرت نہیں ہے جتنی اس سے -!"

چمپا پھٹی پھٹی آنکھوں سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی، جب وہ کہہ چکی تو یہ بولی -

" زندگی خدا کی امانت ہے - بیٹی !"

صفیہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم ابھرا، پھر وہ بولی " لیکن اس امانت کا حق میں زیادہ ادا کر چکی ہوں ؟"

"بیٹی کیا تم یاسمین سے محبت نہیں کرتیں ؟"

وہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے نہ کرنا چاہوں تو بھی اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوں وہ روتی ہے ۔ میرا دل لٹنے لگتا ہے، وہ ہنستی ہے تو میرا مرا ہوا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے تو کیا کہوں دل پر کیا گزر جاتی ہے ؟ اسے جب سکھ چین اور خوشی کے عالم میں دیکھتی ہوں، تو یوں معلوم ہوتا ہے، چمپا ایسا معلوم ہوتا

" بتاؤ بیٹی، سب کچھ سن رہی ہوں !"

یاسمین ابھی بچی ہے ہوش سنبھالے گی، تو میری یہ صورت جو آج اس کی آنکھوں میں اور دل پر نقش ہے مٹ چکی ہو گی، وہ ایک کمزور ماں کو روتے بلکتے، تڑپتے نہیں دیکھے گی، ممکن ہے اسے اپنی ماں کے لئے گڑھے گی نہیں احسان کی محبت میری یاد اس کے دل سے فراموش کر دے گی

" توبہ کرو بیٹی !"

نہیں چمپا، میں سچ کہتی ہوں، جھوٹ نہیں بولتی ایسی ہوگا، چلو مان لیا وہ مجھے یاد کر کے کبھی کبھی رو لیا کرے گی، لیکن اپنی آنکھوں سے میرا دکھ تو نہیں دیکھے گی !"

" اس سے کیا ہوتا ہے ؟"

بہت کچھ ہوتا ہے، اس طرح اپنی زندگی کی تعمیر وہ خود کر سکے گی بہت اچھی طرح شاندار طور پر !"

چلو مان لیا — اور احسان

" احسان کے لئے میرا وجود ایک مستقل بوجھ بن گیا ہے ! جب سے اس گھر میں آئی ہوں، جب سے اس کی رفیقۂ حیات بنی ہوں، کیا دن بھی میں نے اُسے سکھ پہنچایا؟ کیا ایک دن بھی میں اسے خوش رکھ سکی ؟"

بیٹی یہ کیا —

" سنے جاؤ چمپا — جب سے آئی ہوں، اس کے لئے ایک مستقل دردِ سر بن گئی ہوں، میری وجہ سے وہ بدنام ہوا، رسوا ہوا، بھائی جان سے اس کی لڑائی ہوئی، محمود اس کا دشمن بنا، میری ہی وجہ سے زہرہ ہاتھ سے گئی، نہ محمود یہاں آتا نہ وہ اس پر ڈورے ڈال کر اسے اسیرِ دامِ فریب کرتا چمپا میں نے احسان کی زندگی غارت کر دی، میں نے اس کا سکون چھین لیا میں نے اس کی خوشی تاراج کر ڈالی ہیں میں اسکے لئے ایک عذاب ہوں، ایک بلا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، میرے مرنے پر روئے گا اور بہت دنوں تک، روتا رہے گا، لیکن زمانے سے اچھا مرہم کوئی نہیں، زمانے کا مرہم اس کا زخم

مندمل کر دے گا، اور پھر وہ محسوس کرے گا کہ میرا وجود اس کے لئے ایک کانٹا تھا۔ اس کانٹے کے نکل جانے کے بعد اس کی خلش دور ہو سکے گی، وہ پھر بالکل مطمئن ہو جائے گا، پھر خوش رہنے لگیگا اور جس طرح یاسمین مجھے بھول جائے گی، اس کے صفحۂ دل سے بھی میری یاد مٹ جائے گی!"

"اور اگر وہ شادی کر لے؟"

"تو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟ کیا اسے شادی نہ کرنی چاہیئے؟"

"پھر یاسمین کی جو گت بنے گی!"

تم پگلی ہو اچھی خاصی — وہ ایک نہیں چار شادیاں کر لے لیکن یاسمین کو دکھ پہنچتے نہیں دیکھ سکتا، یاسمین اس کی لڑکی ہے، صرف اس کی نہیں اس کی محبوبہ کی بھی، وہ یاسمین کے لئے اپنا وجود تک، قربان کر دے گا مگر اس پر آنچ نہیں آنے دے گا اس کی محبت بے داغ ہے، میرے مرنے کے بعد اسے مجھ سے نفرت نہیں ہو جائے گی۔

"— آخر تم نے احسان کو سمجھا کیا ہے چمپا؟"

"اسے تو میں بڑا اچھا آدمی سمجھتی ہوں، لیکن تم ضرور پاگل ہو"

"اچھا یہی سہی — تم سے کئی مرتبہ ایک کام کو کہہ چکی ہوں، کیا؟"

"کون سا کام بیٹی! مجھے تو یاد نہیں؟"

"میں نے کہا تھا، کبھی کبھی محمود کے ہاں چلی جایا کرو، اور زہرہ کو دیکھ آیا کرو۔"

"میں تو بڑے چکر میں ہوں کیا کروں؟"

"کیوں آخر اتنا معمولی سا کام تو ہے؟"

"معمولی ہی سا تو نہیں ہے ایک طرف احسان لال پیلی آنکھیں کر کے حکم دیتے ہیں، خبردار جو زہرہ کے ہاں کبھی قدم رکھا ہوگا، یا اس کے بارے میں مجھ سے کوئی بات کی ہوگی دوسری طرف خود زہرہ بیگم جاتے جاتے کہہ گئی ہیں کہ اگر کبھی ہمارے گھر میں تو آئی تو کتے چھوڑ دوں گی۔ تیسری طرف تمہارا حکم

ہے کہ جاؤ اور خبر لاؤ ـــ بتاؤ کیا کروں میں ؟"

نہ وہ کتے چھوڑے گی نہ احسان خفا ہوں گے ـــ اور احسان سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ اگر وہ زہرہ سے خفا ہیں تو ہوں میں تو نہیں ہوں!"

"اچھا چلی جاؤں گی کسی دن!"

"آج کیوں نہیں ؟"

"اچھا آج ہی سہی ، چلی جاؤں گی شام کو!"

شام کو کیوں ابھی کیوں نہیں ؟ جب ایک کام کرنا ہی ہے تو تاخیر سے کیا فائدہ ؟"

"ابھی چلی جاؤں گی ہیں ، تم تو جھاڑ کا کانٹا بن کر میرے پیچھے پڑ گئی ہو! ـــ سنا ہے زہرہ پیٹ سے ہیں!"

"پھر تو اور زیادہ تمہیں جانا چاہیے اور بار بار جانا چاہیے ، محمود کو اس سے کوئی سروکار نہ ہو گا ، سوا رسمی باتوں کے وہ خود ٹھہری ایک نادان ، اس دکھ کو آسانی سے نہیں جھیل سکے گی!"

"تو کیا وہاں رہ پڑوں جاکر ؟"

"اگر ایسا ہو سکے تو اور بہتر ہے ؟"

(۲)

جھلکیاں

چمپا کھڑی ہو کر دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی بولی، نہ جانے کس طرح پیش آئیں؟" صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ احسان آگیا، اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، آتے ہی اس نے چمپا سے پوچھا "کہاں جا رہی ہو؟"

" وہ جواب دیتے جھجکچائی، عفیہ نے بات بنالی " میرے ایک کام سے جارہی ہے!"

" احسان نے پھر سوال کیا " لیکن کہاں؟" — بتاؤ چمپا!"

صفیہ پھر بول پڑی " زہرہ کے ہاں خیریت لینے جارہی ہے۔"

احسان نے گرجتے ہوئے سوال کیا " زہرہ کے ہاں؟"

صفیہ نے ٹھنڈے انداز میں کہاں " ہاں — کتنے دن ہو گئے لڑکی کو یہاں سے گئے، وہ تو ہے بھلی اور ضدی طبیعت کی اکڑی ہوئی ہے، لیکن تمہارا تو فرض ہے کہ اس کی خیر خیریت لیتے رہیں!"

احسان نے سنجیدگی کے ساتھ کہا " لیکن وہ تو مر گئی، کیوں چمپا کیا آسمان پر اس کی خیریت لینے جارہی ہو؛ لیکن کس طرح جاؤگی؟ چھت سے چھلانگ

مسکا کر، یا سنکھیا کھا کر ؟"

" اس طنز اور برہمی کی ذرا بھی پروا کئے بغیر صفیہ نے روتے ہوئے پوچھا کیا تم یہی خبر لے کر آئے تھے ؟"

" وہ گویا ہوا" ہاں اسے خبر کہہ لو یا خوشخبری سمجھ لو۔ جو چاہو سمجھو، تمہاری مرضی !"

" صفیہ کی آنکھوں سے آنسو گرے جا رہے تھے وہ اور زیادہ روہانسی آواز میں بولی۔"

کیا بیمار تھی وہ ؛ محمود نے بیماری کی اطلاع تک نہ بھیجی — (چمپا سے) کتنے دنوں سے کہہ رہی تھی ہو آؤ، مگر اس گھر میں میری سنتا کون ہے ؟"

وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی، احسان نے چمپا سے تحکمانہ انداز میں کہا —

جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو، مرے ہوئے لوگوں کا تعاقب نہیں کیا کرتے" چمپا کی آنکھوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے، نہ جانے اصلی یا رسمی وہ خاموشی کے ساتھ باہر چلی گئی، اس کے جانے کے بعد احسان نے صفیہ سے کہا،

" کیوں اپنے قیمتی آنسو رائیگاں کر رہی ہو ۔ کیا فائدہ اس نالائق اور ننگِ خاندان پر رونے سے، کاش وہ مر جاتی !"

صفیہ کے آنسو خشک ہو گئے، وہ حد درجہ کمزور اور نحیف ہونے کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے خوشی خوشی پوچھا۔

" کیا وہ زندہ ہے کیا وہ نہیں مری !"

" ہاں وہ زندہ ہے وہ نہیں مری !"

" پھر میرا خون کیوں خشک کر دیا تم نے خواہ مخواہ !"

"اپنے اور میرے دشمن کی مرگ پر رو تی ہو، اپنے اور میرے قاتل کے لئے تڑپتی ہو، تمہاری یہ ادا میری سمجھ میں نہیں آتی !"

" میں تو ہمیشہ سے یہی کہتی رہی ہوں کہ وہ بھولی اور نادان ہے محمود نے اسے ورغلایا ہے، لیکن جو ہونا تھا ہو چکا، اب ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ

دونوں کے تعلقات اور روابط میں شگفتگی قائم رہے، اب خفا ہونے سے بگڑنے سے کیا حاصل؟"

"اچھا تو ایک خوشخبری سن لو!"

"(تامل کے ساتھ) نہ جانے کیا کہو گے؟ مجھے تو پوچھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے"

یہ دیکھو (ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے) یہ کیا ہے، میرے نام کے نیچے، بھیجنے والے کا نام ہے اسے پڑھو!"

(ایک نظر ڈال کر) یہ تو کوئی ارشد حسین بیرسٹر ایٹ لا ہیں! — یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے تو ان کا نام کبھی نہیں سنا!"

"آج تو سن لیا، کتنا شیریں نام ہے!"

"کیا لکھا ہے؟" یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیئے!"

"بہت معمولی سی بات!"

معمولی سی سہی، لیکن کیا یہ کیوں نہیں بتاتے؟"

"بیرسٹر صاحب نے اپنی مؤکلہ مسمات زہرہ بیگم محمود کی طرف سے لکھا ہے کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر اندر حساب فہمی کر کے ان کا جملہ حساب بیبانق نہ کیا گیا۔ تو وہ عدالتی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائیں گی!"

"(حیرت زدہ ہو کر) حساب فہمی کیسی؟"

بھئی بہت سادہ سی بات ہے جب ہمارے والدین کا انتقال ہوا تو یہ چھوٹی سی لڑکی تھی، میں ہی اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرتا، اب تک ہم بھائی بہن کا حساب بھی ایک تھا، اب مطلب یہ ہے کہ والدین کے انتقال کے دن سے اب تک جو کچھ جائز طور پر صرف ہوا ہے وہ منہا کر کے اول سے اب تک ہر سال کی آمدنی میں اس کا حصہ نکالا جائے اور جو میزان بنے اور جس کی میزان یقیناً لاکھوں تک پہنچے گی اسے دے دی جائے نیز منقولہ جائداد میں اس کا جو حصہ ہے وہ بھی صاف کر دیا جائے۔"

صفیہ کی ہوائیاں اڑنے لگیں، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ محمود کی حرکت سے آخر وار کر گزرا!"

احسان بولا "کسی کی حرکت بھی ہو! بہر حال اب تو یہ قانونی نوٹس سامنے ہے اور ہمیں اس کا جواب دینا ہے بتاؤ کیا لکھا جائے ؟"

وہ اور زیادہ حیران و پریشان ہو کر بولی "میں کیا بتاؤں ؟ تم اس کا صحیح جواب دے سکتے ہو!"

"احسان نے پہلو بدلتے ہوئے کہا" تو ایک اور نوٹس بھی ہے، اس کا صحیح جواب تم دے سکتی ہو!"

صفیہ کا رنگ فق ہو گیا، بڑی مشکل سے پوچھ سکی "میرے نام ؟"

احسان نے کہا" ہاں یہ رہا!"

صفیہ نے پوچھا" کیا لکھا ہے، تم ہی بتادو، میں پڑھنا نہیں جانتی!"

احسان نے لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا" تمہاری نند کے شوہر نے تم سے مطالبہ کیا ہے کہ فوراً حویلی سے قطع کر لو، کبھی ادھر کا رُخ نہ کرو کیونکہ جمال کی تمام جائداد جس میں حویلی بھی شامل ہے اب ان کی ملکیت بن چکی ہے اور وہ اگلے ہفتہ وہاں منتقل ہو رہے ہیں!"

صفیہ کے آنسو نکلنے لگے، ہونٹ کانپنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا، احسان نے پوچھا۔

"بتاؤ! یہ کس کا قصور ہے ؟ یہ کس کا وار ہے ؟ شاید دونوں نے نے سمجھوتہ کر لیا ہے محمود نے مجھ پر وار کیا ہے، زہرہ نے تم پر۔

صفیہ برابر روئے چلی جا رہی تھی، آنسو تھے کہ کسی طرح رُکنے کا نام نہ لیتے تھے احسان نے کہا۔

کیا اب بھی چمپا کو اس کی خیریت لینے بھیجو گی ؟ کیا اب بھی تمہارے دل میں اس ناشدنی کی محبت چٹکیاں لیتی رہے گی ؟ کیا اب بھی۔ اسے معصوم نادان اور بھولی، بھالی، خیال کرتی رہو گی ؟ کیا اب بھی تمہارے نزدیک ساری خطا صرف محمود کی ہے، زہرہ بالکل بے قصور ہے ؟ نہیں صفیہ یہ بات نہیں زہرہ بھی اتنی ہی خبیث ہے جتنا محمود، سعدی نے ٹھیک ہی تو کہا ہے کہ۔

"کہ خبثِ نفس نہ گردد بہ سالہا معلوم!"

جب تک یہاں رہی، تم سے عشق کرتی رہی، میری محبت کا دم بھرتی رہی اسے ایک ایسا شخص مل گیا جو اس کی فطرت سے، مزاج سے طبیعت سے لگا کھاتا تھا، وہ اُسے پوجنے لگی۔ دل و جان سے اس کی ہو رہی۔ سب بھول بیٹھی — انسانیت تک کو!"

صفیہ خاموش تھی اور احسان کہہ رہا تھا

"یہ سب جو باتیں تم ابھی کر رہی تھیں وہ سب یہاں دروازے سے لگا سنتا رہا، تمہاری انسانیت، عالی ظرفی، شرافت، ان سب چیزوں کا نقش ہمیشہ سے میرے دل پر مرتسم تھا، اب وہ اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ لیکن جان ہے عزیز صفیہ اتنا زیادہ ماورائے انسانیت ہونا بھی اچھا نہیں ہوتا لوگ گلا گھونٹ دیتے ہیں!"

بڑی مشکل سے صفیہ نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا" اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، محمود نے اُسے دام فریب میں اسیر کر رکھا ہے!"

احسان نے ترش انداز میں بآواز بلند کہا" صفیہ چپ رہو تم برابر اس کی حمایت کئے جا رہی ہو۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا!"

صفیہ کی آنکھیں پھر آب گوں ہو گئیں اس کیفیت سے متاثر ہو کر احسان نے نرم لہجہ میں کہا۔

وہ میری بہن ہے میں اس کا بھائی ہوں اور باپ بھی اور ماں بھی، میں نے جس طرح اس کیڑے کو پالا ہے میں ہی جانتا ہوں، میں چاہتا تو اس کا گلا گھونٹ دیتا، زہر دے دیتا، کسی طرح بھی اپنے راستے سے ہٹا دیتا، لیکن ایسا کیوں کرتا! میں نے اُسے ماں کی طرح پالا تھا، میں نے اُسے باپ کی طرح چاہا تھا، میں نے بھائی کی محبت اس کی جھولی میں ڈال دی تھی، وہ میرے خون کی طالب ہوتی، تو خود سینے میں خنجر مار کر اپنا بہتا ہوا، سرخ سرخ خون اس کے قدموں پر نچھاور کر دیتا، وہ میری جان کی گاہک ہوتی، تو اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن کاٹ کر اس کے سامنے پھینک دیتا میں کسی چیز سے بھی اس کے لئے دریغ نہیں کر سکتا تھا یہ جائداد، یہ مکان، یہ سامان منقولہ

عزیزیہ نبک بیلنس ہر چیز اسے دے ڈالتا، وہ سب کچھ مانگتی، سب منقولہ کچھ مانگتی، سب کچھ دے دیتا۔ خود فقیر ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا اور کسی گوشے میں بیٹھ کر تمہاری اور یاسمین کی سیوا کرتا، تمہاری عالی ظرفی سے امید تھی تم میرا ساتھ دیتیں ہر تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتیں، حصہ دینے میں مجھے نہ تامل تھا، نہ تامل ہے۔ آ رہے ہوں گے، تھوڑی دیر میں میاں بیوی حساب فہمی کے لئے دیکھ لو گی، میں ذرا حجت نہیں کروں گا۔ ان کا مطالبہ مان لوں گا، لیکن صدمہ اور غصہ جس بات پر ہے وہ یہ انداز ہے یہ لب و لہجہ ہے، یہ طرز عمل ہے!"

صفیہ نے پوچھا "کیا آپ نے انہیں بلایا ہے؟"

احسان نے جواب دیا "ہاں جیسے ہی نوٹس ملا، میں نے اطلاع دے دی بیرسٹر صاحب کو شام کی چائے یہاں نوش فرمائیں، اپنے ساتھ موکل بھی لیتے آئیں اور شوق سے حساب فہمی کر لیں!"

وہ بولی: "یہ تو آپ نے بہت برا کیا؟"

محمود نے زہر خند کرتے ہوئے کہا "کیوں برا کیا! تم ڈرتی کیوں ہو! اطمینان رکھو میں کوئی جھگڑا نہیں کروں گا، جھگڑا کرنا ہوتا تو کہتا مقدمہ کیجئے یہاں کیوں بلاتا؟"

وہ کہنے لگی "یہ تو سچ ہے کہ آپ جھگڑا نہیں کریں گے، لیکن کیا محمود کے لئے بھی کہا جا سکتا ہے؟ وہ تو شاید لڑنے کے لئے تل کر آئے گا؟"

بے پروائی سے اس نے جواب دیا "مجھے ذرا بھی پروا نہیں، اگر وہ جھگڑا کرنا چاہے گا تو میرے پاس پستول بھی ہے اور میرے نوکر میرے ایک اشارے پر خون کے دریا میں نہا بھی سکتے ہیں، ان کی وفاداری شک و شبہ سے بالا ہے لیکن یقین کرو، اس کی نوبت نہیں آئے گی!"

صفیہ ان دلیلوں سے متاثر نہ ہوئی، اس بے یقینی کے انداز میں کہا "خدا کرے ایسا ہی ہو!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ملازم نے اطلاع دی کہ بیرسٹر صاحب زہرہ اور

محمود آ گئے ہیں اور ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں، احسان اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے صفیہ سے کہا۔ آؤ چلو،

وہ جانے پر رضامند نہ ہوئی " میں جاکر کیا کروں گی، آپ ہی جایئے!"

احسان نے کہا " لیکن اپنی حویلی کا فیصلہ تو تمہی کو طے کرنا پڑے گا اور اسے بہر حال طے ہونا ہے!"

آخر ناگواری کے ساتھ صفیہ اٹھی اور احسان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچی، بیرسٹر صاحب صوفے سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہے تھے محمود ایک کرسی پر بیٹھا سگار کا دھواں اُڑا رہا تھا، زہرہ اس کے قریب بیٹھی تھی، لیکن تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، احسان اور صفیہ خاموشی سے آکر مقابل کے صوفے پر بیٹھ گئے، احسان نے بیرسٹر صاحب سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

" فرمایئے بیرسٹر صاحب کیا حکم ہے؟"

بیرسٹر صاحب نے گرمجوشی اور تپاک کے لہجے میں کہا " صاحب میں بہت خوش ہوں کہ آپ گھر کے گھر ہی میں معاملہ طے کرلینا چاہتے ہیں ورنہ مقدمے بازی سے وقت اور روپیہ کی بربادی کے سوا کوئی اور نتیجہ تو نکلتا نہیں!"

احسان نے کہا " بجا ارشاد ہوا، پھر اب معاملہ کی بات شروع ہو جانی چاہیئے — لیکن پہلے چائے،

بیرسٹر صاحب نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا، معاف کیجیئے، اس وقت ہم میں سے بھی چائے نہیں پی سکے گا، ابھی ابھی بیگم محمود نے اتنے وسیع پیمانے پر چائے پلائی ہے کہ شاید اب رات کا کھانا بھی نہ کھایا جا سکے!"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک قہقہہ لگایا، احسان نے بھی اصرار نہیں کیا بیرسٹر صاحب نے محمود سے مخاطب ہو کر فرمایا، آپ نے کچھ حساب بنایا تو ہے!"

محمود نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر بیرسٹر کی طرف بڑھا دیا،

بیرسٹر صاحب نے اُسے احسان کی طرف کھسکا دیا، لیکن احسان نے ہاتھ نہیں لگایا، اس نے کہا۔

میں پڑھ کر کیا کروں گا۔ آپ بتا دیجیے حساب کیا ہے؟"

بیرسٹر صاحب نے ایک نظر کاغذ پر ڈالی اور کہا "والدین کی وفات کے وقت سے لے کر اس وقت تک، آپ نے زہرہ بیگم پر جو خرچ کیا، اس کا اوسط دو سو روپے مہینے سے زیادہ نہیں ہو سکتا، جس کی مجموعی میزان ۹۶ ہزار روپے ہوئی، جائداد کی آمدنی کی مجموعی میزان ۱۵ لاکھ روپے ہوئی اس میں سے ۹۶ ہزار گھٹا دیجیے باقی رقم کا چیک زہرہ بیگم کو دے دیجیے یہ نتیجہ تو نکلا حساب فہمی کا، حساب فہمی کے بعد جو کچھ بھی از قبیل مکان دوکان، جائداد، املاک، زمین باقی ہے یا اس کی قیمت دے دیجیے زہرہ کے نام منتقل کر دیجیے!"

احسان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ معاملہ کی نوعیت یہ ہو گی، وہ گھبرا گیا، اس نے کہا، لیکن بیرسٹر صاحب انصاف کیجیے کیا زہرہ پر دس بیس سال کی طویل مدت میں صرف ۹۶ ہزار روپے خرچ ہوئے؟

" زہرہ بول پڑی اور کیا بارہ لاکھ ہوئے؟"

زندگی میں پہلا موقع تھا کہ زہرہ کے منہ سے اس طرح کے الفاظ احسان نے سنے ہوں، وہ تڑپ گیا، اس نے غضب ناک نظروں سے زہرہ کو گھورا، لیکن فوراً اپنی کیفیت پر غالب آگیا، اس نے زہرہ سے پوچھا۔

" تو تمہاری رائے بھی یہی ہے؟"

وہ بولی " کوئی بچہ تو ہوں نہیں کہ کسی کے بہکانے میں آ جاؤں گی، سوا کھانا کھانے اور کپڑا پہننے کے اس گھر سے میں نے اور پایا کیا ہے؟"

صفیہ مداخلت کرتی ہوئی بولی " لیکن جو سامان یہاں سے لے گئی ہو، اس کی قیمت؟"

زہرہ نے نفرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کہنے لگی " وہ صرف میرا تھا!"

احسان نے صفیہ کو روکا، کہنے لگا " تم نہ بولو، یہ ٹھیک کہتی ہے!"

پھر بیرسٹر صاحب سے کہا" لیکن میرا بنک بیلنس تو دو لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔" پھر یہ مسئلہ حل کس طرح ہو گا؟"

" محمود بیچ میں بول پڑا، اگر مطلوبہ روپیہ آپ نے اڑا دیا، تو اس کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔ ہمیں تو بہر حال اپنا حق چاہیئے۔"

" کافی بحث تمحیص کے بعد بیرسٹر صاحب نے تجویز پیش کی احسان سارا بنک بیلنس اپنے پاس رکھے، یہ مکان بھی اسی کا، اس کے علاوہ ساری جائداد املاک، زہرہ کے منتقل کر دے!"

احسان کو پسینہ آگیا، اس دھاندلی کو برداشت کرنا اس کے بس سے باہر ہوتا جا رہا تھا، نہ جائداد کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ تھی، نہ زہرہ کا خرچ کسی دو ہزار روپے سے کم تھا جیسے قیمتی کپڑے وہ پہنتی تھی، جیسے زیورات وہ بنواتی رہتی تھی، جس طرح دوسرے منعمات پر بے دریغ روپیہ صرف کرتی تھی، اس کا اوسط دو ہزار ماہوار سے ہرگز کم نہ تھا، جو سامان از قبیل زیورات دبرتن و فرنیچر وغیرہ لے گئی تھی اس کی مالیت بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔ لیکن یہ موقعہ جھگڑا کرنے کا نہ تھا، احسان نے خفیف سے تامل کے بعد کہا مجھے منظور ہے!"

یہ غیر متوقع جواب سن کر بیرسٹر صاحب خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے، کہنے لگے" واقعی بہت بڑا دل ہے احسان صاحب آپ کا، مانتا ہوں!"

احسان نے زیرلب تبسم کے ساتھ جواب دیا" ذرہ نوازی ہے آپ کی"
زہرہ سے محمود نے کچھ سرگوشی کی، پھر وہ بیرسٹر صاحب سے کہنے لگی" تو پھر رجسٹرار صاحب کو بلا لیجئے، نیچے بیٹھے تو ہیں کاریں!"

بیرسٹر صاحب نے احسان سے کہا"کیا حرج ہے؟ جب ایکبات طے ہو گئی۔ جب ایک کام کرنا ہی ہے تو پھر تاخیر کیوں اور کس لئے؟ ابھی نکھت پڑھت ہوئی جاتی ہے!"

احسان نے جواب دیا" مجھے کوئی عذر نہیں!"

صفیہ کہنے لگی "لیکن اتنی جلدی کیوں ہے؟ بات طے ہوگئی، آج، کل
پرسوں، کسی دن بھی رجسٹری ہوجائے گی؟"

زہرہ نے ناگن کی طرح بل کھا کر کہا "لیکن پرسوں کی بجائے آج ہی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟"

صفیہ بولی "میں نے تم سے تو کچھ نہیں کہا۔ بیرسٹر صاحب سے ایک بات کہی تھی"

"وہ بولی "ہاں مجھ سے نہیں کہا، لیکن بات تو میری ہی ہے؟"

احسان نے گھنٹی بجائی، ملازم حاضر ہوا، اس سے کہا "نیچے موٹر میں رجسٹرار صاحب بیٹھے ہیں انہیں بلا لاؤ۔!"

وہ چلا گیا، تو بیرسٹر صاحب سے کہا، "لیکن اس کی داد دیتا ہوں کہ آپ حضرات پوری تیاریاں کر کے تشریف لائے ہیں!"

بیرسٹر صاحب نے بات قہقہے میں اڑادی، اتنے میں رجسٹرار صاحب تشریف لے آئے، انہوں نے گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا، اسٹامپ اپنے ساتھ لائے تھے، اس پر عبارت بھی ٹائپ کی ہوئی موجود تھی، کہیں کہیں سے کچھ جگہ چھوٹی تھی، اسے بیرسٹر صاحب نے پڑ کیا اور دستخط ہو گئے فریقین کے یعنی زہرہ اور احسان کے!

زہرہ نے وہ کاغذ محمود کی طرف بڑھادیا، اس نے مسکرا کر صفیہ کی طرف دیکھا اور کاغذ موڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ زہرہ نے محمود سے کہا "بس اب چلیے!

وہ زور سے ہنس پڑا، پھر گویا ہوا، تمہارا کام بن گیا، میرا تو باقی ہے؟"

بیرسٹر صاحب نے صفیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا؟"

"بہتر ہے کہ یہ معاملہ بھی طے ہو جائے؟"

"صفیہ بے پروائی کے ساتھ بولی "طے کیا کرنا ہے؟ اپنے حصہ سے میں بھائی جان کی زندگی ہی میں دستبردار ہو چکی تھی، انہوں نے ایمانداری یا بے ایمانی سے جو رقم مرحوم پر نکالی ہے اسے جب وہ چیلنج کر سکے، سو آنسو

بہانے کے تو کوئی اور کیا کر سکتا ہے۔ شوق سے حویلی پر اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر لیں، رہ گئی ان کی نشانی وہ بیمار و معذور بچہ اس کی دیکھ بھال کے لئے میں چلی جایا کرتی تھی، کبھی چھپا کو چھوڑ آیا کرتی تھی، سو اب اسے یہیں بلا لوں گی، اللہ اللہ خیر صلا!"

محمود جو خاموشی سے یہ بات سن رہا تھا، کہنے لگا "صفیہ بیگم یہ نہیں ہو سکتا!"

اس نے حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی ایک نظر محمود پر ڈالی اور بولی "کیا نہیں ہو سکتا محمود صاحب؟"

محمود نے کہا "بچہ یہاں نہیں آ سکتا، وہیں رہے گا!"

" صفیہ کانپ گئی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا، آپ کا اس سے کیا تعلق، وہ میرا بھتیجا ہے میرے پاس رہے گا۔ آپ کو اس کے باپ سے ہمدردی نہ ہوئی تو، اس سے کیا ہو گی؟"

" محمود نے کہا "یہ آپ کا خیال ہے، بلکہ خیال خام ہے، اس بچہ کا میں گارجین ہوں!"

صفیہ نے سراپا حیرت بن کر اس حالت میں کہ آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے پوچھا۔

" آپ اس کے گارجین ہیں؟"

محمود نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ " جی ہاں اس خاکسار کو مرحوم دوست نے یہ اعزاز بخشا ہے!"

" صفیہ کے منہ سے نکلا، آپ جھوٹے ہیں، میں آپ کی بات پر یقین نہیں کرتی!"

محمود ہنسنے لگا، اس نے کہا "مجھے اندیشہ تھا کہ آپ یہی کہیں گی، لیکن میرے پاس ثبوت موجود ہے۔ ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے، ملاحظہ فرمائیے "یہ مرحوم کا وصیت نامہ ہے جس میں مجھے انہوں نے اپنی اکلوتی اولاد کا

سرپرست اور گارجین مقرر کیا ہے!"

صفیہ نے ایک نظر اس کاغذ پر ڈالی، دستخط واقعی جمال کے تھے اس نے وہ کاغذ پرے پھینکتے ہوئے کہا "یہ جعلی ہے مجھے یاد ہے کہ بھائی جان کہہ رہے تھے کئی مرتبہ آپ نے سادہ کاغذ پر ان سے دستخط لے لئے پھر جتنی رقم چاہی لکھ کر ان کے ذمے ڈال دی۔ اسی طرح کا کوئی کاغذ پڑا رہ گیا ہوگا، آپ نے کہا لاؤ آخری وار بھی کر ڈالوں!"

محمود مسکرا مسکرا کر صفیہ کی باتیں سنتا رہا، پھر اس نے کہا، آپ اگر چاہیں، تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی، وہاں اگر آپ نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا، تو پھر سر جھکا دوں گا، نہ ثابت کر سکیں تو ٹھنڈی ٹھنڈی واپس چلی جایئے گا۔

صفیہ بے انتہا ضبط سے کام لے رہی تھی، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آخر اس بچہ سے آپ کو اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" — کیا آپ اس سے نفرت نہیں کرتے۔" -

محمود نے کہا، یہ سوال اگر آپ عدالت میں کریں گی تو میرا جواب کچھ اور ہو گا، ورنہ یہاں یہ عرض کرنے میں تامل نہیں کہ چلیے نفرت کرتا ہوں، پھر بھی مرحوم دوست سے جو عہد کر چکا ہوں، اسے نبھانا تو میرا فرض ہے صفیہ نے جل کر کہا" مرحوم دوست کا قاتل — چلا ہے مرحوم دوست سے ہمدردی جتانے، کچھ بھی ہو جائے بچہ یہاں آئے گا۔ یہاں رہے گا!"

محمود نے بے پروائی کے ساتھ کہا" وہ میرے قبضہ میں ہے اور میرے قبضہ سے اسے صرف عدالت ہی چھین سکتی ہے اور میں آپ کو ہرگز عدالت جانے سے نہیں روکتا!"

احسان نے مداخلت کرتے ہوئے ٹھنڈے لب و لہجہ میں کہا۔ "لیکن محمود صاحب ضد سے کیا فائدہ؟ کیا کریں گے اس بچہ کو اپنے

پاس رکھ کر، ظاہر ہے جتنی ہمدردی، جتنی محبت، جتنا تعلق خاطر صفیہ کو اس سے ہو سکتا ہے آپ کو ہرگز نہیں ہو سکتا، جمال نے کچھ جائداد بھی نہیں چھوڑی ہے، اس کی ہر چیز آپ کی ہو چکی ہے آپ اس پر جو کچھ خرچ کریں گے، اپنی گرہ سے کریں گے، کیوں یہ خواہ مخواہ کا بار اپنے اوپر لیتے ہیں آپ ؟"

محمود نے طنز بھرے لہجہ میں کہا "اس مخلصانہ مشورے کا شکریہ لیکن مہربان من پرنالہ وہیں بہے گا، وہ بچہ میرے پاس امانت ہے اور میں جرم خیانت کا ارتکاب نہیں کر سکتا "باقی میں صفیہ بیگم کے راستے میں حائل ہونا بھی نہیں چاہتا، اگر وہ مقدمہ جیت لیں، تو شوق سے اسے لے آئیں!"

اس موقعہ پر بیرسٹر صاحب بھی اپنے موکل کی طرفداری نہ کر سکے، انہوں نے کہا۔

"مسٹر محمود ویسے مجھے حق تو نہیں، اس طرح کے معاملات میں دخل دینے کا میں دوستانہ طور پر عرض کرتا ہوں کہ کیوں آپ یہ مفت کا دردسر مول لیتے ہیں، چھوڑیئے اس کو خیال کو ؟"

محمود نے ترچھی نظروں سے صفیہ کو اور ٹیڑھی نظروں سے بیرسٹر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی، اگر آپ صفیہ بیگم کا مقدمہ لڑیں۔

بیرسٹر صاحب خاموش ہو گئے۔ بلکہ دل ہی دل میں متاسف ہوئے کہ کیوں ایسی بات کہہ دی جو اس سونے کی چڑیا کو گراں گذری ۔؟

اتنے میں پاس کے کمرے سے یاسمین کے رونے کی آواز آئی، صفیہ اٹھ کر ادھر چلی گئی، اس کے جانے کے بعد ملازم نے وزیٹنگ کارڈ لاکر احسان کو دیا۔ احسان نے اس سے کہا، میرے کمرے میں بٹھاؤ، پھر بیرسٹر صاحب سے کہا، میرے ایک دوست ہیں۔ کسی ضروری کام سے آئے ہیں انہیں رخصت کر کے ابھی حاضر ہوا، یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا، محمود

نے زہرہ سے کہا، ایک مرتبہ اپنے کمرے کا چکر لگا کر اچھی طرح دیکھ لو اگر کوئی تمہاری چیز رہ گئی ہو تو ابھی موقعہ ہے فیصلہ ہو سکتا ہے، وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی" ہاں کچھ خطوط، کچھ کتابیں ہیں تو ابھی سے کر آئی !"

زہرہ کے جانے بعد، محمود اُٹھ کھڑا ہوا پہلے تو سگار کا دھواں اڑاتا رہا، پھر باہر گیلری میں آکر کھڑا ہو گیا، وہاں سے صفیہ کے کمرے میں پہنچ گیا، صفیہ اسے دیکھ کر دفور غضب سے تلملا گئی، اس نے کہا۔

"تم یہاں کیوں آئے ؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا" ایک بہت ضروری کام !"

وہ اور زیادہ غضب ناک ہو کر بولی" چلے جاؤ، تمہارا مجھ سے یا میرا تم سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

بڑے ٹھنڈے الفاظ میں کہنے لگا،" صفیہ ایسا نہ کہو، ہم دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں !"

" صفیہ نے اُسے گھورا اور ٹکٹکی لگا کر کچھ دیر دیکھتی رہی پھر بولی" کیا میں بھی ؟"

وہ ہنسا پھر کہنے لگا" ہاں تم بھی، بلکہ تم مجھ سے زیادہ — مجھے افسوس ہے کہ حساب فہمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ احسان کے پاس کچھ نہ رہ گیا، یہ روپے جو بنک میں ہیں زندگی بھر ساتھ نہیں دے سکتے، تم دونوں کا معیار زندگی بہت اونچا ہے، احسان کوئی تجارت نہیں کر سکتا، وہ کاروباری آدمی نہیں ہے، بیرسٹری بھی نہیں کر سکتا، یہ اُس کے ذوق کی چیز نہیں ہے، نتیجہ یہ ہو گا کہ روپے ختم ہو جائیں گے اور احسان کا بھی وہی حشر ہو گا جو جمال کا ہوا ہے وہ بھی اس غم کی تاب نہ لا کر مر گیا احسان بھی مر جائے گا، جس طرح جمال کا لڑکا میرے رحم و کرم پر اور میرے ٹکڑوں پر پل رہا ہے، اسی طرح یاسمین بھی ممکن ہے میرے رحم و کرم پر اور میرے

ٹکڑوں پر پلے — کیا یہ چیز تمہیں پسند ہے ؟"
یہ الفاظ سن کر صفیہ کو چکر سا آ گیا، ان الفاظ میں گو یہ حد درجہ تلخ تھے صداقت تھی، واقعی یہ روپے کب تک کام دے سکیں گے ؟ واقعی احسان کاروباری ذہنیت نہیں رکھتا، تجارت اس کے بس کا روگ نہیں واقعی وہ بیرسٹری بھی نہیں کر سکتا، یہ پیشہ اس کے مزاج کے بالکل برعکس ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ جمال سے زیادہ حساس ہے خدانخواستہ کہیں اس منحوس دشمن کی پیش گوئی صحیح نہ ثابت ہو، احسان کی جان پہ نہ بن آئے، وہ سہم گئی، اس نے کہا۔

تم نے میرے بھائی کی زندگی لی اور اب میرے شوہر کو مار ڈالنا چاہتے ہو کیا خدا کو تمہیں منہ نہیں دکھانا ہے ؟"
ہنسنے لگا، اور گویا ہوا " مجھے احسان سے صرف اس وقت تک دشمنی ہے جب تک وہ میرا دشمن ہے ورنہ آج صلح ہو سکتی ہے، ابھی یہ رجسٹری پھاڑ کر پھینک سکتا ہوں، ایک مرتبہ پھر احسان اپنی تمام جائداد کا مالک بن سکتا ہے تم اسے آمادہ کر دو کہ میرا دوست بن جائے، مجھ سے دشمنی ترک کر دے !"
" صفیہ نے کہا، خدا سے ڈرو، احسان تو سانپ اور بچھو کا دشمن بھی نہیں ہے تم تو بہر حال انسان کی شکل رکھتے ہو وہ کیوں تمہارا دشمن ہونے لگا !"
" محمود نے کہا، جب تک تم اس کی بیوی ہو، وہ میرا دشمن ہے، اسے چھوڑ دو میری بن جاؤ، پھر میں بھی اس کا دوست بن جاؤں گا، جتنے کانٹے اس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے راستے میں بچھا لئے ہیں، وہ ایک ایک کر ہٹا دوں گا ؟"
صفیہ بگڑ کر بولی " تم احمق ہو ؟"
وہ ہنسنے لگا " احمق، مجنوں، پاگل، دیوانہ جو چاہو کہہ لو، لیکن میری بات مانو — تو اگر میری نہیں بنتی نہ بنو اپنی تو بن ! میری دشمنی میں تم اپنی دشمن

بن گئی ہو اس ننھی جان یا ثمین کی دشمن بن گئی ہو، ایک نہایت شریف انشخص احسان کی دشمن ہو گئی ہو، یہ تمہیں کب زیب دیتا ہے؟ ایسا نہ کرو، عقل سے کام لو، سمجھو، غور کرو، سوچو!"

وہ بولی" ۔ ایک بات بار بار نہیں سوچی جاتی!"

"احسان نے کہا، اس بات سے جب کئی زندگیاں وابستہ ہوں تو بار بار سوچنا چاہیئے، ضرور سوچنا چاہیے!"

صنیفہ نے ایک عزم ایک استقامت کے ساتھ کہا، بہر حال تم مجھے گمراہ کر سکتے، میں گناہ کا راستہ اختیار نہیں کر سکتی میں احسان سے بے وفائی نہیں کر سکتی، میں خود اپنی نظر میں ذلیل نہیں ہو سکتی، مجھے مر جانا منظور ہے احسان کی غربت اور فاقہ کشی منظور ہے یا ثمین کا گلا گھونٹ ڈالنا منظور ہے لیکن ۔

محمود نے دانت پیستے ہوئے کہا " لیکن میری بات نہیں مان سکتیں۔؟ یہی کہنا چاہتی ہو نا؟"

وہ بولی ہاں میرا مقصد یہی ہے اور اب آخری مرتبہ کہتی ہوں کہ آئندہ نہ کبھی مجھ سے ملنا، نہ بات کرنا، نہ میرا تعاقب کرنا!"

محمود نے ایک رشوت اور پیش کی" میں تمہارا یتیم معذور اور اپاہج بھتیجا بھی تمہیں واپس کردوں گا، اگر تم نے اسے واپس نہ لیا تو؛ اس کے ساتھ وہ سلوک کروں گا جو سانپ کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسے اتنی اذیت اور تکلیف دوں گا

کہ وہ میرے مظالم کی تاب نہ لاکر مر جائے گا۔ کتنی تکلیف وہ عبرت انگیز اور زہرہ گداز ہو گی، اس کی موت، اس کی موت پر چرند اور پرند روئیں گے، دریا کی مچھلیاں روئیں گی، ہوا میں اڑتی ہوئی چڑیاں روئیں گی۔ لیکن میں ہنسوں گا، قہقہے لگاؤں گا، ہر جوتا جو اس کے منہ پر لگاؤں گا۔ وہ اس کی موت کو قریب تر دے گا۔ ہر ٹھوکر جو اس کے سر پر لگاؤں گا، ہر تھپیڑ جو اس کے گال پر لگاؤں گا۔

میری ٹھوکر سے وہ بلبلائے گا، تڑپے گا، پھڑکے گا۔ اور میں سمجھوں گا کہ یہ ٹھوکر اس کے باپ کے پڑ رہی ہے، اس کی پھپھی کے پڑ رہی ہے اس کے پھوپھا صاحب کے سر مبارک پر رسید ہو رہی ہے۔ اسے تین تین دن بھوکا رکھوں گا۔ جب یہ نیم جان ہو جائے گا تو روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے آگے ڈال دوں گا یہ اسے لینے کے لئے لپکے گا۔ اور میں چھین لوں گا۔ جب یہ مرنے کے قریب ہو جائے گا۔ تب دوں گا، اس طرح پانی کو ترساؤں گا سردی کے موسم میں یہ صحن میں برآمدے میں سونے گا، گرمی کا موسم یہ بند کمرے میں گزارے گا، کیوں صفیہ کتنی خوش ہو گی تم، اپنے بھتیجے کے حال زار پر اور جس دن اس کا انتقال ہو جائے گا اس روز تمہیں دعوت ماتم دوں گا، اس روز حویلی کا پھاٹک تمہارے لئے کھل جائے گا۔ تم وہاں آسکو گی کہ اپنے بھتیجے کی لاش پر خون کے دو، دس، بیس ہزار جتنے آنسو چاہو، بہا لو —

صفیہ سسکیاں لینے لگی، بڑی مشکل سے صرف ایک لفظ کہہ سکی "ظالم!"

پھر سسکیوں کے ہجوم میں ایک دوسرا لفظ نکلا" درندہ!"

پھر اپنے کانپتے ہوئے پیروں کو سہارا دیتی ہوئی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی، معلوم ہوتا تھا، اب گری اور بڑی دقت سے اپنی قوت مجتمع کر کے بولی "۔ شیطان"

محمود مسکرا مسکرا کر اس کی یہ کیفیت دیکھتا رہا، اس کے کڑوے بول سنتا رہا، پھر اس نے کہا۔

" ہاں میں ظالم ہوں، تم رحمدل بن جاؤ، میں بھی بن جاؤں گا ہاں میں درندہ ہوں، تم وحشت چھوڑ دو مجھے رام کر لو گی ہاں میں شیطان ہوں، تم انسان بن جاؤ تو مجھے انسان بنتے ایک لحظے کی دیر نہیں لگے گی۔

ذرا کے ذرا وہ رکا، اس پر ایک نگاہ ڈالی اور گویا ہوا۔

تمہارا بھتیجا تمہیں واپس مل جائے گا، اس کے گزارے کے لئے کچھ جائداد بھی الگ کر دوں گا، احسان کا دور مصائب ختم ہو جائے گا وہ اپنی

جائداد کا پھر مالک بن جائے گا۔

صفیہ چیخی "سنگ دل، پھر تو نے زہرہ کا نام لیا، کم بخت اسے بھی بھولا جا رہا ہے کہ اب وہ تیری بیوی ہی نہیں تیرے بچہ کی ماں بھی عنقریب بننے والی ہے۔ تجھے اس ننھی سی جان پر بھی ترس نہیں آتا جو تیری ہوس رانیوں کا نتیجہ بن کر ظہور پذیر ہونے والی ہے؟"

وہ ہنسنے لگا، اس نے کہا "چھوڑو ان باتوں کو جب میں زہرہ سے محبت نہیں کرتا تو اس کے پیٹ سے پیدا ہونے والی اولاد مجھے کس طرح عزیز ہو سکتی ہے میں دونوں سے نفرت کرتا ہوں، مجھے دنیا میں کسی سے دلچسپی نہیں ہے، کسی سے تعلق نہیں ہے سوا تمہارے! بتاؤ کیا جواب دیتی ہو، میرے معروضات کا؟"

صفیہ نے کڑے تیور سے دیکھا اور بولی "کیا اب بھی تم مجھ سے جواب کی توقع رکھتے ہو؟ اتنی باتیں سن لینے کے بعد بھی؟"

وہ بولا "ہاں میں مایوس ہونا نہیں جانتا!"

وہ کہنے لگی "لیکن میں مایوس ہونا نہیں جانتا!"

وہ کہنے لگی "لیکن میرے پاس پیام یاس کے سوا کچھ اور نہیں ہے؟"

محمود کا چہرہ پھر خوفناک جسے دیکھ کر وہ کبھی لرزا اٹھا کرتی تھی، اس نے کہا۔

تم مجھے انسان بننے کی تلقین کرتی ہو، لیکن خود کون سی کم درندہ صفت ہو مجھے رحم سکھاتی ہو، لیکن تم سے بڑھ کر بھی کوئی بے رحم ہے؟ مجھے انسان بنانا چاہتی ہو۔ لیکن کیا تم میں انسانیت ہے؟ تمہاری خواہش ہے میں زہرہ۔ میں زہرہ پر رحم کر دوں، میں اس کے پیٹ میں کلبلانے والے بچے پر رحم کردوں، میں جمال کے لئے، اوس بیٹے پر رحم کردوں، میں احسان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچاؤں، لیکن تمہیں اختیار ہے کہ تیر پر تیر چلاتی رہو اور میرے دل کو زخمی کرتی رہو، میری توہین کرتی رہو، مجھے ٹھکراتی رہو۔ میرے

جذبات سے کھیلتی رہو، میرے جذبات کو پامال کرتی رہو، نہیں صفیہ یہ نہیں ہو سکتا، جو تم کرو گی، وہی میں کروں گا، اگر تم میرے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کر سکتیں، تو مجھ سے اس کی توقع نہ رکھو!"

بے بسی اور افسردگی کے عالم میں صفیہ نے سوال کیا" آخر تم کیا چاہتے ہو؟ کیا ہے، میرے بس میں؟ کیا کر سکتی ہوں میں؟"

واپس جانے کے لئے وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا "کیوں بھولی بنتی ہو؟ — تم کیا نہیں کر سکتیں؟ تمہارے بس میں کیا نہیں ہے؟ دھتا بتا دو احسان کو میری بن جاؤ، میں زہرہ کو دھتا بتا دوں گا اور تمہارا بن جاؤں گا؟"

وہ گویا ہوئی" لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ خدا کی نظر میں اخلاق کی نظر قانون کی نظر میں انسانیت کی نظر میں، اصول کی نظر میں کیا یہ جائز ہے؟"

وہ بہت زیادہ برافروختہ ہو کر کہنے لگا، خدا، اخلاق، انسانیت، اصول، میں ان چیزوں کو نہیں جانتا، نہ جاننا چاہتا ہوں — اچھا پھر ملیں گے اگر خدا لایا —

(۳)

پیامبر

محمود اور زہرہ کا اب صفیہ اور احسان سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا اپنا اپنا حصہ لے کر دونوں اس درجہ مطمئن تھے کہ اب بظاہر ان کے لئے صفیہ اور احسان کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا!

اس حادثہ سے احسان بھی حد درجہ دلگیر اور مغموم تھا، لیکن صفیہ کی تو جان پر بن گئی تھی، وہ اپنا حالِ دل کسی سے کہتی نہیں تھی، احسان تک کو اس نے اپنا ہمراز نہیں بنایا تھا۔

لیکن اندر ہی اندر اس صدمے سے گھلی جا رہی تھی، اسے زہرہ سے حد درجہ محبت تھی اور وہ محبت زہرہ نے پاؤں تلے روند ڈالی تھی، اسے اپنے بھتیجے سے بھی محبت تھی، لیکن اب وہ دشمن کے پنجے میں تھا، احسان کی شرافت اور انسانیت کی وہ پرستار تھی۔ لیکن احسان کو مغموم اور افسردہ، دلگیر اور مضمحل دیکھتی تھی، مگر کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، نہ تسکین دے سکتی، نہ دل دہی کر سکتی تھی یہ سارا بوجھ اس کے ضعیف اعصاب برداشت کرتے کرتے اب خستہ اور درماندہ ہو چکے تھے۔

اس کی صحت جواب دیتی چلی جا رہی تھی، وہ خود بھی اپنی زندگی سے

مایوس ہوتی جارہی تھی۔ اور اب اس میں زندہ رہنے کا ولولہ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ کیا فائدہ تھا اس طرح زندہ رہنے سے؟ کیا لذّت تھی اس جینے میں؟"

اسی اثنا میں صفیہ کو خبر ملی کہ زہرہ ایک لڑکے کی ماں بن گئی ہے یہ خبر سن کر اس کا کتنا جی چاہا کہ جاکر بچے کو دیکھے) اسے کلیجے سے لگائے پیار کرے لے آئے اور خود پالے، لیکن دوسری حسرتوں کی طرح یہ حسرت بھی دل کی دل میں رہ گئی، نہ وہ زہرہ کے ہاں جاسکی، نہ اس کے چاند سے بچے کو دیکھ سکی نہ اُسے پیار کرسکی، نہ ساتھ لاسکی — ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے!

عالم خیال میں اکثر زہرہ کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرا کرتی اور اب اس تصویر میں ایک چھوٹی سی، ننھی سی تصویر کا اضافہ ہوگیا — یہ تصویر تھی مسعود کی، محمود کے — نہیں زہرہ کے لڑکے کی!

ایک سال سے زیادہ کی مدت ان سب کو بچھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو نہ دیکھے ہوئے گزر چکی تھی، ایک روز وہ اپنے بستر پر خاموش اور پژمردہ پڑی بخار سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ کمزوری حد درجہ محسوس ہو رہی تھی کہ ملازم نے ایک بند لفافہ لاکر اس کے سامنے رکھ دیا، لفافے پر کسی کا پتہ درج نہیں تھا اس نے ملازم سے دریافت کیا!"

"یہ کس کا خط ہے؟"

وہ بولا "حضور آپ کا خط ہے!"

اس نے پوچھا "ڈاک سے تو آیا نہیں کیا کوئی دستی لایا ہے؟"

"وہ عرض گزار ہوا:" جی ہاں سرکار! یہ دستی خط ہے!"

"میرے نام؟ میرے لئے؟ میرا؟"

"جی سرکار!"

"کون لایا ہے؟"

"لانے والے کا نام تو میں نہیں جانتا!"

"کس نے بھیجا ہے؟ آخر کس کا ہے یہ خط؟"

یہ بھی میرے پوچھنے کے باوجود اس نے نہیں بتایا!"
ممکن ہے صاحب (احسان کا ہو — مجھے کون بھیج سکتا ہے!"

نہیں سرکار، آپ ہی کا ہے - لانے والے نے یہ خط مجھے دیا اور آپ کا نام لے کر تاکید کی کہ صرف آپ کے ہاتھ میں دوں اور وہ بھی اس وقت جب صاحب گھر میں نہ ہوں، اس وقت وہ نہیں ہیں، شہر گئے ہوئے ہیں اس لئے لے آیا ہوں!

"تو یہ خط کب دے گیا تھا وہ؟"

"کل شام کو!"

تم نے کہا نہیں کہ اس طرح کے بے نام ونشان خط نہیں لے سکتے وہ بھی اتنی رازداری کے ساتھ؟ میری کون سی بات صاحب سے چھپی ہے؟ کیا کوئی ایسی بات بھی ہو سکتی ہے، جو میں ان کے علم میں نہ لاؤں؟"

جانتا ہوں سرکار! اور میں نے اس سے عرض بھی کیا تھا، لیکن وہ رونے لگا وہ میرے قدموں پر گر پڑا، اس نے کہا، اس خط میں ایک ایسی بے گناہ ہستی کی زندگی بند ہے، جو موت کے بستر پر ایڑیاں رگڑ رہی ہے، اس میں ایک ایسی بے گناہ ہستی کا افسانۂ حیات درج ہے، جس کی گھڑیاں گنی جا رہی ہیں اس ہستی نے اسی طرح رو رو کر گڑگڑا کر، میرے پاؤں چھو کر، میری خوشامد کر کے یہ خط مجھے دیا، کہ تم تک پہنچا دوں، مجھ سے یہ اس کی حالت نہ دیکھی گئی اور مجبور ہو گیا، ا میرے بھائی یہ کام کر دو، خدا تمہیں اجر دے گا!"

"تم نہیں جانتے وہ کون تھا؟"

"بالکل نہیں سرکار!"

کس نے خط بھیجا ہے یہ؟ (کچھ سوچتے ہوئے) اسے کھولوں یا نہ کھولوں؟ پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ (ملازم کو خط دیتے ہوئے) یہ رکھ دو جب صاحب آئیں، تب دینا یہ انہی کے سامنے کھولا جائے گا، انہی کے سامنے کھولا جائے گا، انہی کے سامنے پڑھا جائے گا!"

"تو حضور میں اسے چاک کردوں گا پھر!"

"(تیوری چڑھا کر ابرہم ہوتے ہوئے) تم اسے چاک کردو گے؟ یہ گستاخی؟ تم بدتمیز کب سے ہو گئے ہو؟"

"میری سرکار، میں آپ کا غلام ہوں۔ نہ گستاخ ہوں نہ بدتمیز!"

"پھر خط چاک کر دینے کا لفظ تمہاری زبان پر کیسے آگیا؟"

"اس نے مجھے قسم دلائی تھی کہ اگر آپ اس خط کو تنہائی میں نہ پڑھیں یا نہ قبول کریں۔ تو میں اسے ضائع کر دوں میں نے وعدہ کر لیا تھا۔"

"کیوں وعدہ کر لیا تھا اس طرح کا؟"

"مجھ سے اس کی حالت نہ دیکھی گئی؟"

"کیا حالت تھی اُس کی؟"

"گھبرایا ہوا، آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے آواز کانپ رہی تھی، دہشت زدہ سا، پریشان سا چاروں طرف اس طرح دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہو، جیسے ڈر ہو کہیں کوئی دیکھ نہ لے، جیسے بہت بڑی مصیبت سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا ہو، میرے خیال میں اس نے کئی وقت سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا!"

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

"سرکار یہ میں نے اس طرح جانا کہ اس وقت میں چائے پی رہا تھا، میں نے اس سے اخلاقاً پوچھا کیا چائے پیو گے؟"

"تو کیا اس نے پی لی؟"

"سرکار میرے یہ لفظ سنتے ہی اس نے پیالی میرے ہاتھ سے چھین لی اور گرم گرم چائے کی پوری پیالی ایک گھونٹ میں پی گیا!"

"تو کچھ کھلا دیا ہوتا!"

"سرکار پھر میں نے اسے بٹھایا اور باورچی خانے سے کچھ باسی روٹی اور سالن لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بھی مر بھکوں کی طرح کھا گیا۔ پھر وہ

اٹھا اور چلا گیا !"

"نام ہی پوچھ لیا ہوتا ؟"

"پوچھا تھا سرکار !"

"پھر کیا بتایا اس نے ؟"

"کچھ نہیں — جیسے ہی میں نے نام پوچھا، وہ تھر تھر کانپنے لگا، اس نے ایک مرتبہ پھر ہاتھ جوڑے اور کہا، نام نہ پوچھو کام کرو — کام کرو، خدا کے واسطے، رسول کے لئے !"

صفیہ نے خط لے لیا اور کہا

"میں پڑھ لوں گی !"

۴

زہرہ کی داستان درد

صفیہ نے لفافہ کھولا اور پڑھنے لگی ۔

پیاری صفیہ ،

اپنی مرنے والی زہرہ کا آخری سلام قبول کرو !

صفیہ ، میں زہرہ ہوں ، یہ خط زہرہ لکھ رہی ہے تمہاری زہرہ جسے تم بہت چاہا کرتی تھیں ، جس سے تمہیں محبت تھی ، جس کی غلطیوں کو تم ہنس کر ٹال دیا کرتی تھیں ، جس کی بڑی سے بڑی خطا کی تعزیر تمہارے پاس ایک تبسم جاں فزا کے سوا کچھ نہ تھی ۔

لیکن اب زہرہ وہ زہرہ نہیں رہی ، نہ تمہاری نظروں میں نہ خود اپنی نظروں میں وہ اپنی غلط کاری پر شرمندہ ہے ، لیکن معافی کی طالب نہیں ، سزا ، انتقام ، تعزیر اور عقوبت کی متمنی ہے اسے اپنی شدید غلط کاری کا احساس ہے اور ضمیر کی یہ خلش برابر محسوس کر رہی ہے اور اس وقت تک محسوس کرتی رہے گی ، جب جان سے نہ گزر جائے ۔

دنیا میں کوئی ہستی بھی میری نظروں میں اتنی محبوب نہ تھی جتنی بھائی

جان کی جتنی تمہاری، جتنی یاسمین کی، لیکن زمانے کے انقلابات دیکھو
ایک وقت ایسا بھی آیا، جب میں تم سے نفرت کرنے لگی، بھائی جان
سے نفرت کرنے لگی، یاسمین سے نفرت کرنے لگی، کیوں کرنے لگی
تم جانتی ہو، میں اگر کچھ کہنا چاہوں تو بھی اس سے زیادہ کیا کہہ
سکتی ہوں کہ ایک شخص میری زندگی میں آیا!

صفیہ، ایک شخص میری زندگی میں آیا، دبے پاؤں میں اس کا آنا
محسوس بھی نہ کر سکی اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے بے اندازہ
محبت میں اس کے اس دعوے کو نہ پرکھ سکی، نہ جھٹلا سکی کیونکہ
مجھ میں اتنی سکت ہی نہ تھی، میں اس کے حضور میں اپنے دل کا
نذرانہ پیش کرنے پر مجبور گئی۔

میں نے یہ نذرانہ پیش کر دیا اور سمجھ لیا، دنیا کی سب سے بڑی
نعمت مجھے مل گئی، محمود مجھے مل گیا، سب کچھ مجھے مل گیا۔
میں اس کی دولت سے محبت نہیں کرتی تھی خود کون سی کم امیر تھی
میں اس سے محبت کرتی تھی، بے پناہ، بے اندازہ، اندھادھند

اس نے جو کہا میں نے مانا، اس نے جو چاہا، میں نے کیا اس
کی ہر خواہش، میرے دل کی مرضی بن گئی، میں اس کی آنکھوں سے
دیکھتی تھی، اس کے دماغ سے سوچتی تھی، اس کے کان سے
سنتی تھی!

وہ بھائی جان سے نفرت کرتا تھا، میں بھائی جان سے نفرت
کرنے لگی، وہ صفیہ سے، میری پیاری صفیہ سے نفرت کا اظہار
کرتا تھا، میرے دل میں صفیہ کے خلاف اپنی پیاری صفیہ کے
خلاف، نفرت کا طوفان اٹھنے لگا، وہ یاسمین جیسی معصوم
ہستی سے نفرت کرتا تھا اور میں جو اسے جان ودل سے چاہتی تھی۔
اس طرح اس سے نفرت کرنے لگی، جیسے وہ میری سوتیلی لڑکی ہے!

میری آنکھوں پر پردے پڑ گئے تھے صفیہ — میں اندھی ہو گئی تھی، سورج کی روشنی میرے لئے تاریکی تھی اور گھمبیر تاریکی میں مجھے روشنی کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی تھیں!"

تم ہی سوچو اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے مجھے اکسایا کہ بھائی جان پر — بھائی جان جو ہمیشہ مجھے جان سے زیادہ محبوب رہے اور جنہوں نے ماں کی طرح مجھے پالا — مقدمہ دائر کر دوں، ان سے حساب فہمی کروں اور جو کچھ زیادہ سے زیادہ لے سکتی ہوں لے لوں، صفیہ میں اتنی اندھی تھی کہ ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکی، پورے جوش و خروش کے ساتھ بھائی جان سے مقدمہ لڑنے پر تیار ہو گئی، کاش یہ اقدام کرنے سے پہلے میں مر گئی ہوتی!"

شادی کے دن جب بھائی جان نہیں تھے اور تم تھیں، تو کتنا قیمتی سامان میں لے گئی تھی، یہ بھی اس شخص کے اشارہ سے ہوا تھا، بے شک تم نے سامان لے جانے سے مجھے منع نہیں کیا تھا خوشی سے اجازت دے دی تھی، لیکن میرا جی چاہ رہا تھا کہ تم منع کرو، تاکہ مجھے لڑنے کا موقع ملے، تم سے نفرت کرنے لگی تھی اور چاہتی تھی کہ نفرت کا آتش فشاں اس طرح پھٹے کہ اپنے گرم، تیز اور جان لیوا لاوے کے ساتھ تمہیں بہا لے جائے۔

پھر نہ جانے محمود سے اور تم سے کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ میں پہنچ گئی، اس نے بتایا کہ تم نے اُسے بُرا بھلا کہا ہے، گھر سے نکل جانے کا حکم دیا ہے، یہ سنتے ہی میں بپھر گئی، ہوش میں نہ رہی اور تم سے بڑے گستاخانہ لہجے میں کہا "یہ تری یہ ہمت!"

صفیہ بھلا یہ الفاظ زہرہ کے منہ سے نکل سکتے تھے، لیکن اب سوچتی ہوں تو دم گھٹنے لگتا ہے اور مرنے کو جی چاہنے لگتا ہے لیکن نکلے ہوئے تیر کو بھلا کون پکڑ سکتا ہے؟

ایک روز کسی بات پر خفا ہو کر جب نہ جانے کیا اول فول
بک رہی تھی تم نے میرے منہ پر طمانچہ مارا تھا!
وہ طمانچہ مجھے بہت کھلا تھا، لیکن میں ضبط کر گئی تھی!
اور اب؟ — اب جی چاہتا ہے اس جگہ کو پیار کر دوں
جہاں تم نے طمانچہ لگایا تھا۔
تم کہتی ہو گی یہ کیسی داستان لے کر بیٹھ گئی، ہاں یہ داستان مجھے
سنانی ہے۔ لیکن صرف تمہی کو البتہ کوشش کروں گی کہ یہ داستان
مختصر ہو؟
تم سے رخصت ہو کر اپنے گھر کو الوداع کہہ کر میں اپنے نئے
گھر میں آئی، یہاں جب تک رہی، ہر طرح کا سکھ حاصل رہا محمود
میری پوجا کرتا رہا۔ کبھی کبھی اس کا چہرہ کچھ خوف ناک ہو جاتا، اتنا
بھیانک خوف ناک کہ میں لرز جاتی۔
مجھے سہمگیں دیکھ کر وہ ہنسنے لگتا اور پھر اس طرح باغ و بہار
بن جاتا ہے جیسے ابھی ذرا دیر پہلے جس شخص کو میں نے دیکھا تھا
وہ کوئی اور ہے اور جو سامنے کھڑا ہے وہ کوئی اور ہے، کوئی
بالکل نئی اور جداگانہ ہستی،
یہاں تک کہ میں اس کے اکسانے سے تم سے اور بھائی جان سے
سے لڑنے پہنچی، اس نے تمہیں زچ کیا، میں نے اپنے بھائی پر ڈاکہ
ڈالا اور پھر چند دن بعد حویلی پہنچ گئے — حویلی جہاں تم نے ہوش کی آنکھیں
کھولی تھیں، جو تمہاری حویلی تھی، جہاں تم نے زندگی کی بہار بھی دیکھی
اور خزاں بھی،
یہ گھر میرے لئے اتنا منحوس ثابت ہوا کہ کیا لکھوں،
یہاں آنے کے کچھ دن بعد میں ایک خوبصورت سے بچے کی ماں
بن گئی اور زندگی کے نئے، خوش آئند اور مسرت بخش منصوبے

بنانے لگی،

ایک دن مسعود میری گود میں تھا۔ میں اسے بہلا رہی تھی، پھر میں گانے لگی۔ غالب کی وہی میری اور تمہاری پسندیدہ غزل — "درد منت کش دوا نہ ہوا!"

اتنے میں محمود آگیا، آج اس کا چہرہ پھر بڑا بھیانک اور خوفناک تھا۔

میں نے کہا "محمود آج پھر تم خوفناک نظر آرہے ہو نہیں ڈر لگ رہا ہے!"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، اتنے میں جمال کا بچہ لنگڑاتا منہ، بسورتا، روتا، بھوک سے بے تاب، پیاس سے نڈھال آگیا، اسے دیکھتے ہی محمود اٹھا اور تابڑ توڑ آٹھ دس طمانچے لگائے، بیچارے کے پہلے تو وہ چیخا لیکن جب اس نے گردن دبائی تو سہم کر چپ ہو گیا اور مار کھاتا رہا، مجھ سے یہ ہولناک منظر نہ دیکھا گیا، میں نے کہا۔

"بس کرو محمود، یہ کیا کر رہے ہو، ایک تو رات سے بیچارہ فاقے میں گرفتار ہے، دوسرے یہ خواہ مخواہ کی پٹائی۔"

یہ سننا تھا کہ ایک لات مار کر بچے کو فرش پر گرا دیا اور میرے سر پر آکھڑا ہو گیا، پہلے تو گھور گھور مجھے، دیکھتا رہا، پھر چیختا ہوا بولا۔

"تم گا رہی تھیں ابھی؟"

میں نے جواب دیا "ہاں گا رہی تھی پھر؟"

"کہنے لگا، بڑی بھیانک سی صورت بنا کر "تم میرا مذاق اڑا رہی تھیں!"

میں نے کہا" کچھ دیوانے ہوئے ہو میں کیوں مذاق اڑاؤں گی وہ

بھی تمہارا ؟"

کہنے لگا "میں تم سے نفرت کرتا ہوں، شدید نفرت" یقین نہ آیا کہ ٹھیک کہہ رہا ہے میں مسکراتی ہوئی بولی "تو مجھے کب محبت ہے ؟ میں بھی نفرت کرتی ہوں !"

جیسے ہی یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے اس نے زور سے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ میں لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا نہ لوں تو گر پڑوں، میں نے روتے ہوئے کہا۔

محمود تم نے مجھے مارا ؟ تم نے زہرہ پر ہاتھ اٹھایا ؟ میری محبت کا یہی انعام ہے، میری وفا کا یہی صلہ ہے ؟ میں نے بھائی سے جو کچھ چھینا سب کچھ تمہیں دے دیا، سب کا تمہیں مختار بنا دیا اپنا جان کا اپنی روح کا مختار بنا لیا ——

بس اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی اور پھر میری بیکا، بالکل میرے سر پہ آ کھڑا ہو گیا، خوفناک نظروں سے میری طرف دیکھا ہوا بولا "میں تم سے نفرت کرتا ہوں، میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی، تم نے ہی مجھ سے صفیہ کو چھینا، تمہارے بھائی نے صفیہ کو اپنا لیا، تم دونوں میرے دشمن ہو، میں تم دونوں کا دشمن ہوں، کیا یہ خطا معاف کر سکتا ہوں ؟ کیا یہ بات بھول جاؤں گا ؟ تم سے میں نے شادی اس لئے کی ہے کہ تمہیں مزا چکھاؤں کسی کی محبت چھیننے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، احسان کو سبق دوں گا غاصب کا انجام کیا ہوتا ہے ؟

یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ میں نے کہا "تم تو صفیہ سے نفرت کرتے تھے، کیا خود میرے سامنے تم نے بارہا نفرت کا اظہار نہیں کیا ؟ تم تو اس کی محبت ٹھکرا چکے تھے، کیا خود مجھ سے تم نے کئی دفعہ اس کی محبت ٹھکرا دینے کی داستان بیان نہیں کی ؟

وہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا، پھر گویا ہوا "میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا، میں نے اُسے ٹھکرایا، وہ ٹھکرانے لگی تھی مجھے میں نے اس سے نفرت نہیں کی، وہ نفرت کرنے لگی تھی مجھ سے!"

میں حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگی اور پوچھا "لیکن اگر یہ سب کچھ تھا، تو تم نے مجھ سے محبت کا اظہار کیوں کیا؟ مجھے کیوں جیتا، میرے دل کو اپنا کیوں بنایا؟"

پھر دیوانوں کی طرح ہنستا ہوا بولا "تاکہ انتقام لوں — صفیہ تم سے بہت محبت کرتی ہے جتنی جتنی تمہیں تکلیف دوں گا وہ جلے گی، کڑھے گی، روئے گی صفیہ احسان کی بڑی عزت کرتی ہے۔ تمہاری تکلیفوں اور اذیتوں سے اس کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو جائے گی اور اسے بے کل دیکھ کر صفیہ ماہی بے آب کی طرح تڑپیں گی، ایسا تڑپیں گی، کہ مزا آجائے گا، یاسمین سے تم محبت تو بہت کرتی تھیں، تو یہ خوشخبری سن لو کہ وہ تمہاری یاد میں درودیوار کو تکتی رہتی ہے اور جب نہیں پاتی تو رونے لگتی ہے، زہرہ، میں نے کیسا زبردست انتقام لیا ہے ایک تیر میں کتنوں کا شکار کیا ہے؛ جمال کو تڑپا تڑپا کر مارا، اس کے معذور اور اپاہج لڑکے کو تڑپا تڑپا کر مار رہا ہوں، صفیہ کو وہ غم پہنچا کہ اس کا سکھ چھین لیا۔ احسان کو وہ داغ دیا کہ زندگی بھر روئے گا، اور روتے نہیں بنے گی، یاسمین کو وہ چرکا دیا کہ ممکن ہے اس غم میں سسک سسک مر جائے اور تمہیں جو بھائی پر فدا تھیں، بھابی پر جان دیتی تھیں۔ بھتیجی پر صدقے قربان ہوا کرتی تھیں، اس طرح نکال لایا جس طرح مکھن سے بال نکالا جاتا ہے، اب تڑپو، پھڑکو، روؤ،

اور روتے روتے مر جاؤ، ایک دن احسان بھی اس طرح مر جائے گا، صفیہ بھی مر جائے گی، یاسمین بھی مر جائے گی، یہ مسعود جو تمہارے پیٹ سے پیدا ہوا ہے یہ بھی مر جائے گا —— دیکھا تم نے محمود کو؟ یہ ہے اس کا اصلی روپ یہ ہے اس کا صحیح رنگ!

پیاری صفیہ یہ سن کر میں تڑپ گئی، میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا، کتنا بڑا دھوکہ کھا گئی تمہاری زہرہ "اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو"

"اب کیا ہو سکتا ہے، میں قید میں ہوں، اس ظالم نے اتنی سخت نگرانی کر رکھی ہے کہ پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا، وہ میرے پاس نہیں آتا۔ مجھ سے بات نہیں کرتا، بیمار پڑی ہوں تو علاج نہیں کرتا، روتی ہوں تو آنسو نہیں پونچھتا۔

اس زندگی سے میں تنگ آگئی ہوں، اب میں زندہ نہیں رہ سکتی، میں نے زندہ نہ رہنے کا یعنی مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے میں خودکشی کر لوں گی، یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے اس سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا یہ خط جب تمہارے ہاتھ میں پہنچے گا ممکن ہے، میرا جسد بے روح سپرد گور کیا جا رہا ہو، میں شرمندہ ہوں، نادم ہوں، شرمسار ہوں، میری صرف ایک ہی آرزو، ایک ہی حسرت ہے یہ کہ مجھے معاف کر دو، یہ لفظ میں تمہاری زبان سے نہیں سننا چاہتی، کیونکہ تمہارا سامنا کرنے کی نہ ہمت رکھتی ہوں، نہ اس کا کوئی امکان ہے کیوں صفیہ معاف کر دیا تم نے مجھے؟"

ہاں ایک بات کہتی ہوں، خدا اور رسول کا واسطہ دے کر التجا کرتی ہوں، بھائی جان کو ہرگز ہرگز نہ یہ خط دکھانا، نہ

وہ واقعات تبانا، جو میں نے تمہیں لکھے ہیں، اس طرح میں ان کی نظروں میں اور ذلیل ہو جاؤں گی میں نے ان کا دل دکھایا ہے انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے۔ انہیں لوٹا ہے، ان سے معافی مانگنا سنگ دلی کی انتہا ہے، ان واقعات کی انہیں خبر دینا ظلم کی انتہا ہے، انہیں مجھ سے، میرے حالات سے بے خبر رہنے دو۔

پیاری صفیہ ایک بات اور مانو گی؟ مان لو گی۔؟

یاسمین کو پیار کرو، خوب سا پیار کرو۔ اس ناشاد و نامراد پھوپھی کی طرف سے وہ سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے، لیکن اس سے کہہ دینا، تیری چاہنے والی، دنیا سے گزرتے گزرتے بھی تجھے یاد کر رہی تھی تو عالم خیال میں اس کے سامنے تھی اور وہ تجھے پیار کر رہی تھی، تیری یاد کو سینے سے لگائے اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہے۔

ایک بات اور کہنا چاہتی ہوں۔ شاید یہ بات کہنے کا حق تو نہیں رکھتی، لیکن انسانیت کے نام پر کہہ رہی ہوں، مسعود بہرحال، میری کوکھ سے پیدا ہوا ہے، اگر وہ محمود کا لڑکا ہے لیکن میرا بھی تو ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں، جان دیتی ہوں اس پر، ہو سکے تو میرے بعد اسے اپنے پاس رکھ لینا، بن ماں کا بچہ ہے، خیال رکھنا، اس کا محبت کرنا اس سے یاسمین سے دوستی کرا دینا، وہ اس کھلونے سے دلچسپی لے گی۔

کئی دن میں یہ خط لکھا ہے!

بہت کچھ لکھ چکی اب خط ختم کرنا چاہتی تھی کہ جگر خراش حادثہ کی اطلاع ملی، وہ بھی سن لو!

"جمال کا بچہ مر گیا!"

ابھی ابھی ملازمہ نے جو میری نگرانی پر مامور ہے بتایا، ڈبل

نمونیہ میں مبتلا ہوا اور تھوڑی دیر میں انتقال کرگیا۔
میں نہیں کہہ سکتی، یہ موت طبعی ہے یا غیر طبعی، موت نے مارا ہے یا ہلاک کیا گیا ہے
لیکن میرا خیال ہے کہ وہ معصوم اور بے گناہ، مرکر بے پناہ مظالم سے نجات پاگیا۔
ہائے صفیہ وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو ان مظالم کی جو محمود نے اس جانِ ناتواں پر توڑ رکھے تھے تصویر بن سکیں وہ کون سا ظلم تھا، جو اس غریب پر نہیں کیا گیا؛ بھوکا اسے رکھا گیا اور اس کے تڑپنے پھڑکنے کا لطف لے لے کر نظارہ کیا گیا پیاسا اسے رکھا گیا اور اس کی تشنگی کا تماشا دیکھا گیا، چارچوٹ کی مار اسے ماری گئی، لہولہان کردیا گیا، اسے مارتے مارتے کس کی مجال تھی کہ اس کی سفارش کر سکتا؛ کس میں ہمت تھی کہ اس پر ترس کھا سکتا؟

تمہاری
زہرہ

مکرر

اس خط کو لکھے ہوئے بیس دن سے زیادہ ہوچکے ہیں لیکن تم تک پہنچانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور جب تک تمہارے ہاتھ تک اسے پہنچانے کی کوئی صورت نہ نکل آئے، ہر طرح کا ظلم سہنے اور زندہ رہنے پر مجبور — مجبور تھی!"
"خدا کا شکر ہے آج ایک صورت نکلی ہے!"
جو ملازمہ میری نگرانی پر مامور ہے بڑی سفاک اور سنگ دل ہے امانی خانم سے بھی دو قدم آگے، لیکن اس کا لڑکا اتنا ہی نیک

ہے۔

آج تھوڑی دیر کے لئے اپنی جگہ پر اُسے بٹھا کر کہیں کسی کام سے گئی ہے۔ میں نے اس کی خوشامد کی، ہاتھ جوڑے، اسے رحم آگیا اس نے وعدہ کیا ہے۔ جس طرح بھی ہوگا۔ یہ خط تم تک پہنچا دے گا بے چارہ اتنا نیک ہے کہ انعام تک لینے پر تیار نہ ہوا۔

میرے پاس روپیہ تو تھا نہیں معلوم نہیں کب کی پڑی ہوئی دو اشرفیاں مل گئیں وہ میں نے اسے دینا چاہیں۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہنے لگا، بی بی جی ہم آپ کے نمک خوار ہیں، آپ ہی کا کھاتے ہیں، جو کچھ آپ سے ملتا ہے، شوق سے لیتے ہیں۔ لیکن اتنی نازک گھڑی پر آپ کا کام کر کے اگر یہ اشرفیاں لے لوں تو میرا دل مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں اس غریب لیکن عالی ظرف آدمی کی اس حوصلہ مندی پر دنگ رہ گئی۔

بہر حال مجھے یقین ہے اب یہ خط تم تک پہنچ جائے گا اچھا رخصت!

مکرر

لو دو دن پھر ضائع ہو گئے، لڑکا خط لے کر باہر نکلا تھا کہ محمود آگیا، اس نے پوچھا کہاں جا رہا ہے، بے چارہ سٹ پٹا گیا، پھر اس کی ماں کو پوچھا، اس نے بتایا کسی کام سے گئی ہے اور مجھے اپنی جگہ بٹھا گئی ہے، محمود کا چہرہ یک دم بھیانک اور خوفناک ہو گیا، اس نے پوچھا، پھر اس کے آنے سے پہلے تو کیوں جا رہا تھا؟ کیا احسان کو بلانے؟ اور یہ کہہ کر اسے مارنا

شروع کیا ہے تو لوتھ اُٹھا دی مارتے مارتے اور پھر اسے بھی میرے پاس قید کر دیا۔ کھانے کو صرف ایک روٹی ایک گلاس پانی! نہ جانے اس شخص میں کون سی طاقت ہے کہ کوئی اس کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا، ماں تک اپنے بیٹے کی یہ گت دیکھتی رہی، مگر کیا مجال ہے جو آف کی ہو، بلکہ اُلٹی بیٹے سے خفا تھی کہ مجھے تنہا چھوڑ کر کیوں جا رہا تھا؟ دو دن تک بیچارہ بھوکا پیاسا میرے ساتھ قید رہا آج سے فرمان رہائی بہت سی گالیوں کے ساتھ ملا ہے میں نے جلدی جلدی یہ چند سطریں پھر لکھیں اور اسے دے دیں اب انشاء اللہ یہ خط تم تک ضرور پہنچ جائے گا!

کاش ایسا ہو۔

بس اب میں کچھ نہیں کہنا چاہتی رخصت ہوتی ہوں!

(۵) .

خونخوار

صفیہ نے خط پڑھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہو گئی۔ وہ بیتابانہ اٹھی اور احسان کے کمرے میں پہنچی، لیکن وہ موجود نہ تھا کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں سے پھر اپنے کمرے میں آئی اور چیخ چیخ کر رونے کی آواز سن کر چمپا دوڑی آئی اور اس نے صفیہ کا بازو پکڑ کر پوچھا "کیا ہوا میری بچی"

صفیہ اس سے لپٹ گئی، اس نے روتے ہوئے کہا "زہرہ مر رہی ہے مجھے اس کے پاس جانا ہے۔ کیا میرے ساتھ چلو گی؟ میرا ساتھ دو گی؟"

چمپا نے جواب دیا "تو جو کچھ بھی کرے گی، میں تیرے ساتھ ہوں لیکن بیٹی، خود زہرہ نے ہمارے آنے پر پابندی لگا رکھی ہے اور محمود ہرگز قدم نہیں رکھنے دے گا؟"

صفیہ نے اسی طرح روتے ہوئے کہا "کچھ بھی ہو تمہیں چلنا پڑے گا میرے ساتھ —

— ورنہ میں اکیلی جاتی ہوں —

اور یہ کہہ کر اپنے کمرے سے نکلی اور تیز تیز چلنے لگی، چمپا بھی اس کے پیچھے پیچھے تقریباً دوڑتی ہوئی چل رہی تھی حویلی کچھ ایسے زیادہ فاصلے پر نہ تھی جلد ہی پہنچ گئی۔ محمود برآمدے میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز کوئی اخبار پڑھ رہا تھا اس نے جو صفیہ کو دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوگیا اور گویا "آہا صفیہ بیگم کہاں بھول پڑیں آپ؟"

صفیہ نے ترشی کے ساتھ کہا، راستے سے ہٹ جاؤ مجھے زہرہ سے ملنا ہے؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا "خدا نہ کرے، اس سے ملنے کے لئے جان سے گزرنا پڑے گا۔ کوچۂ زلیست سے باہر قدم رکھنا پڑے گا، آپ کے یہ مرنے کے دن ہیں؟"

اتنے میں چمپا بھی آگئی تھی، محمود نے اس سے کہا "انہیں سمجھاؤ، یہ زہرہ سے ملنے پر تلی ہوئی ہیں اور وہ اس دنیا سے کوچ کر چکی؟"

بے ساختہ چمپا کے منہ سے نکلا "سچ؟ کیا واقعی زہرہ مرگئی!"

وہ بے پروائی کے ساتھ بولا۔ "ہاں اس نے خودکشی کرلی، لیکن کتنی وفادار بیوی تھی، ایک ایک چیز میرے نام کرگئی!"

صفیہ نے حقارت اور نفرت کی نظر ڈالی اور کہا "مسعود کہاں ہے؟"

محمود نے کہا "انانی خانم کی گود میں — لیکن مسعود سے مطلب؟"

وہ کہنے لگی "وہ زہرہ کی امانت ہے اس کی نشانی ہے، وہ میرے پاس رہے گا!"

محمود نے خفیف سے تامل کے بعد کہا، "ہاں ایسا ہو سکتا ہے بلکہ میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں۔ لیکن مسعود کو پانے کے لئے کچھ ایثار کرنا پڑے گا آپ کو!"

وہ پرجوش انداز میں کہنے لگی "میں ایثار کرنے کو تیار ہوں، تم سوداگر ہو اگر

اسے فروخت کرنا چاہو تو خرید لوں گی، اپنی آخری پونجی دے کر بھی۔

وہ ہنسنے لگا "تم نے خوب اندازہ لگایا میری فطرت کا، میں اسے فروخت کرنے پر تیار ہوں، ضرور بیچ دوں گا ؟"

صفیہ کہنے لگی "بتاؤ کیا مول ہے اس کا ؟"

محمود نے کہا "صفیہ بیگم !"

صفیہ تیورا کر دو قدم پیچھے ہٹی، پھر اس نے کہا "تو قاتل ہے، تو ظالم ہے، تو نے زہرہ کو قتل کر دیا، تو نے میرے بھتیجے کی جان لے لی تو مسعود کو بھی مار ڈالے گا !"

محمود نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا "زہرہ نے خودکشی کی۔ تمہارا بھتیجا نمونیہ سے مرا، ڈاکٹری سرٹیفکٹ میرے پاس دونوں کے موجود ہیں مسعود میرا بیٹا ہے اگر میں اسے قتل کر ڈالوں تو تم پوچھنے والی کون ؟"

چمپا نے پوچھا، کب خودکشی کی زہرہ نے ؟

" محمود نے جواب دیا۔ کل رات کو اور آج صبح دفن کر دی گئی ؟"

صفیہ تڑپ کر بولی "تم جھوٹے ہو، ابھی وہ زندہ ہے، میں سب کچھ جانتی ہوں، مجھے سب کچھ معلوم ہے، میں ابھی پولیس کو اطلاع دوں گی !"

وہ پھر ہنسنے لگا "پولیس میرا کیا کر لے گی ؟ خود انسپکٹر صاحب نماز جنازہ میں شریک تھے، بڑی دیر تک مجھے تسلی دیتے رہے ابھی تو گئے ہیں !"

تم نے ہمیں کیوں اطلاع نہ دی اس حادثے کی ؟"

"" کیوں دیتا اطلاع ؟" وہ تم سے نفرت کرتی تھی احسان سے نفرت کرتی تھی تم دونوں اس سے نفرت کرتے تھے، بیزار تھے اس سے، تم کو اطلاع دیتا کہ انداق اڑاؤ میرے زخم دل سے کھیلو ؟ قدرت کی اس ستم ظریفی پر قہقہے لگاؤ کہ اس نے میری محبوبہ چھین لی۔"

" وہ محبوبہ کب سے بن گئی تمہاری ؟" اگر محبوبہ تھی، تو خودکشی کیوں کی ؟" کچھ دماغ چل گیا تھا اور عورتیں اکثر سنکی ہی ہوتی ہیں !"

"اچھا تم سچے سہی، جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب زہرہ واپس نہیں ملتی، مسعود کا تم کیا کرو گے؟ مجھے دے دو؟"

"یہ سوال بھی خوب ہے کہ مسعود کا میں کیا کروں گا؟ تم یاسمین کا کیا کرو گی مجھے دے دو؟ — باقی اگر مسعود کو واقعی لینا چاہتی ہو تو ہر وقت ممکن ہے اس کا مول بتا چکا ہوں، احسان کو چھوڑ دو، میرا گھر بساؤ آکر، مسعود بھی تمہارا، محمود بھی تمہارا!"

"یہ تو اپنی محبوبہ کا سوگ منا رہا ہے ابھی اسے مرے ہوئے دو دن بھی نہیں ہوئے، ابھی اس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ اور تو پھر سے عشق لڑانے لگا بندے!"

"لیکن میرا یہ عشق کچھ نیا تو نہیں ہے، یہ تو اتنا ہی قدیم ہے جتنا میرا وجود اس کی اتنی ہی عمر ہے جتنی تمہاری، زہرہ تو خواہ مخواہ ہمارے راستے میں آگئی تھی؟"

"یا اللہ، اس شخص کا دل کس چیز کا بنایا ہے تو نے؟"

"یہ تفتیش بعد میں کرتی رہنا، پہلے میرے سوال کا جواب دو! — کیا تم مسعود کو لینا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کی قیمت دینے پر تیار ہو؟"

"ہرگز نہیں، میں تجھ پر اور مسعود دونوں پر لعنت بھیجتی ہوں!"

یہ سن کر محمود کا چہرہ پھر بھیانک ہو گیا، اس نے تند و تلخ لہجے میں کہا۔

"پھر یہاں آئی کیوں تھیں؟"

"زہرہ سے ملنے، اپنی زہرہ سے ملنے!"

"تمہاری زہرہ مر گئی!"

"اسے تو نے مارا ہے!"

"اس نے خودکشی کی ہے!"

"تو جھوٹا ہے، تو قاتل ہے!"

"اس راز کا انکشاف پولیس کے سامنے کرو، وہاں بیان دو، میرا بیان بھی

ضرور پولیس ے گی، میں بھی بیان دوں گا، اپنا حالِ دل بھی کہوں گا، تمہاری بے وفائیوں کی داستان بھی بیان کروں گا احسان کی شیطنت کا قصہ بھی زیر بحث لاؤں گا، پھر جو فیصلہ بھی ہو!"

" زہرہ مرگئی — چمپا زہرہ نے جان دے دی اور اس ستمگر نے ہمیں اطلاع بھی نہ دی!"

" وہی مہمل بات، ارے بھئی کیوں اطلاع دیتا تمہیں؟ تم اس کی یا میری کون ہوتی ہو؟"

" محمود انسان بنو رحم کرو میرے حال پر خدا کے لئے مسعود کو مجھے دے دو!"

" مسعود نہیں مل سکتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے باپ کو ٹھکراؤ اور اسے لے لو، محمود سے نفرت کرو اور مسعود کو چاہو، میں سمجھ گیا، تم انتقام لینا چاہتی ہو، مجھ سے اور زہرہ سے!"

" انتقام؟ — کیا میں بھی انتقام لے سکتی ہوں کسی سے؟"

کیوں نہیں لے سکتیں، کیا تم انسان نہیں ہو!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر آیا، محمود نے اس سے کہا، جائیے اوپر چلے جائیے، اگر بچ سکے تو ٹھیک ہے، نہ بچ سکے تو بھی مجھے کوئی پروا نہیں!"

ڈاکٹر حیرت سے محمود کو دیکھتا اوپر چلا گیا۔ ذرا دیر کے بعد واپس آیا اس نے کہا: "بچے پر تشنج کے شدید دورے پڑ رہے ہیں، علاج کی طرف بہت دیر میں توجہ کی آپ نے اب اس کا بچنا مشکل ہے!"

محمود نے زہر خند کرتے ہوئے کہا" جب اس کی ماں زندہ نہ رہی تو اب مجھے اس کی زندگی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ امانی خانم نے آپ کو بلا لیا۔

بہرحال آپ کا شکریہ، فیس تو امانی خانم نے دے دی ہوگی؟"

ڈاکٹر نے بے رُخی کے ساتھ ٹوپی سر پر رکھی اور کہا" جی ہاں فیس تو مل گئی!"

ڈاکٹر ابھی دو قدم گیا ہوگا کہ امانی خانم روتی پیٹتی اوپر سے دھم دھم اتریں

ارے ڈاکٹر صاحب، خدا کے لئے آیئے، دیکھئے میرے بچے کو کیا ہو گیا ہے؟'
محمود نے سگار سلگاتے ہوئے کہا "مر گیا ہو گا؟"
اتنے میں ڈاکٹر آگیا، امانی خانم کے ہمراہ اوپر گیا، اور ذرا دیر کے بعد آکر
محمود کے خیال کی تصدیق کر دی" افسوس ـــ"
محمود نے کہا "کوئی چیز بیکار نہیں ضائع کرنی چاہیے، حتیٰ کہ الفاظ تک
کی ـــ
میں فضول خرچی مناسب نہیں سمجھتا، اس کی موت آگئی تھی مر گیا! ـــ
ڈاکٹر نے پھر ٹوپی سر پہ رکھی اور چلا گیا۔

(۶)

انتقام، انتقام، انتقام

اتنی ذرا سی دیر میں صفیہ نے، محمود کا جو رنگ دیکھا وہ اُسے لرزہ براندام کر دینے کے لیے کافی تھا، وہ محمود کے متعلق حد درجہ بُری رائے رکھتی تھی وہ اسے اخلاق، انسانیت ہر چیز سے عاری سمجھتی تھی وہ جانتی تھی، اسے زہرہ سے ذرا بھی محبت نہیں، لیکن سب کچھ جانتے کے باوجود، یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ اتنا شقی، اتنا سنگ دل اور اتنا سفاک ہے کہ وہ زہرہ کی خودکشی کو، اس کی بے کسانہ موت کو، اپنے شہید ستم کو اتنی اہمیت بھی نہ دے گا، جتنی ایک شریف اور حساس آدمی گھر کی بلی کو دیتا ہے۔ اور یہ بات تو ماورائے وہم و قیاس تھی کہ اپنے سگے بیٹے تک کی موت پر نہ صرف یہ کہ اُس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ نہیں گرے گا، بلکہ اس بے پروائی سے اس خبر کو سنے گا، جیسے کوئی سانپ، بچھو کے مرجانے یا ہلاک ہو جانے کا حال سنتا ہے، وہ چاہتی تھی، چیخ چیخ کر رو دے اور آسمان سر پہ لے، جل تھل کر دے اور اپنے سیل اشک میں محمود کا سفینۂ حیات غرق کر دے۔ لیکن یہ کچھ نہ کر سکی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس سے مرعوب ہوئی۔

کے سامنے اس طرح کھڑی تھی جیسے شیر کے سامنے بکری!

محمود نے خونبار اور شعلہ فشاں نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا "جس طرح زہرہ نے خودکشی کی ہے اسی طرح ایک دن تم اپنے گلے میں دوپٹے کا پھندا ڈالو گی، اسی طرح ایک روز احسان چھت سے کود کر مرے گا، جس طرح مسعود تشنج کے مرض سے اکڑ اکڑ کر مرا ہے اور جس طرح تمہارا بھتیجا میری ٹھوکریں کھا کھا کر اس دنیا سے رخصت ہوا ہے اسی طرح یاسمین مرے گی، تمہارے اور احسان کے مرنے کے بعد وہ میرے قبضے میں آئے گی، میں اس کا وارث، مالک اور مختار بنوں گا، اس کی چوٹی پکڑ پکڑ کر ماروں گا، مارتے مارتے اس کے گال لہو لہان کردوں گا۔ وہ روئے گی اور ٹھوکریں کھائے گی، پیاس سے تڑپے گی، پانی سامنے ہوگا، مگر مجال نہ ہوگی، ایک قطرہ بھی حلق میں ٹپکا سکے، وہ بھوک سے بلبلائے گی، کھانا سامنے ہوگا۔ مگر لقمہ توڑنے کی ہمت جواب دے چکی ہو گی، اور پھر ایک روز ہچکیوں اور سسکیوں کے ہجوم میں گردن ڈال دے گی، مر جائے گی اور میں اس کی لاش اٹھوا کر کسی قبرستان کے گڑھے میں پھینکوا دوں گا!

اور پھر —

اور پھر اس حویلی کو جہاں تم کھڑی ہو، خاک کا ڈھیر بنا دوں گا۔ اس کی دیواریں تڑوا دوں گا، اس کی چھتیں اتار دوں گا، اس کے دروازوں میں آگ لگا دوں گا، آج جہاں سبزہ و گل نظر آرہے ہیں، پھر وہاں خاک اڑے گی گھاس تک باقی نہ رہنے دوں گا اور وہ مکان جو تمہارا نشیمن ہے اسے بھی جلا دوں گا۔

جہاں تم رہتی ہو، جہاں احسان رہتا ہے، جہاں یاسمین رہتی ہے، جہاں زہرہ رہتی تھی۔ جب تمہارے اور احسان کے مرنے کے بعد میرے قبضے اور تصرف میں آئے گا۔ تو اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ وہ شاندار محرابیں مٹی کا ڈھیر بن جائیں گی۔

وہ مغلیہ طرزِ تعمیر جو اس علاقے میں اپنی مثال آپ ہے، ملبہ کا ڈھیر بن جائے گا، وہ مضبوط اور بلند و بالا حصار جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا، کتوں، سانپوں اور سیاروں کا بھٹ بن جائے گا۔ پھر وہاں پھول نہ اُگ سکیں گے۔ پھر وہاں عشق پیچاں کی بیل کو سہارا نہ مل سکے گا۔ پھر وہاں گھاس بھی اُگتے ہوئے ڈرے گی۔

یہ انتقام ہوگا!

محمود کا انتقام!

اس انتقام سے زمین کانپے گی، آسمان لرزے گا، قبر میں تمہاری ہڈیاں تڑپیں گی۔"

تم نے مجھے ٹھکرا دیا۔

تم نے میری محبت کو ٹھکرا دیا۔

تم نے میرے رقیب کو اپنا سرتاج بنالیا۔

میں تمہیں اور اپنے رقیب کو کہیں کا نہ رکھوں گا۔ میں تم پر ذرا ترس نہ کھاؤں گا۔

تباہی، مکمل تباہی، بربادی مکمل بربادی، یہ ہے میرا انتقام!"

میرے اس انتقام سے تم نہیں بچ سکتیں، احسان نہیں بچ سکتا، زہرہ نہیں بچ سکی، اس کا لڑکا نہیں بچ سکا۔ جمال نہیں بچ سکا، اس کا فرزند نہیں بچ سکا، خدا کے انتقام سے لوگ بچ سکتے ہیں، لیکن محمود کا انتقام کسی کو نہیں بخش سکتا، اس کے انتقام سے چنگیز و ہلاکو کا انتقام بھی بید لرزاں کی طرح کانپتا ہے!"

صفیہ اس سے زیادہ نہ سن سکی، اس نے زور سے چمپا کا ہاتھ پکڑا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے لے چلو چمپا، میں گر پڑوں گی، میں بے ہوش ہو جاؤں گی، میرا دم نکلا جا رہا ہے۔

چمپا نے اُسے سہارا دیا اور تقریباً گھسیٹتی ہوئی لے چلی دور تک، اس کے کانوں میں محمود کے خوفناک اور بھیانک قہقہوں کی آواز آتی رہی!

۷

آخر ایک دن

چمپا کے ساتھ وہ اس طرح بھاگتی ہوئی آ رہی تھی جیسے بھیڑیے کے خوف سے حواس باختہ ہو کر بکری بھاگتی ہے۔

احسان اب تک نہیں آیا تھا، وہ آئی اور اپنے کمرے میں بستر پر پڑ گئی پھر اس نے چمپا سے کہا۔

" چمپا اس خونخوار آدمی کی باتیں تم نے سنیں ؟"

وہ بولی " ہاں سنیں، خدا غارت کرے!"

بڑی بے کسی کے ساتھ صفیہ نے پوچھا " لیکن چمپا، احسان اور یاسمین کو اس کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں ؟ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں، میں تو مر رہی ہوں میں اب نہیں بچ سکتی۔

لیکن احسان کی جان میری وجہ سے جائے گی، ہائے اس بیچارے کو محبت کا انعام میری طرف سے یہی ملنا تھا ؟ میری یاسمین جو دنیا سے دنیا کے مکر و فریب سے ناواقف ہے، اس موذی کے ہاتھ میں آ گئی تو واقعی اس نے جو کچھ کہا ہے، وہی کرے گا، پھر میں کیا کروں گی ؟ چمپا کیا مرنے کے بعد بھی چین میری قسمت میں نہیں لکھا ہے ؟ لوگ تو کہتے ہیں موت ہر دکھ کا

علاج ہے، لیکن میرا علاج موت کے بعد بھی نہ ہو سکے گا؟ میں نے وہ کون گناہ کیا تھا، جس کی یہ سزا مل رہی ہے مجھے؟"

چمپا نے تسلی دیتے ہوئے کہا" وہ موذی تو اسی طرح بکارتا وہ تمہارا یا احسان کا پھر یاسمین کا کیا کر سکتا ہے؟ زہرہ اس کی بیوی تھی، جس طرح چاہا اسے ستایا، جمال اس کا مقروض تھا اس کے بیٹے کی زندگی غارت کر دی مسعود خود اسی کا لڑکا تھا مار ڈالا اسے، لیکن تم سے یا احسان سے اس کا کیا تعلق ہے؟ تم دونوں اس کے دبیل نہیں مقروض نہیں، ماتحت نہیں، دل میں لاکھ جلے، لیکن بگاڑ کیا سکتا ہے؟ خواہ مخواہ وہم کر کے اپنی جان کیوں ہلکان کرتی ہو؟"

" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی، تم نہیں جانتیں اس کے ہتھکنڈوں کو وہ بڑا فریبی دغاباز ہے احسان اتنا ہی نیک اور شریف اور کسی طرح احسان کو اپنے جال میں جکڑے گا!"

چمپا نے اعتماد اور یقین پیدا کر دینے والے لب و لہجہ میں کہا" ایسا نہیں ہو سکتا احسان خدا کے فضل سے نہ شراب کا رسیا ہے نہ جوئے کا عادی۔

" وہ کہنے لگی، بھائی جان کب شراب کے رسیا اور جوئے کے عادی تھے؟ اس نے تو بنا دیا تھا۔؟"

چمپا نے بتایا" ہاں ہما کی بے وقت موت نے اسے آسانی سے شکار بننے پر مجبور کر دیا!"

" بڑی معصومیت کے ساتھ اس نے کہا" لیکن چمپا میں بھی مر رہی ہوں ...ئی جان ہما کو اتنا نہیں چاہتے تھے، کیا میری موت اسے محمود کا شکار نہیں بنا دے گی؟"

اور پھر وہ رونے لگی" چمپا! کتنی بد قسمت ہوں میں بھی کیا مجھ سے برا ...ے دنیا میں کوئی ہوگا؟ میں اپنے عاشق کے لئے پیام ہلاکت بن گئی! ...ہوں، میں اپنی بچی کے لئے پنجۂ مرگ نظر آ رہی ہوں — آہ — نہ... چمپا کیا ہوگا اب؟ کیا میرے بعد تم احسان کو بچا لو گی؟ یاسمین کو بچا لو گی

وعدہ کرو، میری چمپا وعدہ کرو، محمود کا داؤ۔ احسان اور یاسمین پر نہیں چلنے دوگی — اگلدان —

یہ کہہ کر صفیہ جھکی، چمپا نے جلدی سے اگالدان سامنے کر دیا، خون کی ایک بڑی سی قے ہوئی،

خون کی یہ قے دیکھ کر چمپا لرز گئی، صفیہ نے کہا۔

" اتنے میں احسان آگیا، گو صفیہ ایک عرصہ سے بیمار تھی اور ڈاکٹروں نے دق کا مرض تجویز کیا تھا، لیکن جب وہ یہاں سے گیا تھا تو اس کے چہرے پر زندگی کی بشاشت تھی اور اب چند گھنٹے کے بعد آیا تو موت کی علامت نمایاں تھی وہ لپک کر صفیہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھتا ہوا بولا" کیا ہوا صفیہ؟"

صفیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، آنکھوں سے لگایا، پھر اس کے ہونٹ کانپنے لگے، اس نے کچھ کہنا چاہا، مگر نہ کہہ سکی، آنکھوں سے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے گرنے لگے احسان چلایا " صفیہ —

" میں ڈاکٹر کو ابھی لاتا ہوں " یہ کہتا ہوا احسان اٹھا، لیکن صفیہ نے اپنے کمزور ہاتھوں سے پھر اس کا دامن پکڑ لیا وہ ذرا کے ذرا بیٹھ گیا، اس کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا پیار بھرے لہجہ میں کہنے لگا۔

" ابھی آیا — تم اچھی ہو جاؤ گی!"

صفیہ نے انکار میں گردن ہلائی اور بڑی مشکل سے اپنی بکھری ہوئی قوت مجتمع کر کے بولی " نہیں " —

اور پھر چپ ہو گئی، احسان نے کچھ اور پوچھنا چاہا تھا کہ وہ پھر بڑی مشکل سے بولی۔

" محمود سے بچنا! —"

" پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، اس نے گردن ڈال دی!"

چمپا سینہ کوٹنے لگی اور چیخ چیخ کر رونے لگی، سارا گھر جمع ہو گیا جتنے نوکر تھے ڈھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے جتنی خادمائیں تھیں، رو رو کر جل

تھل کر رہی تھیں، اڑوس پڑوس کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے، سارے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا، حسنو ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا، بہت جلد ڈاکٹر کو لے کر واپس آگیا، ڈاکٹر آیا، اس نے نبض دیکھی، ماتھا ٹٹولا اور فیصلہ کر دیا کہ صفیہ مر چکی ہے۔

اس اعلان سے پہلے بھی سب لوگ جان چکے تھے کہ صفیہ مر چکی ہے لیکن احسان کے ہوش و حواس پر یہ اعلان بجلی بن کر گرا۔

وہ بے ہوش ہو گیا!

شہر سے ڈاکٹر بلائے گئے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ اچانک صدمے نے یہ حالت کر دی ہے، مریض کو مکمل آرام کی ضرورت ہے، حالت خطرناک نہیں، لیکن تشویش انگیز ضرور ہے۔

کئی روز تک بار بار اس پر بیہوشی کے دورے پڑتے رہے، دو ڈاکٹر مستقل طور پر دیکھ بھال کے لئے شب و روز موجود رہنے لگے، کئی دن کے بعد حالت سنبھلی لیکن ڈاکٹروں کی سخت تاکید تھی کہ ابھی کم سے کم ایک مہینے تک بستر سے اترنے کی جرأت نہ کی جائے۔

جب سے حالت ذرا سنبھلی تھی کئی مرتبہ اس نے صفیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے جانا چاہا، لیکن ڈاکٹروں نے اجازت نہیں دی، کچھ اس لئے کہ ابھی وہ انتہائی ناتواں تھا اور زیادہ تر اس لئے کہ ابھی زخم دل تازہ تھا، اندیشہ تھا وہاں جا کر جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور حالت پھر بگڑ جائے۔

لیکن وہ وفا کی پتلی چمپا ہر روز صبح و شام، صفیہ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانے اور فاتحہ پڑھنے جایا کرتی۔

ایک روز اس کی آنکھ وقت سے پہلے کھل گئی اور معمول سے پیشتر قبرستان پہنچ گئی، اس نے دیکھا، صفیہ کی قبر کے پاس کوئی شخص موجود ہے اسے حیرت ہوا کہ اس وقت اتنے سویرے اور وہ بھی صفیہ کی قبر پر کون ہو سکتا ہے پاس پہنچی تو حیران ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ یہ محمود تھا

جو نہایت اطمینان سے اس کی قبر پر گال ٹیکے اور اسے اپنے دونوں ہاتھوں کے گھیرے میں لئے لیٹا ہے وہ جل کر کباب ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"تم ؟"—

کیا تم اب بھی میری بچی کا پیچھا نہیں چھوڑو گے ؟ تم نے اس کی جان لی، تم نے اس کی زندگی اجیرن کر دی، تم نے اس کی خوشیاں چھین لیں، تم نے اُسے وہ اذیتیں دیں جو کہ بدترین دشمن بھی نہیں دے سکتا اور اب مگر مچھ کی طرح آنسو بہانے اس کی قبر پہ پہنچے ہو اب اس کی قبر سے لگے ہوئے ہو، وہ سچ ہی تو کہتی تھی، تم بڑے فریبی اور دغا باز ہو، اب بھی فریب سے باز نہیں آتے، اب بھی دغا کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہو۔

محمود کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وہ اسی طرح صفیہ کی قبر کو بازو میں لئے اور گال ٹیکے پڑا تھا۔

ہونٹوں پر خفیف سا تبسم، اس تبسم کو دیکھ کر وہ اور زیادہ خفا ہو گئی، اس نے کہا۔

تمہیں دنیا کا ڈر بھی نہیں ہے، اب بھی اسے رسوا کرنے پر تُلے ہوئے ہو، اس کے شوہر کو اگر پتہ چل گیا، تم یہاں آتے ہو تو ہڈیاں پسلیاں سُرمہ کرا دے گا، خیریت چاہتے ہو چلے جاؤ۔

لیکن محمود نے کوئی جواب نہیں دیا، جنبش تک نہ کی، اپنی جگہ اسی طرح مسکراتا رہا۔

اب تو چمپا کا جلال نقطۂ عروج پہ پہنچ گیا، اس نے بگڑ کر، جھنجھلا کر اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا " اٹھتے ہو یا نہیں! لیکن ارے یہ تو محمود کی لاش تھی، وہ مر چکا تھا، اسے مرے ہوئے شاید کئی گھنٹے گزر چکے تھے اس کی لاش اکڑ گئی تھی!"

ختم شد